اردو کا کلاسیکی ادب

مقالات سرسید

۱۔ مضامین متعلق سوانح و سیر

۲۔ مضامین ادبی

۳۔ مضامین متعلق تنقید و تبصرہ

جلد ہفتم

مرتبہ

مولانا محمد اسماعیل، پانی پتی

مقالات سرسید

سرسید کے ادبی کارناموں میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ نمایاں حیثیت ان کی مضمون نگاری اور مقالہ نویسی کو حاصل ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ اپنے دور کے سب سے بڑے اور سب سے اعلیٰ مضمون نگار تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں سینکڑوں مضامین اور طویل مقالے بڑی تحقیق و تدقیق، محنت و کاوش اور لیاقت و قابلیت سے لکھے اور اپنے پیچھے نادر مضامین اور بلند پایہ مقالات کا ایک عظیم الشان ذخیرہ چھوڑ گئے۔

ان کے بیش بہا مضامین جہاں ادبی لحاظ سے وقیع ہیں، وہاں وہ پر از معلومات بھی ہیں۔ ان کے مطالعے سے دل و دماغ میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور مذہبی مسائل اور تاریخ عقدے حل ہوتے ہیں اخلاق و عادات کی اصلاح کے لیے بھی وہ بے نظیر ہیں اور سیاسی و معاشرتی لحاظ سے بھی نہایت فائدہ مند ہیں۔ نیز بہت سے مشکل سوالوں کے تسلی بخش جوابات بھی ان میں موجود ہیں سرسید کے ان ذاتی عقائد اور مذہبی خیالات کے متعلق بھی ان سے کافی روشنی ملتی ہے جو اپنے زمانے میں زبردست اعتراضات کا ہدف رہے ہیں ان مضامین میں علمی حقائق بھی ہیں اور ادبی لطائف بھی، سیاست بھی

ہے اور معاشرت بھی، اخلاق بھی ہے اور موعظت بھی، مزاح بھی ہے اور طنز بھی، درد بھی ہے اور سوز بھی، دلچسپی بھی ہے اور دلکشی بھی، نصیحت بھی ہے اور سرزنش بھی غرض سرسید کے یہ مضامین و مقالات ایک سدا بہار گلدستہ ہیں جن میں ہر رنگ اور ہر قسم کے خوشبودار پھول موجود ہیں۔

یہ مضامین سرسید نے جن اخباروں اور رسالوں میں وقتاً فوقتاً لکھے، وہ مدت ہوئی عام نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے اور کہیں ان کا سراغ نہیں ملتا تھا۔ پرانے اخبارات و رسائل کے فائل کون سنبھال کر رکھتا ہے۔ سرسید کی زندگی میں کسی کو اس کا خیال بھی نہ آیا کہ ان تمام بیش قیمت جواہرات کو جمع کر کے فائدہ عام کے لیے شائع کر دے۔ صرف دو ایک نہایت ہی مختصر مجموعے شائع ہوئے مگر وہ بھی بے حد تشنہ اور نامکمل، جو نہ ہونے کے برابر تھے۔

سرسید کے انتقال کے بعد نصف صدی کا طویل زمانہ گزر گیا مگر کسی کے دل میں ان مضامین کے جمع کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا اور کوئی اس طرف متوجہ نہ ہوا آخر کار مجلس ترقی ادب لاہور کو ان بکھرے ہوئے بیش بہا جواہرات کو جمع کرنے کا خیال آیا مجلس نے ان جواہرات کو ڈھونڈنے اور ان کو ایک سلک میں پرونے کے لیے مولانا محمد اسماعیل پانی پتی کا انتخاب کیا جنھوں نے پرانے اخبارات اور قدیم رسالوں کے فائلوں کی تلاش میں دور و نزدیک کے سفر کیے فراہمی مواد کے لیے ان کے بوسیدہ اور دریدہ اوراق کو غور و احتیاط

سے پڑھنے کے بعد ان میں سے مطلوبہ مواد فراہم کرنا بڑے
بکھیڑے کا کام تھا، مگر چونکہ ان کی طبیعت شروع ہی سے دقت طلب
اور مشکل پسند واقع ہوئی تھی، اس لیے انہوں نے یہ ذمہ داری باحسن
طریق پوری کی چنانچہ عرصہ دراز کی اس محنت و کاوش کے ثمرات
ناظرین کرام کی خدمت میں ''مقالات سرسید'' کی مختلف جلدوں کی
شکل میں فخر واطمینان کے جذبات کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں۔

جلاء القلوب بذکر المحبوبؑ

(سر سید کا ایک قدیم ترین نایاب مضمون)

۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں سر سید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مختصر سوانح عمری ان عقائد و خیالات کے بموجب لکھی جو اس زمانہ میں عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات کے متعلق عوام میں پھیلے ہوئے تھے۔ اپنے ابتدائی ایام میں سر سید بھی ان ہی بیانات کو درست اور صحیح مانتے تھے اور ان کو کبھی اس بات کا خیال نہ آتا تھا کہ ان میں بیشتر من گھڑت واقعات اور فرضی کہانیاں ہیں جو محض مولود خوانوں کی اختراعات ہیں۔ احادیث صحیحہ میں ان کا کوئی وجود نہیں۔

تاہم سر سید کی مرتب کردہ اور سیرۃ میں وضعی روایات کا عنصر بہت کم ہے اور جو چند روایتیں اس قسم کی اس میں تھی، ان کی نشان دہی سر سید نے خود اس وقت کر دی جب ان کے خیالات میں انقلاب پیدا ہوا اور تحقیق و تفتیش کے بعد ان کو ان فرضی روایات کی حقیقت اچھی طرح معلوم ہوگئی۔

اس کی تصریح سرسید نے اپنے اس ریویو میں کر دی ہے جو انہوں نے اس سوانح عمری پر ۱۸۷۸ء میں کیا تھا اور جسے ہم اس سوانح عمری کے آخر میں شائع کر رہے ہیں۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ سوانح عمری سرسید نے ۱۲۵۸ھ میں لکھی اور ۱۲۵۹ میں شائع کی تھی۔ خوش قسمتی سے اس اشاعت کا ایک قدیم نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں محفوظ ہ جو لیتھو میں چھپا ہوا ہے اور پرانی طرز کتابت اور قدیم اسلوب نگارش کا نہایت واضح نمونہ ہے۔ (ہم نے یہاں اس سوانح عمری کو جدید رسم الخط کے مطابق لکھا ہے) قائرین کرام کی دلچسپی کے لیے اس نایاب سوانح عمری کے سرورق کی نقل دوسرے صفحہ پر پیش کی جا رہی ہے۔ لائبریری میں اس سوانح عمری کا نمبر U.F ۱۱۴۴ ہے ہجری حساب کے مطابق آج سے ۱۲۲ برس پہلے کی یہ تحریر امید ہے ناظرین دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

جلاء القلوب

بذکر المحبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جواد الدولہ سید احمد خان بہادر عارف جنگ کی تالیف کی ہوئی
ماہ رمضان المبارک ۲۵۹ ہجری میں جناب سید محمد خان بہادر کے
چھاپہ خانہ کے لیتھوگرافک پریس میں سید عبد الغفور کے اہتمام سے
دلی میں چھپی

(نقل مطابق اصل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد الله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد محمد خاتم المرسلين واله الطيبن الطاهرين واصحابه نجوم الدين. افضل الا ذكار ذكر النبى صلى الله عليه وآله وسلم .

دنیا میں سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اپنے پیارے کا ذکر کیجئے اور ہر دم اس کے نام پر دم دیجیے۔

بیت

دل و جانم فدایت یا محمد

سر من خاک پایت یا محمد

کیا ذات پاک رسول علیٰ محمد وآل محمد ۔ سبحان اللہ ! کیا ذات پاک رسول رب العالمین ہے کہ اس کے جمال باکمال سے عالم منور ہوا اور سا کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے زمین نے آسمان پر ناز کیا۔

محمد کہ آفرینش ہست خاکش

ہزاراں آفریں بر جان پاکش

چراغ افروز چشم اہل بینش

طراز کار گاہ آفرینش
سرو سر خیل میدان وفارا
سپہ سالار و سرخیل انبیاء را
مرقع برکش نر مادہ چند
شفاعت خواہ کار افتادہ چند
ریاحین بخش باد صبحگا ہی
کلید مخزن گنج الہیٰ

صلی علیٰ کیوں نہ ہم ناز کریں اپنے مقبول نبی پر۔ جس کی امت میں ہونے کی نبیوں نے آرزو کی اور اس کی دربانی فرشتوں نے چاہی۔

نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنین سید پیشرو

اللہ تعالیٰ نے اسکا نام نبی الرحمتہ رکھا اور اس کے تئیں امت کی شفاعت کا اختیار دیا۔ اس کے اشارہ سے شق القمر ہوا۔ اس کی ذات پاک سے چراغ ہدایت روشن ہوا۔ اس کے اشارہ سے شق القمر ہوا۔ اس کی ذات پاک سے چراغ ہدایت روشن ہوا۔ ہمارے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم شریف محمد ہے یعنی اللہ اور جمیع مخلوقات کا ممدوح۔ اللھم صلی وسلم علیٰ محمد وآل محمد اور آپ کے والد ماجد کا نام ہاشم ہے اور آپ کی جناب والدہ ماجدہ کا اسم مبارک آمنہ بنت وہب ہے کہ وہ بھی قریشی ہیں۔

بیان ولادت

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن پیدا ہوئے

ہیں اللھم صل وسلم علیہ وسلم نے ظہور فرمایا، انوار الٰہی ظاہر ہوئے۔ اور کسریٰ کہ کافروں

میں بہت بڑا عظیم الشان بادشاہ تھا اور ہزاروں برس سے اس کے گھر میں بادشاہی چلی آتی

تھی، اس کا محل لرز گیا اور چودہ کنگورے اس کے گر پڑے، بیت

چو صیتش در افواہ دنیا فتاد

تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد

اور فارس کا آتش کدہ کہ ہزا برس سے اس میں آگ جلتی رہتی تھی اور فارس کے

آتش پرست اس کو پوجا کرتے تھے، دفعتا بجھ گئی اور ساوہ کے چشمہ میں ایک بوند پانی نہ رہا۔

حلیمہ ابنت ابی ذویب اور ثوبیہ۲ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا اور

ام ایمن نے آپ کو پالا

اللھم صل وسلم علیٰ محمد وال محمد.

جبکہ آپ کا سن مبارک چار برس کا ہوا، آپ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا اور آپ

کے والد آپ کے پیدا ہونے سے پہلے رحلت فرما چکے تھے اور عبدالمطلب آپ کے دادا

آپ کی پرورش کرنے لگے۔ جبکہ آپ آٹھ برس اور دو مہینے کے ہوئے آپ کے دادا نے

بھی رحلت فرمائی۔ پھر ابومطلب آپ کے چچا نے آپ کی پرورش کی۔

اللھم صلی وسلم علیٰ محمد و آل محمد.

اور جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک بارہ برس دو مہینہ دس روز کا ہوا

اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ آپ نے شام کی طرف سفر کیا۔ جب بصری۴ میں پہنچے، ایک

نصرانی فقیر نے کہ اس کا نام بحیرا تھا۔ آپ کو دیکھا اور جو

ا۔ حلیمہ سعدیہ بسب دودھ پلانے کے آپ کی ماں ہیں۔ آپ ان کی بہت تعظیم

کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حنین میں آپ کے پاس آئیں۔ آپ اٹھے اور اپنی چادر ان کے لیے بچھائی اور وہ اس پر بیٹھیں۔

۲۔ ثوبیہ ابی لہب کی لونڈی ہیں اور (انھوں نے) آپ کو اور حضرت حمزہ کو دودھ پلایا۔ آپ ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

۳۔ ام ایمن ان کا نام برکہ ہے۔ پہلے عبید حبشی کے نکاح میں تھیں، اس سے ایمن لڑکا پیدا ہوا اس وسطے ام ایمن کہنے لگے۔ بعد اس کے زید بن حارث سے نکاح کیا اور ان سے اسامہ پیدا ہوے۔ اس واسطے (انھیں) ام اسامہ بھی کہتے ہیں اور آپ ان کو ماں کہتے تھے اور ہمیشہ ان کے گھر جاتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بھی ان کے گھر زیارت کو جایا کرتے تھے۔

۴۔ بصری۔ کحبلی۔ شام کے پاس ایک شہر ہے۔

۵۔ بحیرہ علماء نصاریٰ میں سے تھا، کہ سب چیز چھوڑ کر گوشہ اختیار کیا تھا۔

پتے کہ کتابوں سے اس کو معلوم تھے ان سے پہچانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے حاضر ہو کر آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور خدا تعالیٰ آپ کو بھیجے گا تا کہ سب جہان پر رحمت عام ہو۔ اور بحیرا نے کہا کہ جب آپ یہاں تشریف لائے ہیں اس وقت سب درختوں اور پتھروں نے آپ کو سجدہ کیا اور نبی کے سوا اور کسی کو پتھر اور درخت سجدہ نہیں کرتے اور اپنی کتابوںؑ میں سے آپ کی بہت سی نشانیاں پاتا ہوں۔ بعد اس کے ابو طالب سے کہا کہ شام میں یہودی بہت سے ہیں۔ آپ کا وہاں لے جانا مناسب نہیں۔ مبادا آپ کو ایذا دیں۔ ابوطالب نے آپ کو احتیاطا مکہ میں بھیج دیا۔

اللهم صل و سلم علی محمد و آل محمد.

اس کے بعد دوسری دفعہ میسرہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام کی

طرف کوچ فرمایا۔ جب کہ شام میں پہنچے ایک نصرانی فقیر کے تکیہ کے پاس ایک درخت کے سایہ میں اترے۔ اس نصرانی فقیر نے کہا کہ اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں اترا اور میسرہ کہتا تھا کہ دوپہر کے وقت جب گرمی کی شدت ہوتی تھی تو دو فرشتے آن کر آپ پر سایہ کرتے تھے۔

اللھم صل وسلم علیٰ محمد و آل محمد.

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی سفر سے پھر کر حضرت خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا اور اس زمانہ میں آپ کا سن شریف پچیس برس کا تھا۔ جب آپ پچیس برس کے ہوے کعبہ کی عمارت کو درست کیا اور اپنے ہاتھ سے حجر اسود کو رکھا اور جب آپ کی عمر چالیس برس کی ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس جبرئیل کو بھیجا اور وحی نازل کی اور ساری خلقت پر نبی کیا۔ ظہور نبوت کا زمانہ جب قریب آیا تھا تو آپ کو خلوت اور تنہائی

ا۔ میسرہ حضرت خدیجہ کے غلام ہیں۔

پسند آئی تھی اور اکثر غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے جہاں پیر کے دن آٹھویں ربیع الاول اکو ایک فرشتہ وحی لے کر آیا اور کہا کہ ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو خوشخبری ہو کہ میں جبرئیل ہوں اور اللہ تعالیٰ نے میرے تئیں آپ کے پاس بھیجا ہے اور تم خدا تعالیٰ کی ساری خلقت پر رسول ہو'' اور حضرت جبرئیل نے کہا کہ اقراء یعنی پڑھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ میں پڑھا نہیں ہوں۔ حضرے جبرئیل نے آپ کو بغل میں بھینچا اور پھر کہا کہ اقراء یعنی پڑھو۔ آپ نے پھر کہا کہ میں نہیں پڑھا ہوں۔ پھر حضرت جبرئیل نے آپ کو بغل میں بھینچا۔ اسی طرح تین دفعہ حال گذرا۔ آخر تیسری دفعہ حضرت جبرئیل نے کہا ؎

' اقراء باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق

اقراء و ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقراء و
ربک الا اکرام الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم .

یعنی پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے بنایا۔ آدمی کو لہو کی
پھٹکی سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم
سے۔ سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا۔

آپ نے پڑھا اور سب حقیقت اور ماہیت کائنات اور ماورائے کائنات کھل گئی اور
بآواز بلند اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچانا اور سب آدمیوں کو سیدھا راستہ بتانا شروع کیا مکہ کے جاہلوں
نے آپ کو ایذا دینے کا ارادہ کیا۔ اور شعب میں آپ کو گھیر لیا۔ کچھ کم تین برس تک آپ
اہل بیت سمیت اس میں گھیرے رہے بعد اس کے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس
میں سے نکلے اور اس زمانہ میں آپ کا سن شریف انچاس برس کا تھا۔ اس کے بعد ابو طالب
نے انتقال کیا اور اس حادثہ کے تین دن بعد حضرت خدیجہ نے رحلت فرمائی۔ پھر آپ کی
خدمت میں جن حاضر ہو۔

ا۔ صحیح یہ ہے کہ رمضان میں وحی نازل ہوئی۔ محررہ ۱۸۷۸ء۔

اور اسلام لائے۔ جب آپ کا سن مبارک اکیاون برس اور نو مہینے کا ہوا۔ آپ کو
معراج ہوئی اور پہلے حضرت کو زمزم اور مقام ابراہیم سے اٹھا کر بیت المقدس لے گئے۔ اور
براق کو حاضر کیا اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہوئے اور آسمانوں کی
طرف تشریف لے گئے۔ اور عرش بریں کو اپنی ذات پاک سے منور کیا۔ بیت

رسوئے کا سماں را پایہ داد
رکابش عرش راپیرایہ داد

اور وہاں جناب باری اور حبیب رب العالمین میں وہ باتیں ہوئیں کہ دوسرے کو خبر

نہیں اور پانچوں وقت کی نماز فرض ہوئی اور جب آپ کا سن مبارک ترپین برس کا ہوا پیر کے دن آٹھویں ربیع الاول کو آپ نے مکہ سے مدنہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور پیر کے دن مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور وہاں دس برس تشریف رکھی پھر اس جہان سے رحلت فرمائی اور اس عرصہ میں لوگوں کی ہدایت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے رواج دینے کے لیے ستائیس لڑائیاں لڑے اور کفار نا ہنجار کو مغلوب و مرعوب کیا۔ منجملہ انکے دس بڑی لڑائیاں بدر ا احد ۲۔ خندق ۳۔ بنی قریظہ ۴۔ بنی المصطلق ۵۔ خیبر ۶۔ طائف ۷۔

ا۔ بدر ایک کنویں کا نام ہے، کہ اس کو بدر میں قریش نے کھودا تھا۔

۲۔ احد مدینہ منورہ میں ایک پہاڑ ہے۔

۳۔ خندق آپ نے مدینہ منورہ کے گرد کھودی تھی۔

۴۔ قریظہ یہودیوں کی ایک قوم ہے۔

۵۔ مصطلق خذیمہ بن سعد بن عمر کا لقب ہے اور یہ گانے میں بہت خوش آواز تھا اس واسطے اس کا یہ لقب ہوا۔

۶۔ خیبر مدینہ منورہ کے پاس ایک مشہور قلعہ ہے۔

۷۔ طائف شہر کا نام ہے۔

وادی القریٰ۔ غابہ ۲۔ بنی نضیر ۳ کی ہیں اور سوائے اس کے قریب پچاس جگہ کے فوج بھیجی۔ مگر آپ بذات مبارک وہاں تشریف نہیں لے گئے اور ہجرت سے دسویں برس حج کو تشریف لے گئے اور لوگوں کو احکام حج کے سکھلائے۔ اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ کہ اس کے بعد حضرت علیۃ الصلوۃ والسلام کو پھر اتفاق حج کا نہیں ہوا۔ مگر پہلے دو بار حج ادا کیا تھا اور چار عمرے کیے تھے اور یہ سب حج اور عمرے ذیقعد کے مہینے میں ہوئے تھے۔

اسمائے مبارک

اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ میرا نام محمد ہے۔ اللھم صل وسلم علیٰ محمد و آل محمد اور احمد بھی ہے اللھم صل وسلم علیٰ محمد و آل محمد و بارک وسلما ور ماحی بھی ہے کہ میرے سبب سے اللہ تعالیٰ کفر کو عالم سے نیست و نابود کرتا ہے اور حاشر بھی کہ قیامت میں سب سے پہلے اٹھوں گا اور عاقب بھی ہے۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور بعض روایتوں میں آپ کا اسم شریف نبی الرحمتہ و نبی التوبہ و نبی الملحمہ بھی آیا ہے

اللھم صل وسلم علیٰ محمد و آل محمدِ خاتم النبین و سید المرسلین اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں بشیر اور روف اور رحیم اور رحمتہ اللعالمین و محمد و احمد و طہ و یسین مزمل و مدثر اور عبد جیسے کہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا اور عبداللہ جیسے کہ انہ الما قام عبداللہ یدعوہ

ا۔ وادی القریٰ ایک جنگل کا نام ہے۔

۲۔ غابہ حجاز میں ایک جگہ ہے۔

۳۔ نضیر یہودیوں کی ایک قوم ہے۔

اور منذر جیسے کہ انما انت منذر بھی فرمایا ھے اللھم صل علیٰ محمدن الذی سمیتہ بشیرا و نظیرا و خطبتۃ رحمتہ اللعالمین وسراجا منیرا و محمد وا حمد و طہ و یسین و مزل و مدثر و العبد و عبداللہ والمنذر الف الف

صلوۃ و سلام.

حلیہ شریف

جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بہت خوبصورت اور حسین تھے۔ آپ کا میانہ قد تھا۔ سرخ و سفید رنگت تھی اور آپ کا سینہ چوڑا تھا اور آپ کے دونوں شانوں میں تھوڑا سا فاصلہ تھا اور آپ کے موئے مبارک کان کی لو تک پہنچتے تھے اور آپ کے سر اور داڑھی میں کل بیس بال سفید تھے اور آپ کا چہرہ مبارک چودھویں تاریخ کے چاند سے بھی زیادہ روشن تھا۔ اور آپ کا بدن متوسط تھا۔ نہ بہت موٹا نہ بہت دبلا۔ اگر جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چپ رہتے تو بہت ہیبت اور شان و شوکت معلوم ہوتی تھی اور اگر آپ بات کہتے تو لطافت اور نازکی ظاہر معلوم ہوتی تھی اور اگر آپ کو دور سے دیکھتا تو کمال حسن و جمال نظر آتا اور اگر پاس سے دیکھتا تھا تو ملاحت اور شیرینی معلوم ہوتی تھی۔ آپ کی باتیں بہت میٹھی میٹھی تھیں اور آپ کشادہ پیشانی تھے اور باریک اور لمبی بھویں تھیں اور دونوں بھوؤں میں کچھ فاصلہ بھی تھا۔ پر بہت خوبصورت۔ دانت بہت روشن اور صاف موتی سے بہتر اور آپ کے شانوں کے بیچ میں مہر نبوت تھی۔ اور اس میں سے یہ الفاظ پڑھے جاتے تھے۔ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اور جن لوگوں نے آپ کو دیکھا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے کبھی پہلے اور نہ کبھی بعد ایسا کوئی شخص حسن و جمال میں نہیں دیکھا۔ آپ بہت وسیع الاخلاق تھے۔ کسی پر خفا نہ ہوتے تھے اور اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہ لیتے تھے۔ مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا تھا۔ اس سے بدلہ صرف خالصہ للہ لیتے تھے اور جب آپ خفا ہوتے تھے تو کسی شخص میں آپ کی خفگی اٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ آپ حد سے زیادہ اور سب

سے زیادہ شجاع اور سخی تھے۔ جس شخص نے جو چیز مانگی اسی وقت آپ نے دے دی اور کبھی نہیں کہا کہ میں نہیں دیتا اور رات کو آپ کے گھر میں ایک کوڑی بھی نہیں رہتی تھی۔ اگر اتفاق سے رہ جاتی تھی۔ تو جب تک وہ خرچ نہ ہوتی آپ دولت خانہ میں تشریف نہ لاتے تھے اور بیت المال سے آپ جو چیز کہ سستی سے سستی ہوتی تھی۔ جیسے کہ کھجور۔ اسی میں سے ایک برس کی خوراک کے موافق اپنے اہل بیت کے واسطے لیتے تھے اور باقی سب لوگوں کو بانٹ دیتے تھے۔ اپنے حصہ میں سے بھی مسافروں اور فقیروں کو بہت عنایت کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اکثر پورا برس نہ ہونے پاتا تھا کہ آپ کے پاس کھانا ختم ہو چکتا تھا اور قرض کی حاجت ہوتی تھی آپ بہت سچی بات فرمایا کرتے تھے۔ جس سے جو اقرار کر لیتے تھے اس کو پورا کرتے تھے۔ آپ بہت باحیا تھے آپ کی نگاہ ہمیشہ نیچی رہتی تھی اور دیکھتے تو کن انکھیوں سے دیکھتے۔ حضرت کا حلم اور تواضع بھی حد سے زیادہ تھا۔ جو شخص غریب امیر آزاد آپ کی دعوت کرتا تھا اس کو قبول کر لیتے تھے اور سب خلق خدا پر حد سے زائد شفیق تھے۔ بلی کے پانی پینے کے لیے برتن کو جھکا دیتے تھے۔ اور جب تک وہ خوب نہ پی لیتی تھی اس برتن کو نہ ہلاتے تھے۔ حضرت بہت پاکیزہ طبیعت تھے کچھ ہوا و حرص آپ کے دل میں نہ تھی جو شخص آپ کو پہلے پہل دیکھتا تھا۔ اس کے دل میں رعب بیٹھ جاتا تھا اور جو شخص ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اس کو آپ سے نہایت محبت اور عشق ہو جاتا تھا۔

بیان سیر جمیلہ

آپ اپنے یاروں کو بہت دوست اور معزز رکھتے تھے۔ ان کے سامنے کبھی پاؤں تک نہ پھیلائے تھے۔ اگر آدمیوں کی کثرت سے جگہ تنگ ہو جاتی تھی تو آپ ان کے لیے جگہ

کشادہ کر دیتے تھے اور آپ کے یار بھی آپ پر دل و جان سے تصدق و فدا اور پروانہ کی طرح اپنی جان دینے کو حاضر تھے۔ اگر آپ کوئی بات ارشاد کرتے تھے تو خاموش اس کو سنتے تھے اور اگر کچھ فرماتے تھے تو اس کو جلد بجالاتے تھے اور جس سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملاقات کرتے تھے۔ پہلے آپ ہی سلام علیک کرتے تھے۔ اور زیبائش و تجمل سے اپنے یاروں کی خیر و عافیت پوچھتے رہتے تھے۔ اگر کوئی بیمار ہوتا تھا۔ اس کی خبر لینے کو تشریف لے جایا کرتے تھے اور جو سفر کو جاتا تھا اس کو دعا دیتے تھے اور جو مر جاتا تھا اس کے لیے انا للہ وانا الیہ راجعون فرماتے تھے۔ قوم کے شریفوں کی بہت دلجوئی فرماتے تھے اور اہل فضل و کمال کو بہت عزیز رکھتے تھے اور سب سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور ہر عذر خواہ کا عذر قبول کر لیتے تھے۔ الھم صل علیٰ صاحب السیر الجمیلۃ صلواۃ کما ھو اھلہ۔ حضرت انسؓ کہتے تھے کہ میں نے دس برس جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔ خدا کی قسم جتنی خدمت کہ میں نے سفر و حضر میں آپ کی کی ہے۔ اس سے زائد آپ نے میری خدمت کی ہے اور کبھی میرے تئیں آف تک نہیں کہا اور جو کام میں کرتا تھا کبھی نہ فرماتے تھے کہ یہ کیوں اور جو نہ کرتا تھا اس کو کبھی نہ فرماتے تھے کہ کیوں نہ کیا۔ ایک دفعہ سفر میں آپ نے گوسفند پکانے کے لیے ارشاد کیا۔ ایک شخص نے کہا کہ اس کو ذبح میں کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ اس کو پاک میں کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ اس کو میں پکاؤں گا۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لکڑیاں میں لاؤں گا سب نے عرض کیا کہ یارسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کام بھی ہم کر لیں گے آپ ن ے فرمایا کہ میں یہ بات جانتا ہوں کہ یہ کام بھی تم کر لو گے۔ مگر یہ بات نہیں چاہتا کہ تم سے اپنے تئیں بڑا بنائے رکھوں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے اس بات کا برا جانتا ہے کہ اپنے یاروں میں اپنی بڑائی چاہے اور جب آپ کسی مجلس میں جاتے تھے تو جہاں جگہ ہوتی تھی۔ وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ یہ ارادہ نہ کرتے

تھے کہ سب اوپر جا کر بیٹھوں اور جو شخص آپ کے پاس حاضر

ا۔ انس بن مالک۔ آپ کی کنیت ابوحمزہ اور آپ کی ماں کا نام سملہ تھا۔ دس برس کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور ننانوے برس کے ہوکر بصرہ میں مرے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو دعا دی تھی کہ تمہارے پاس بہت سا پیسہ اور بہت سی اولاد ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے انصاریوں میں سے سب سے مال دار رہے اور اٹھتر بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں اور ان کے جتیے جی پوتوں سمیت سو آدمی ہو گئے تھے۔

ہوتا تھا اس پر ایسی نظر عنایت اور التفات فرماتے تھے۔ کہ وہ شخص یہی بات جانتا تھا کہ مجھ سے سوا اور کسی پر اتنی عنایت نہیں اور فقیروں کو بہت چاہتے ۔ ان میں بہت بیٹھا کرتے اور ان کے جنازہ کے ساتھ جاتے۔ مہمان کی بہت خاطر داری کرتے ۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ نماز پڑھنے میں رقت وبکا غالب ہوتی۔ کہ آپ کے سینہ مبارک سے آواز ہنڈیا کے پکنے کی سی آتی۔ آپ روزہ بہت رکھا کرتے اور جب آپ سوتے تو آپ کا دل جاگتا رہتا۔ جو کوئی کچھ کہتا تو سن لیتے آپ صدقے کے مال کو نہ کھاتے۔ جو کوئی تحفہ لاتا تو لے لیتے اور اس سے بہت سلوک کرتے، خدا تعالیٰ نے آپ کو سارے جہاں کے خزانوں کی کنجیات عنایت کیں۔ پر آپ نے نہ لیں اور آخرت ہی کی نعمتیں اختیار کیں۔ آپ تینوں انگلیوں اسے کھانا نوش فرماتے آپ نے جو کی روٹی چھوہارے سے اور خربوزہ کو کھجور سے تناول فرمایا ہے اور سرکہ اور روٹی کھا کر آپ نے فرمایا ہے کہ روٹی کے ساتھ کھانے کو سب سے بہتر سرکہ ہے آپ کو شہد اور مٹھاس بہت بھاتی تھی۔ آپ بیٹھ کر تین دم میں پانی پیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے دودھ نوش فرمایا اور ارشاد کیا کہ اگر کوئی کھانے کی چیز

کھاوے تو کہے الھم ارزقنا خیرا منہ اور جب دودھ پیے تو کہے کہ الھم بارک لنا نیہ وزدنا منہ اور فرمایا کہ دودھ کے سوا ایسی اور کوئی چیز نہیں کہ کھانے پینے دونوں چیزوں کو کفایت کرے، آپ پشمینہ کی پوشاک پہنتے تھے۔ لیکن کچھ تکلف نہ فرماتے تھے، آپ کے نزدیک کرتہ سب سے اچھی پوشاک تھی، جب آپ کوئی نیا کپڑا پہنتے تھے تو فرماتے تھے

اللھم لک الحمد کما البستہ واستلک خیرہ و خیر ماضیح لہ

۲۔ یعنی انگوٹھا اور کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔

اور سبز پوشاک سے بہت خوش ہوتے تھے اور عمامہ باندھتے تھے۔ اس کا ایک سرا شملہ کے طور پر دونوں شانوں کے بیچ میں لٹکا دیتے تھے، آپ کبھی دائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں اور کبھی بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ کہ اس پر ''محمد رسول اللہ'' کھدا ہوا تھا۔ آپ خوشبوس بہت رغبت اور بدبو سے کمال نفرت رکھتے تھے اور غالیہ اور مشک اور عود اور کافور کو استعمال کرتے تھے، آئینہ بھی دیکھا کرتے تھے، آپ تین دفعہ دائیں آنکھ میں اور دو دفعہ بائیں آنکھ میں سرمہ لگایا کرتے تھے، سفر میں آپ کے پاس ہمیشہ تیل اور سرمہ اور آئینہ اور کنگھی اور قینچی اور مسواک اور سوئی تاگا رہتا تھا اور آپ کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے تھے۔ مگر اس میں جو بات ارشاد ہوتی تھی۔ سب سچ ہی ہوتی تھی۔ جیسے کہ ایک دفعہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا۔ کہ میرے تیئں اونٹ پر سوار کر دو۔ آپ نے فرمایا کہ ت یرے تیئں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ مجھے بچہ اٹھا نہ سکے گا۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اونٹ بھی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک عورت نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا خاوند بیمار ہے۔ اور آپ کو بلاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا خاوند وہی ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سفیدہ سے وہ سفیدی مقصود تھی جو سب کی آنکھ میں ہوتی ہے۔ مگر وہ عورت پہلے نہ سمجھی اور جا کر اپنے خاوند کی آنکھ کو چیر کر دیکھا۔ اس کے خاوند نے کہ کہ تجھے کیا ہو گیا ہے۔ کہ تو میری آنکھ کو چیرتی ہے۔ اس نے جواب دیا کیا جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ تیرے خاوند کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ اس نے کہا کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا اور اس کے بعد سودہ ابنت زمعہ اور پھر حضرت عائشہ صدیقہ ۲ اور حفصہ ۳ بنت عمر فاروق اور ام حبیبہ ۴ بنت ابی سفیان اور ام سلمہ ۵ اور زینت ۶ بتن جحش اور جویریہ ۷ بنت حارژ کہ وہ حضرت ہارون پیغمبر علیہ السلام

۱۔ سودہ نے شوال کے مہینہ ۵۵ ھ میں معاویہ کے زمانہ میں انتقال فرمایا۔

۲۔ عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ ان کی عمر چھ برس کی تھی جب آپ نے نکاح کیا اور جب آپ نے انتقال فرمایا تب حضرت عائشہ اٹھارہ برس کی تھیں۔ حضرت عائشہ نے سرھویں رمضان ۵۸ ہجری میں انتقال فرمایا ان کی کنیت ام عبداللہ ہے۔

۳۔ حفصہ بنت عمر فاروقؓ نے اکتالیسویں برس ہجرت سے انتقال فرمایا۔

۴۔ ام حبیبہ بنت ابی سفیان۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا ہے۔ تو یہ حبشہ میں تھیں اور نجاشی حبشہ کے بادشاہ نے چار سو دینار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مہر دیا آپ نے ہجرت سے چالیسویں برس انتقال فرمایا۔

۵۔ ام سلمہ نے رمضان میں باسٹھویں برس انتقال فرمایا ہے۔ اور سب ازواج مطہرات سے پیچھے ان کی وفات پائی ہے بعضے میمونہ کو کہتے ہیں۔

٦۔ زینت بنت جحش نے حضرت عمر کی خلافت میں ہجرت سے بیسویں یا اکیسویں برس مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور سب ازواج سے پہلے آپ ہی نے انتقال فرمایا اور آپ ہی سے گہوارہ میں اٹھانے کی رسم نکلی۔

۷۔ جویریہ بنت حارث بنی مصطلق کی لڑائی میں پکڑی گئی تھیں اور ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ اس نے ان کو مکاتب کر دیا۔ انہوں نے پیغمبر خدا سے کچھ روپے مانگے۔ آپ نے کہا ہم تم سے نکاح کریں گے۔ وہ راضی ہو گئیں۔ اور چھبیسویں برس میں ہجرت سے انتقال فرمایا۔

کی اولاد سے تھیں اور میمونا اور زینب بنت خزیمہ سے، آپ کی اولاد میں سے حضرت قاسم تھے۔ ان ہی کے نام سے آپ کی کنیت تھی اور اسی واسطے آپ کو ابوالقاسم کہتے تھے اور عبداللہ کہ طیب اور طاہر ان ہی کا لقب تھا اور زینت اور رقبہ اور ام کلثوم اور فاطمہ۔ ان صاحب زادوں نے نبوت سے پہلے انتقال فرمایا اور صاحبزادیوں نے نبوت کے بعد۔ اور یہ سب صاحبزادے اور صاحبزادیاں حضرت خدیجہ سے تھیں۔ بعد اس کے ابراہیم ماریہ قبطیہ سے مدینہ میں پیدا ہوئے اور ستر دن کے ہو کر مر گئے۔ حضرت کی سب اولاد اپ کے روبرو رحلت کر چکی تھی۔ مگر فاطمہ علیہا السلام باقی تھیں۔ چھ مہینہ کے بعد انہوں نے رحلت فرمائی۔ پھوپھیاں اور چچا حضرت کے سترہ تھے۔ ان میں سے صرف تین ہی اسلام لائے۔ حضرت عباس ۱ اور حمزہ ۲ اور صفیہ اور حارث اور زبیر اور قثم اور ابو طالب عمران اور عبدالکعبہ اور حجل اور ضرار۔ غیداق۔ ابولہب چچوں میں سے اور عاتکہ اور اروی وام حکم اور برہ دامیہ پھوپھیوں میں سے ایمان نہیں لائی تھیں۔ حضرت کے خادم بہت سے تھے ان میں سے

انس اور عبداللہ بن مسعود اور بلال ہیں اور ذو مخمر بھانجا نجاشی کا آپ کا خادم تھا۔ اور ایلچی آپ کے جن کو بادشاہوں کے پاس بھیجا تھا بہت تھے عمرو بن امیہ کو نجاشی حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور وہ ایمان بھی لایا اور دحیہ کلبی کو اول روم کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ وہ بھی ایمان

ا۔عباس مکہ کی فتح سے پہلے مسلمان ہوئے اور حضرت عثمان کی خلافت میں انتقال فرمایا۔

۲۔حمزہ۔ ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے اور شوال کے مہینے میں جنگ احد میں شہید ہوئے۔

پر مستعد ہوا تھا۔ پر اس کی قوم نے نہ مانا۔ ان کے ڈر سے وہ ایمان نہ لایا۔ عبداللہ بن حدافہ کو خسرو فارس کے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا۔ اس مردود نے حضرت کے نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا حضرت نے اس کے حق میں بددعا کی اور وہ ہلاک ہوا۔ بیت

درید آں ناہ گردن شکن را
نہ نا مہ بلک نام خویشتن را

علاء بن حضرمی کو بحرین کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور وہ ایمان بھی لایا۔ اور لکھنے والے حضرت کی سرکار میں بہت تھے۔ چاروں خلیفہ اور عبداللہ بن ارقم وا ابی بن کعب و ثابت بن قیس وزید بن ثابت ومعاویہ اور آپ کے بہت سے اصحاب تھے۔

صحابہ کرام

مگر وہ اصحاب کہ جن پہ بہت عنایت تھی اور آپ کے خاص الخاص تھے وہ یہ ہیں۔

۱۔ابوبکر۔۲۔عمر فاروق ۔۳ عثمان غنی۴۔علی مرتضی ۵۔حمزہ ۶۔جعفر ۷۔ابوذر ۸۔مقداد ۹۔ سلمان ۱۰۔خذیفہ ۱۱۔عبداللہ بن مسعود ۱۲۔عمار ۱۳۔بلال۔

عشرۃ مبشرہ

جولوگ کہ عشرہ مبشرہ ہیں اوران کو بہشت میں جانے کی خوش خبری دی تھی ۔ وہ یہ ہیں ۔۱۔ابوبکر صدیق ۲۔عمر فاروق ۳۔عثمان غنی ۴۔علی مرتضی ۵۔سعد بن ابی وقاص ۶۔زبیر بن العوام ۷۔عبدالرحمٰن بن عوف ۸۔طلحہ بن عبداللہ ۹۔عبیدہ بن جراح ۱۰۔سعد بن زید۔

دواب

حضرت کی سرکار میں دس گھوڑے اوربیس اونٹنیا دودھ دینے والی اور بکریاں تھیں۔

ہتیار

اور تین تلواریں چار کمانیں ایک ترکش اور ایک سپر اور دو زرہ اور ایک خود تھا۔

جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہزار ہا معجزات ظہور میں آئے تھے۔ جو

معجزے کہ سب نبیوں میں تھے وہ آپ کی ذات بابرکات سے ظاہر ہوتے تھے۔ان کا احاطہ ممکن نہیں مگر تمیناً وتبرکاً چند معجزات بیان کیے جاتے ہیں۔

معجزات

سب سے بڑا معجزہ کلام اللہ ہے کہ کیسا ہی عالم فاضل فصیح بلیغ ہو اس کی چھوٹی سے چھوٹی ایک سورۃ کے برابر نہیں کہ سکتا اور باوجودیکہ آپ کچھ پڑھے نہ تھے۔ان باتوں کی جو ہو چکی اور ہونگی خبر دی اور سب سچ ہے۔آپ کی ایک انگلی کے اشارہ سے شق القمر ہوا۔کہ کسی نبی سے ایسا معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔ایک دفعہ آپ نے بکری کے چھوٹے سے بچے پر ہاتھ پھیرا اور باوجودیکہ وہ بچہ تھا۔مگر فی الفور اس نے دودھ دیا اور آپ نے عمر فاروقؓ کو دعا دی تھی۔کہ ان کے سبب اسلام کو رونق ہو۔اسی طرح ہوا۔کہ ان کی خلافت میں جتنی رونق اسلام اور فتح بلاد ہوئی۔کسی خلیفہ کے وقت میں ایسا نہ ہوا اور ایک دفعہ قتادہ بن النعمان کی آنکھ میں زخم لگا او آنکھ نکل کر پانی سی بہہ گئی۔آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کو لے کر آنکھ میں رکھ دیا آنکھ اچھی خاصی دوسری آنکھ سے بھی اچھی ہوگئی۔ایک دفعہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اعرابی کو مسلمان ہونے کے لیے کہا۔اس نے کہا کہ کوئی گواہ لاؤ آپ نے فرمایا یہ درخت گواہ ہے اور درخت کو کہا کہ آگے آؤ وہ درخت آگے آیا اور تین دفعہ یہ آواز بلند گواہی دیکر جہاں کا تھا وہیں چلا گیا اور جس رات جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ہوئی۔اسی رات جتنے درکت اور پتھر وغیرہ تھے۔سب نے باواز بلند کہا تھا کہ السلام علیکم یارسول اللہ۔ایک دفعہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونی نے عرض کیا کہ میرے تئیں قید سے چھڑا دو۔میرے دو بچے ہیں ان کو دودھ پلا کر پھر آجاؤ نگی۔

آپ نے اس کو چھڑوادیا اور اس نے آدمیوں کے طرح اشھدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد رسول للہ پڑا۔ایک دفعہ ایک شخص ایمانالیا او پھر کمبخت مرتد ہو کر پھر گیا اور کافروں سے جاملا بعداس کے مرگیا۔جب آپ کواس کے مرنے کی خبر پہنچی آپ نے فرمایا کہ زمین اس کو قبول نہ کرے گی۔اسی طرح ہوا۔کہ جب اس کو دفن کرتے تھے۔زمین اگل دیتی تھی۔ایک دفعہ حضرت کی انگلیوں سے ایسا پانی جاری ہوا کہ اس سے چودہ سوآدمیوں نے پیا۔اور وضو کیا۔ یہ معجزہ کئی بار ہوا ہے اور جب مکی کی فتح ہوئی تھی اور آپ مسجد الحرام میں داخل ہوئے ہیں تو کعبہ کے گرداگرد بت لٹکتے تھے۔آپ کے دست مبارک میں ایک چھوٹی سی چھڑی تھی۔اس سے آپ اشارہ کرکے فرماتے تھے کہ ''جاء الحق وذھق الباطل'' وہ بت آپ سے آپ گر پڑتے تھے۔اوراس طرح ہزار ہا اعجاز ہیں کہ ان کا حدوحصر ممکن نہیں۔

حجۃ الوداع

ہجرت سے دسویں برس جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ حج کرنے کا ارادہ کیا اور سب لوگوں کو خبر پہنچائی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کو تشریف لے جاتے ہیں۔یہ خبرسن کر ہزاروں آدمی مدینہ میں جمع ہوگئے اوراس سفر میں اس قدر آدمی جمع ہوگئے تھے۔کہ حداور شمار سے باہر تھے، جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے،اس حج کا نام حجۃ الوداع'' ہے اس واسطے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس

سفر میں سب لوگوں سے سفر آخرت کے لیے رخصت ہوئے ہیں اور فرمایا ہے کہ مجھ سے اپنے طریق اور راہیں سیکھ لو۔ شاید میں اگلے برس حج میں نہ ہوں اور جیتا نہ رہوں۔ غرض کہ ذیقعد کی پچیسویں کو آپ نے غسل فرمایا اور کنگھی کی اور تیل ڈالا اور خوشبو لگائی اور احرام کے کپڑے پہن کر دولت خانہ سے باہر نکلے اور مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز پڑھی اس کے بعد ذی الحلیفہ میں پہنچے اور عصر کی نماز قصر کر کے پڑھی اور احرام باندھ کر لبیک فرمایا، اور اپنی اونٹنی پر کہ قصوا اس کا نام تھا سوار ہوئے اور منزلوں کو طے کر کے ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ صبح سے وقت اتوار کے دن مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے اللھم صل وسلم علیٰ محمد و آل محمد۔ جب آپ مکہ معظّمہ کے پاس پہنچے آپ نے تین دفعہ جلدی جلدی طواف کیا اور چار دفعہ آہستہ آہستہ طواف کیا اور جب آپ حجر اسود کے پاس پہنچے تھے اس وقت بوسہ دیتے تھے اور کبھی پیشانی رکھتے تھے اور اس کے بعد بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے۔ بسم اللہ واللہ اکبر اس کے بعد کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی کہ ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ ذبیحہ اپنے ساتھ نہیں لائے ہیں وہ حج کی نیت موقوف کریں، صرف عمرہ کریں اور احرام سے نکل آویں۔

جب ترویہ کا دن یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوئی تو آپ صفا کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور رات کو رہے اور صبح کی نماز پڑھ کر جب آفتاب نکلا تو عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پہنچنے سے پہلے نمیرہ کے جنگل میں کہ عرفات کے پاس ہے۔ خیمہ کھڑا کیا تھا۔ آپ وہاں آنکر اترے اور جب دو پہر ڈھل چکی نماز ظہر اور عصر کی جماعت کے ساتھ پڑھی اور موقف کی طرف کہ عرفات کے میدان میں ہے چلے اور وہاں دعا اور کلمہ کہتے تھے یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ پھر مزدلفہ کی طرف تشریف لے گئے اور رات کو رہے اور صبح کی نماز پڑھ کے

دن نکلے تک مشعر الحرام میں ٹھہرے اور اس کے بعد جمرۃ العقبہ میں سات کنکریاں پھینک کر صفا کی طرف روانہ ہوئے اور ایام تشریق ا میں بھی سات سات کنکریاں پھینکتے رہے اور بقر عید کے دن اول وقت قربانی کر کے کعبہ کے طواف کو روانہ ہوئے اور سات دفعہ کعبہ کے گرد پھر کر طواف کیا۔ اس کے بعد سقایہ میں آئے اور وہاں اب زمزم پیا، اور منی کی طرف تشریف لے گئے اور تشریق کے تیسرے دن کوچ کیا۔ اور محصب میں پہنچ کر لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اسی حج کے دنوں میں آیت ''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی'' اور اس سے پہلے ''سورۃ اذا جاء نصر اللہ'' نازل ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفر آخرت کی خبر دی تھی اس واسطے جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ سے

ا۔ تشریق۔ یعنی ذی الحجہ کی گیارھویں بارھویں۔ تیرھویں تاریخ۔

انتقال کے دن قریب ہونے کا حال فرمایا تھا اور جناب فاطمہ علیہا السلام سے بھی فرمایا تھا کہ میرے تئیں مرنے کی خبر دی ہے۔ حضرت فاطمہ رونے لگیں۔ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب اہل بیت سے پہلے ہم سے ملو گی۔ اس کے بعد آنحضرت نے کئی دفعہ رات کو شہدائے بقیع کے لیے دعا کی۔ جب وہاں سے مراجعت کی اور حضرت عایشہؓ کے گھر میں تشریف لائے۔ آپ کے درد سر شروع ہوا اور دن بدن شدت ہونے لگی۔ یہاں تک کہ وقت انتقال قریب آیا اور بموجب حکم باری تعالیٰ ملک الموت ایک اعرابی کی صورت میں در دولت پر حاضر ہوا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے جواب دیا کہ اس وقت جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرض کی شدت ہے ملاقات کا وقت نہیں، پھر دوبارہ اندر آنے کی اجازت چاہی پھر وہی جواب سنا، تیسری دفعہ چلا کر کہا کہ سب لوگ اس آواز سے حیران ہو گئے اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔آپ نے پوچھا کہ کیا حال ہے جو حال تھا سب نے عرض کیا، جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہ یہ ملک الموت ہے، جناب فاطمہ زہرہ نے جو یہ بات سنی رونے لگیں، آپ نے فرمایا کہ اے میری بیٹی مت رو کہ تیرے رونے پر عرش روتا ہے اور اپنے ہاتھ سے حضرت فاطمہ کے آنسو پونچھے اور تسلی دی اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ میری جدائی میں اس کو صبر دے اور حضرت فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ اپنے بیٹوں کو میرے پاس لا۔ جناب حسن وحسین علیہا السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔وہ دونوں صاحب زادے آپ کو اس حال میں دیکھ کر رونے لگے، ان کے رونے کی آواز سن کر جتنے لوگ گھر میں تھے سب رونے لگے، جب سب کے رونے کی آواز آپ کے کان میں پہنچی آپ بھی رونے لگے، سکرات موت نے شدت کی۔ کہ آپ کا رنگ مبارک متغیر ہوتا جاتا تھا اور آپ کے پاس ایک پانی کا پیالہ بھرا ہوا دھرا تھا۔آپ اس میں ہاتھ ڈالتے تھے اور روئے مبارک پر ملتے تھے اور فرماتے تھے۔''الھم اعنی علی سکرات الموت'' جب ملک الموت نے اجازت قبض روح مبارک کی چاہی آپ نے فرمایا کہ ذرا صبر کرو جبرائیل آجائے۔ اتنے میں حضرت جبرئیل آئے۔آپ نے فرمایا اے دوست اس وقت میں مجھے اکیلا چھوڑتا ہے۔ حضرت جبرئیل نے کہا کہ آپ کو خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مالک دوزخ کو حکم دیا ہے کہ میرے پیارے دوست کی روح پاک آسمان پر آوے گی۔ دوزخ کی آنچ کو بالک بجھادے اور حوروں کو حکم دیا ہے کہ اپنے تئیں آراستہ کریں اور فرشتوں کو فرمایا ہے کہ اٹھ کر صف بصف کھڑے ہوں۔ کہ روح پاک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنی ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ زمین پر جا کر میرے دوست سے کہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب تک تو اور تیری امت بہشت میں نہ داخل ہولیں گے اس وقت تک سب نبیوں اور امتوں پر بہشت حرام ہے اور قیامت کے دن تیری امت کو میں بخشوں گا کہ تو راضی ہو

جاوے، یہ بات سن کر آپ نے ملک الموت کو فرمایا کہ جس کام تو آیا ہے وہ کام کر۔ ملک الموت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح قبض کی اور اعلیٰ علیین میں لے گیا اور کہا کہ یا محمد۔ یارسول اب اللعالمین۔ اللھم صل وسلم علیٰ محمد وآل محمد اس واقعہ جانکاہ کے بعد جو لوگ حاضر تھے۔ انہوں نے یا کسی فرشتے نے آپ کے اوپر حبرہ کہ ایک قسم کی چادر ہے اڑھائی اور جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور جو مقرب تھے حالت بے قراری میں گریہ وزاری کرتے تھے اور سب صحابہ پر وہ حال بے طاقتی اور بے ہوشی کا تھا۔ کہ بعضوں نے حضرت کی موت کا انکار کیا اور حضرت عثمانؓ خاموش گنگ ہو گئے اور جناب علی علیہ السلام بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور سب صحابہ کا اسی طرح برا حال ہوا۔ مگر حضرت عباس آپ کے چچا اور حضرت ابوبکر صدیق نے بہت استقلال اور کمال ضبط کیا۔ اتنے میں حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلواۃ والسلام نے حجرہ مبارک میں سے آواز دی کہ آپ کو غسل دو۔ اور حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلواۃ والسلام نے سب صحابہ کو کہ اس غم اور الم میں کوئی ان کا شریک نہ تھا تسلی دی اور ان الفاظ سے تعزیت کی ''ان اللہ فی عزاء من کل مصیبۃ وخلفا من کل ہالک ودرکا من کل فایت فباللہ فاتقوا والیہ فارجعوا فان المصائب من حرم الثواب'' یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس ہر مصیبت کے واسطے دلاسا ہے اور ہر مرنے والے کا عوض ہے اور ہر جانے والی چیز کا بدلہ ہے پھر اللہ پر اعتماد کرو اور اس کی طرف رجوع کرو کہ حقیقت میں مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم رہے۔ بعد اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی او حضرت عباس اور فضل اور قثم حضرت عباس کے بیٹے اور شقران جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام اور اسامہ نے کپڑوں سمیت غسل دیا۔ اور اوس انصاری بھی حضرت کے نہلانے اور دھلانے میں حاضر ہوئے اور حضرت علی نے آپ کے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ کہ شکم سے کچھ نہ نکلا آپ نے کہا کہ ''صل اللہ علیک فقد طیب حیا ومیتا''

یعنی رحمت خدا کی تم پر ہو کہ پاک ہو تم جیتے اور مرے اور آپ کے تئیں چادروں میں تکفین کیا اور ہر شخص نے الگ الگ نماز پڑھی۔ کوئی امام آپ کے جنازہ پر نہیں ہوا اور جناب عائشہ صدیقہ کے گھر میں آپ کی قبر شریف بطور بغلی کے کھدی۔ اور قبر میں قطیفہ کا فرش ہوا اور اس میں مدفون کیا۔

نظم

گریباں زمیں شد نا گہاں چاک
د آمد ہمچو جاں در قالب خاک
مگر شخص ز میکں لب تشنہ مے برد
کہ آب زندگانی را فرو برد
اللھم صلی علیٰ النبی المطہر
شفیع الوراٰ فی یوم بعث و محشر
بشیر نذیر سید القوم جملۃ
رسول کریم خیر ذآت و جوہر
وما مثلاہ فی الناس من صلب آدم
بخلق عظیم ثم ذآت معطر
اذا نار نورک فی خلق آدم
خیر الملائکۃ جملۃ مکبر
اذا لاح بالا نوار وجہ محمد
فلم یبق نور ما لنجم منور
سقی معشر الا برار من حوض کوثر
شرابا طہورا خالیا عن مکدر

علیک	صلواۃ	اللہ	یا	سید	الوریٰ
علیک	سلام	اللہ	یا	خیر	منظر

فقیر حقیر سید احمد حسینی الحسنی المخاطب بہ جواد الدولہ سید احمد خاں بہادر عارف جنگ نے اس رسالہ کو سرور المحزون سے ماخوز کیا اور چند مطالب مدارج النبوت سے اس میں بڑھائے اور بعضی بعضی باتیں اصل رسالہ میں سے کم کر دیں گئیں اور جناب استاذی اعلم العلماء و افضل الفضلاء مولانا محمد نور الحسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ (مرحوم ومغفور) کی اصلاح سے صحیح و درست ہوا۔

....

جلاء القلوب پر ریویو

(خود مصنف کا لکھا ہوا)

(مورخہ جون ۱۸۷۸ء)

یہ کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جبکہ لوگوں کی دیکھا دیکھی مولود کی مجلس کا دل میں بڑا اشوق تھا۔ ہر مہینے کی دوازدہم کو لوگ جمع ہوتے تھے۔ سوا لاکھ دفعہ چھوارے کی گٹھلیوں پر درود پڑھا جاتا تھا اور ختم کے بعد شیرینی بٹتی تھی اور ہم لوگ بہت نیک اور محبّ رسول سمجھتے تھے، حالانکہ اس زمانہ میں ہم نے نہ رسول کو سمجھا تھا اور نہ رسول کی محبت کو۔ اسی زمانہ میں بہت سے رسالہ مولود کے دیکھے۔ اس وقت کے خیال کے مطابق بھی ان میں ایسی باتیں معلوم ہوئیں جو ٹھیک نہ تھیں اور بجائے اس کے کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات بیان ہوں وہ رسالے زیادہ تو مرثیہ خوانی کتاب خوانی کے جس کا رواج محرم کی مجلسوں میں ہے مشابہ تھے۔ اس لیے دل میں آیا تھا کہ ایک مختصر رسالہ جو بطور بیان حالت اور واقعات کے ہو اور جس میں نامعتبر باتیں نہ ہوں لکھا جاوے مگر اب افسوس ہوتا ہے کہ اس میں بھی بہت سی نامعتبر بلکہ لغو باتیں ہیں۔

بڑا ماخذ اس رسالہ کا سرور المحزون ہے۔ جس کو شاہ ولی اللہ صاحب نے تصنیف کیا تھا اور کچھ باتیں مدارج النبوت سے جس میں ہزاروں لغو و نامعتبر کہانیاں مندرج ہیں لی گئی تھیں۔ اس زمانہ میں تو اس رسالے کے لکھنے پر بڑا فخر تھا۔ مگر اب اس کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔

مولود کی مجالس کی نسبت جو خیال اس زمانہ میں تھا۔ اس میں بھی انقلاب عظیم ہو گیا ہے۔ اس وقت خیال تھا۔ کہ مولود کی مجلس ایک مذہبی امر اور بہت بڑے ثواب کا کام ہے اور بہشت کی نعمتوں کے ملنے کی کنجی ہے۔ مجلس مولود میں پیغمبر صاحب کی ارواح پاک موجود رہتی ہے اور رحمت کے فرشتے اترتے رہتے ہیں۔ خصوصا ہماری مجلس میں جو بالکل سادہ اور زاوید بیہودہ سے آزاد اور صرف درود خوانی ہے اور تمام باتوں سے جو مشابہ مرثیہ خوانی یا کتاب خوانی کی ہوں پاک ہے۔

جب مذہبی مسائل میں زیادہ تر پختگی ہوئی اور عقائد کی جانب میلان ہوا۔ جس کو وہابیت کہتے ہیں تو مجلس مولود کو بدعت سمجھا۔ کیونکہ اس کا وجود قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ تھا۔ کئی سو برس بعد آنحضرت صلعم کے انتقال کے اس کا رواج ہوا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ''من احدث فی امرنا ھذا فھو رد''۔ ''وکل بدعۃ ضلالۃ'' اور شاید معتزلیت زیادہ چڑ گئی ہے۔ جو یہ خیال ہے کہ ایک کے فعل کا خواہ وہ اس قسم سے ہو جس کو عبادت بدنی کہتے ہیں اور خواہ اس قسم سے ہو جس کو عبادت مالی کہتے ہیں دوسرے پر خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ کچھ اثر نہیں ہوتا۔ قرآن و فاتحہ پڑھ کر ثواب بخشنا یا ملانوں کو بغرض ایصال ثواب کھانا کھلانا بالکل لا حاصل محض اور ہمہ وجوہ ہندوؤں کے اس فعل کے مشابہ ہے جو اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچانے کے لیے برہمنوں سے کتھا اور منتر پڑھواتے ہےں اور برہمنوں کو جماتے ہیں اور گیا و پراگ میں جا کر پنڈ دان کرتے ہیں اور اب اس پر یقین ہے کہ ٹھیٹ اسلام کا یہی سچا مسئلہ

ہے۔

جشن مولود اگر بطور یادگار اس دن کے ہو جس میں ایسا بڑا شخص پیدا ہوا جس نے تمام دنیا کو سچائی سے روشن کیا۔ تمام عالم میں خدا پرستی کو شائع کیا۔ ہر ایک کو ہدایت کا رستہ بتایا۔ اور یہ کہا کہ۔ انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحد۔ اور صرف یہ کہا ہی نہیں بلکہ اس قول سے تمام دنیا کے مذاہب کو الٹ دیا۔ بت پرستی کو جزیرہ عرب سے مٹا دیا۔ متفرق قوموں کو ایک کر دیا، تمام جابر اور گمراہ سلطنتوں کو نیست و نابود کر دیا تو اس جشن عظیم کا ہر سال ہونا نہایت عمدہ بات ہے۔ اس لیے کہ پرانی تاریخ کی یادگاروں کو زندہ رکھنا افضل ترین بنی نوع انسان کے دائمی احسانوں کا اعتراف کرنا ہے اور آئندہ اپنی فوائد اور نیکیوں کی جو انہوں نے جاری کیں، ہمیشہ قائم رکھنے کی نیت کا دکھلانا اور ہمت کا دلانا ہے۔ قومی اتحاد کا جو اصلی باعث ہوا اس کی یاد سے قومی اتحاد بڑھتا ہے۔ جس کی نیکیوں کا اثر ہم پر پڑا اس کا احسان ماننے طینت کی نیکی زیادہ ہوتی ہے اور نیکی کے قیام کو بہت زیادہ استحکام ہوتا ہے، مگر جب ہی ہوتا ہے جب کہ مذہبی خیالات جو انسان کو معاد کے ثواب و عذاب کی طرف مائل کرتے ہیں اور اصلی سبب کو دل سے بھلا دیتے ہیں اور انسان کے تمام قدرتی جذبات کو دیا دیتے ہیں۔ ان کا اس میں کچھ اثر نہ ہو۔ پس چار آدمیوں کا بیٹھ کر اور نعتیہ چار اشعار پڑھ کر رو لینا بے فائدہ کام ہے۔ بلکہ بعوض اس کے جشن عظیم الشان کیا جاوے۔ شہر آراستہ ہوں، روشنیاں کی جاویں اور خوشیاں منائی جاویں اور جہاں تک ممکن ہو شان و شوکت و حشمت اسی نبی پاک کے پیروؤں کی دکھلائی جاوے تو بے شک وہ فوائد اس سے مل سکتے ہیں گو کہ بہت لوگوں کے نزدیک ایسے امر کی خوشی کرنا انسان کی روح کی ترقی مدارج کا بھی باعث ہو۔ جس کا نام ثواب ہے اور اگر اس سے صرف ثواب کی گٹھریاں باندھنی مقصود ہوں اور اس مقصد سے یہ مجلس بطور ایک مذہبی رسم کے کی جاوے تو تو کل بدعۃ ضلالہ ہی ہے۔

اس رسالہ میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو حال کے یقین کے بالکل برخلاف ہیں۔ آنحضرت صلعم بلاشبہ شفیع امت ہیں، کیوں کہ آپ نے وہ راہ بتائی ہے۔ جس پر چلنے سے نجات ہوتی ہے مگر یہ سمجھنا کہ قیامت میں گناہ بخشوالیں گے۔ یہ تو بالکل عیسائیوں کے مسئلہ کے مطابق ہے، جو یہ سمجھتے ہیں، کہ عیسیٰ مسیح تمام امت کے گناہوں کے بدلے میں فدیہ ہوگئے۔ عشق القمر کا ہونا محض غلط ہے اور بانی اسلام نے کہیں اس کا دعویٰ نہیں کیا۔ کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گرنا۔ آتش کدہ کی آگ کا بجھنا۔ ساوہ کے چشمہ کا خشک ہونا۔ بحیرہ کا آنحضرت کو نبی ہونے کی خوش خبری دینا۔ درختوں اور پھلوں پتھروں کا سجدہ کرنا۔۔ ایک درخت کے سایہ میں اترتے کے سبب میسرہ کا آپ کو پیغمبر ہونے کی خبر۔ دھوپ روکنے کو دو فرشتوں کا سایہ کرنا۔ جبرئیل کا تین دفعہ بغل میں بھینچنا۔ جنوں کا جن سے ایک ایسی خلقت جو مشکل باشکال مختلفہ ہو جاتی ہے مراد ہے ایمان لانا۔ ان میں سے کوئی بات بھی ان اصول کے مطابق جو صحت روایت کے لیے درکار ہیں اور جن کا ذکر میں نے خطبات احمدیہ میں لکھا ہے ثابت نہیں ہے معراج کا بیان بھی جس طرح اس رسالہ میں لکھا صحیح نہیں ہے۔ جو صحیح ثابت ہوا ہے وہ اس کے بعد کی تصانیف میں مندرج ہے مہر نبوت کا ذکر بھی صحیح نہیں ہے۔ راویوں نے اس کے بیان میں غلطی کھائی ہے۔ جس کی تفصیل ہماری کتابوں میں ملے گی۔

آنحضرت صلعم کے بہت سے معجزات بھی اس رسالہ میں مندرج ہیں جس میں شق القمر کا معجزہ بھی شامل ہے جس سے اکثر علماء محققین نے بھی انکار کیا ہے۔۔ قرآن مجید کی فصاحت بے مثل کو معجزہ سمجھنا ایک غلط فہمی ہے۔ فاتو بسورۃ من مثلہ۔ کا یہ مقصد نہیں ہے اس کا بیان ہماری تفسیر میں ملے گا باقی جس قدر معجزے اس رسالہ میں بیان ہوئے ہیں۔ دوسری تحقیق میں حد ثبوت کو نہیں پہنچتے۔

حجۃ الوداع کے ارکان جو بیان ہوئے ہیں ان کی تحقیق و اصلیت بھی ہماری تصانیف میں ملے گی۔ وفات کے میں جو عجیب روایتیں ہیں اور جن میں حضرت خضر کا تشریف لانا بھی بیان ہوا ہے وہ سب بے سند و غیر ثابت ہیں۔ اتنی بات سچ ہے جیسا کہ ایسے موقع میں ہوا کرتا ہے، سب لوگ خلافت کی فکر میں پڑ گئے، مگر جن کو خاص ذاتی تعلق آنحضرت سے تھا انہوں نے ہی آپ کی تجہیز و تکفین کی۔

(تصانیف احمدیہ جلد اول۔ حصہ اول)

مطبوعہ ۱۸۸۳ء

....

حالات وواقعات خیرخواہان مسلمانان

نمبر اول

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کا زمانہ ایسا پر شوب تھا کہ مسلمانوں کے لیے ہند میں کوئی جائے پناہ نہ تھی اور نہ ان کا کوئی مددگار و معاون تھا۔ ہندو قوم بی جمالو کا پارٹ ادا کر کے الگ کھڑی ہو گئی تھی اور حکمرانوں کا سارا نزلہ غریب اور مظلوم مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ انکو باغی سمجھتے اور نہایت قہر وغضب کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اور بقول مولانا حالی ان پر یہ الزام لگائے جاتے تھے کہ:۔

(۱) ان کا مذہب ان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ عیسائیوں سے عداوت رکھیں

(۲) شاہ نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی کے مطابق مسلمانوں کو یقین ہے کہ اب عیسائیوں کی عملداری ہندوستان میں نہیں رہے گی۔

(۳) مسلمانوں پر مذہبی لحاظ سے انگریزوں پر جہاد فرض ہے۔ اور اس لیے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں مسلمان سب سے زیادہ

بغاوت کے مرتکب ہوئے۔

ایسی نازک اور خطرناک حالت میں جو بزرگ اپنی قوم کے حقیقی بہی خواہ ور ہمدرد تھے انھیں کوئی تدبیر ایسی نظر نہ آتی تھی جس سے کام لیکر وہ حکمران قوم کے دل سے مسلمانوں کے متعلق بدظنی کے اور غلط فہمی دور کر سکتے۔

سرسید اس زمانے میں مسلمانوں کی تباہی اور بربادی و بدحالی کو دیکھ دیکھ کر نہایت مغموم اور مضمحل رہتے تھے۔ اور برابر یہ سوچتے رہتے تھے کہ کونسی ترکیب ایسی کی جائے کہ انگریز حاکموں کا غصہ و غضب کم ہو۔ اور وہ مسلمانوں کو امن پسند شہری سمجھیں اور ان پر ظلم و ستم کرنے سے باز رہیں۔

اس کے لیے اول تو انھوں نے ''اسباب بغاوت ہند'' کے عنوان سے ایک مسبوط اور مدلل مضمون لکھا جس میں واضح دلائل کے ساتھ اس امر کو ثابت کیا کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں مسلمان بے قصور تھے اور بغاوت کا الزام ان پر ناحق تھوپ دیا گیا۔

دوسری تدبیر انھوں نے مسلمانوں پر سے بغاوت کا الزام دور کرنے کی یہ سوچی کی ایسے بکثرت معزز مسلمانوں کے حالات اور کوائف جمع کر کے اردو اور انگریزی ہیں شائع کیے جائیں جنکو حکمرانوں کی وفاداری و ہمدردی اور امداد و اعانت کے صلہ میں حکومت کی طرف سے خطابات، انعامات، جاگیرات اور وظائف ملے۔ اس سے سرسید کی غرض یہ تھی کہ ان حالات کو پیش کر کے انگریز

حکام کے دلوں سے یہ خیال نکالا جائے کہ مسلمان سلطنت انگریزی کے دشمن اور مخالف ہیں۔ جب دلائل اور براہین سے یہ بات ثابت کردی جائے گی تو بدگو دشمن اور مخالف ممکن ہے اپنے غلط پراپگنڈہ سے باز آجائیں اور تباہ حال مسلمان اس پر مصائب دنیا میں کچھ امن کا سانس لے سکیں۔

اس غرض کے لیے انہوں نے مراد آباد (یو۔ پی) سے جہاں وہ اس وقت صدر الصدور تھے ۱۸۶۰ء میں ایک سہ ماہی رسالہ جاری کیا جس میں سب سے پہلے تو خود اپنے حالات بیان کیے۔ پھر دوسرے معزز مسلمانوں سے ان کے حالات منگوا کر اور انہیں خود مرتب کر کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کیے۔ یہ رسالہ میرٹھ میں چھپتا تھا اور مردا آبد سے شائع ہوتا تھا اس کا اردو نام ''رسالہ خیر خواہان مسلمانان'' تھا اور انگریزی میں ''لائل محڈنز آف انڈیا''۔ یہ ۱۸۲۲ء کی تقطیع پر ٹائپ میں چھپتا تھا۔ صفحہ کے دو کام ہوتے تھے۔ ایک میں اردو دوسرے میں اس کا انگریزی ترجمہ۔ اس رسالے کے صرف تین نمبر شائع ہوئے۔ پھر بند ہو گیا۔ ابتدائی دو نمبر ۱۸۶۰ء میں چھپے اور آخری ایک نمبر ۱۸۶۱ء میں۔ حصہ اول کے ۸۲ حصہ دوم کے ۱۰۰ اور حصہ سوم کے ۹۲ صفحات تھے۔ فی رسالہ دو روپے قیمت تھی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانے میں ٹائپ کی اجرت۔ چھپائی کی شرح اور انگریزی ترجمے کا معاوضہ بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا ۔ورنہ سرسید ۹۲ یا ۸۲ صفحات کی قیمت دو روپے نہ رکھتے۔

یہ تینوں رسالے بالکل نایاب تھے اور کہیں نہیں ملتے تھے۔ پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کا قیمتی کتب خانہ جب یونیورسٹی لائبریری لاہور کو دیا گیا تو اس مجموعہ میں اتفاق سے یہ رسالے بھی تھے جہاں سے نقل کر کے ہم انہیں ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

سچ ہے انقلاب زمانہ ایک ایسا برا حادثہ ہے کہ آدمی کو نہایت زبوں و درماندہ کر دیتا ہے۔ ایسے وقت میں انسان کا فضل و کمال، عقل و ہنر، علم و عمل کچھ کام نہیں آتا۔ یہ ہی حادثہ ہےجس سے انسان کا یا پلٹ ہو جاتا ہے۔ کوئی کام اس کا اعتبار کے لائق نہیں رہتا، کسی شخص کو اس کی قدر و منزلت کا خیال نہیں ہوتا۔ جو کام انسان سے برا سرزد ہوتا ہے وہ درحقیقت برا ہی ہے۔ مگر اس کم بخت وقت کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ اس کا اچھا کام بھی برائی اور ظاہرداری پر محمول ہوتا ہے ہر ایک قوم میں اچھے برے سب قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ یہ جو ایک مچھلی سارے جل کو گندا کرے، یہ خاص اسی برے وقت کی مثل ہے اس کم بخت وقت کا یہ خاصہ ہے کہ اگر ایک آدمی بھی برا کام کرے تو ساری قوم کی قوم رسوا اور بدنام ہوتی ہے۔ گو اسی قوم میں سے صہا آدمیوں نے اچھے کام کیے ہوں۔ مگر ان خوبیوں پر کسی کو خیال نہیں ہوتا،۔ برخلاف اس کے جن لوگوں پر یہ بدبختی کیدن نہیں ہوتے۔ انکا برا کام بھی آنکھوں میں نہیں کھٹکتا۔ ان میں سے ہزاروں نے کیسے ہی بری برے کام کیے ہوں۔ مگر ان کا برائی پر کسی کو دھیان نہیں ہوتا۔ یہ بدبختی کا زمانہ وہ ہے جو ۵۸۔۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے مسلمانوں پر گزرا۔ کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانے میں ہوئی ہو۔ گو وہ رام دین اور مانا دین ہی نے کی ہو۔ اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی۔ کوئی بلا آسمان پر سے نہیں چلی جو اس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈھا ہو۔

ہر بلائے کز آسمان آید
گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمیں نا رسیدہ می پر سد
خانہ مسلماں کجا باشد

اس گذشتہ ہنگامے کے حالات پر میں نے بھی بہت غور کیا اور جو اصلی حالات مجھ کو معلوم ہوئے ہیں ان پر میں یقین رکھتا ہوں۔ اور اسی سبب سے میرا دل خوش ہے کہ بالفعل جو ایک غوغا مسلمانوں کی برائی اور مفسدے اور بدذاتی کا چاروں طرف پھیل رہا ہے۔ یہ بالکل مٹ جاوے گا۔ اگرچہ کچھ کچھ حالات فساد کے کھلتے چلے ہیں۔ مگر روز بروز اور زیادہ کھلتے جاویں گے اور جب اصلی حال بالکل روشن ہو جاوے گا تو جن لوگوں کی زبانیں مسلمانوں کی نسبت بہت دراز ہو رہی ہیں سب بند ہو جاویں گی۔ اور تحقیق ہو جاوے گی کہ ہندوستان میں اگر کوئی قوم مذہب کے رو سے اعادت اور مزاج کے رو سے عیسائیوں سے محبت اور اخلاص اور ارتباط اور یگانگت کر سکتی ہے تو مسلمان ہی کر سکتے ہیں۔ اور کوئی نہیں، مگر ان دنوں میں جو میری نگاہ سے انگریزی اخبار کثرت سے گزرے اور جو کتابیں اس ہنگامہ کی بابت تصنیف ہوئیں۔ وہ بھی میں نے دیکھیں تو ہر ایک میں یہی دیکھا کہ ہندوستان میں مفسد اور بدذات کوئی نہیں مگر مسلمان۔ کوئی کانٹوں دار درخت اس زمانے میں نہیں آگا جس کی نسبت یہ نہ کہا گیا ہو کہ اس کا بیج مسلمانوں نے بویا تھا۔ اور کوئی آتشین بگولہ نہیں اٹھا جو یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے اٹھایا تھا۔ مگر میں اس کے برخلاف سمجھتا ہوں۔ میں نہیں دیکھتا کہ مسلمانوں کے سوا ایسا اور کوئی ہو۔ جس نے خالص سرکار کی خیر خواہی میں اپنی جان، مال۔ عزت۔ آبرو کھوئی ہو۔ زبانی بات چیت کی خیر خواہیاں ملا دینے اور جھوٹے سچے ایک دو پرچے لکھ بھیجنے بہت آسان ہیں۔ مسلمانوں کے سوا وہ کون شخص ہے

جس نے صرف سرکار کی خیر خواہی میں اپنی اور اپنے کنبے کی جان دی اور ہر وقت ہاتھ پاؤں۔ دل و جان سے جاں نثاری کو حاضر رہا۔

جن مسلمانوں نے ہماری سرکار کی نمک حرامی اور بدخواہی کی میں ان کا طرف دار نہیں۔ میں ان سے بہت زیادہ ناراض ہوں۔ اور حد سے زیادہ برا جانتا ہوں۔ کیونکہ یہ ہنگامہ ایسا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی بموجب عیسائیوں کے ساتھ رہنا تھا۔ جو اہل کتاب اور ہمارے مذہبی بھائی بند ہیں۔ نبیوں پر ایمان لائے ہیں۔ خدا کے دیے ہوئے احکام اور خدا کی دی ہوئی کتاب اپنے پاس رکھتے ہیں۔ جس کا تصدیق کرنا اور جس پر ایمان لانا ہمارا عین ایمان ہے۔ پھر اس ہنگامے میں جہاں عیسائیوں کا خون گرتا۔ وہیں مسلمانوں کا بھی خون گرنا چاہیے تھا۔ پھر جس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے علاوہ نمک حرامی اور گورنمنٹ کی ناشکری کے۔ جو ہر ایک رعیت پر واجب ہے۔ اپنے مذہب کے بھی برخلاف کیا۔ پھر بلا شبہ وہ اس لائق ہیں کہ زیادہ تر ان سے ناراض ہوا جاوے۔ مگر عموماً اخباروں اور بغاوت کی کتابوں میں جو رائے ان کی نسبت چھاپی جاتی ہے اس میں اور میری رائے میں اتنا فرق ہے کہ جو تمہیدا اور جو بنا اور جو منشا کہ وہ لوگ ان کی نسبت لگاتے ہیں۔ میں اسکو قبول نہیں کرتا اور کچھ شک نہیں کہ میں اپنی رائے کو بہت درستی اور انصاف سے کام میں لایا ہوں۔

اگرچہ چاروں طرف سے مسلمانوں پر یہ شور و غل ہو رہا ہے۔ مگر مسلمانوں کو کسی طرح رنجیدہ خاطر ہونا نہیں چاہیے۔ کیونکہ ہماری نہایت اعلیٰ منصف گورنمنٹ مسلمانوں کی طرف ہے۔ ہماری گورنمنٹ نے اصلی حالات فساد پر بخوبی غور کیا ہے۔ اور یقین ہے کہ ہماری گورنمنٹ کی ہرگز یہ رائے نہیں ہے۔ جو تم اخباروں اور بغاوت کی کتابوں میں دیکھتے ہو۔ پس جب کہ مسلمانوں کی طرف خود گورنمنٹ ہے تو پھر اس شور و غاغا کا ان کو کیا غم ہے۔

نمی گویم درین گلشن گل و باغ و بہار از من

بہار از یارو باغ از یارو گل از یارو یار ازمن

ہم جو یہ بات لکھتے ہیں کہ ہماری منصف گورنمنٹ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔اس کی بہت روشن دلیل یہ ہے کہ ہماری قدردان گورنمنٹ نے خیرخواہ مسلمانوں کی کیسی قدر و منزلت اورعزت اورآبرو کی ہے۔انعام وکرام اور جاگیراور پنشن سے نہال کردیا ہے ترقی عہدہ اورافزونی مراتب سے سرفراز کیا ہے۔پھر کیا یہ ایسی بات نہیں ہے۔کہ مسلمان نازاں نہ ہوں۔اوردل وجان سیہمای گورنمنٹ کے شکرگزاراورثناخواں نہ ہوں،مگر میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں نے جو جو خیرخواہیاں کیں ان کا ذکراخباروں میں بہت کم چھپتا ہے۔بغاوت کی جو کتابیں چھپی ہیں ان میں تو اس کا ذکر ہے نہیں۔اس لیے میں نے ارادہ کیا ہے کہ مسلمان خیرخواہوں کا تذکرہ اس کتاب میں لکھنا شروع کروں۔اورجن مسلمانوں نے علی الخصوص مسلمان ملازمان گورنمنٹ جے جو جو خیرخواہیاں ہماری گورنمنٹ کی کیں۔ان کیا بیان جہاں تک مجھ کو معلوم ہے لکھوں۔اور جو جو انعام اوراکرام ہماری منصف اورقدردان گورنمنٹ نے بعوض اس کے مسلمانوں کو دیے وہ سب بیان کرون۔تاکہ ہماری گورنمنٹ کی سخاوت اور منصفی اورقدردانی زیادہ تر مشہور ہواور تمام مسلمان رعایا اپنے ہم قوموں کے ساتھ ہماری گورنمنٹ کی مروت اورسلوک اور رعایت اورقدردانی دیکھ کر ہماری گورنمنٹ کے دل سے شکرگذار ہوں۔اور ہر ایک کو یہ حوصلہ پیدا ہو کہ جس طرح ہمارے ہم قوموں نے ہماری گورنمنٹ کی رفاقت سے عزت اورنیک نامی حاصل کی۔اسی طرح ہم بھی حاصل کریں۔اور یہ بھی جان لیں کہ ہماری گورنمنٹ ہمیشہ اپنی مطیع رعایا پر دل سے مہربان اوران کی قدرومنزلت کرنے کو تیار ہے۔مگر جو کہ مسلمان خیرخواہ بہت کثرت سے ہیں اوران کی رپورٹیں بھی بہت لمبی لمبی ہیں۔ان سب کا ایک کتاب میں جمع کرنا اور چھاپنا خالی دقت سے نہ تھا۔اس واسطے یہ تجویز کی ہے۔کہ مناسب وقت پر چند چند لوگوں کا حال مختصر مختصر

رسالوں میں چھاپا جاوے۔ چنانچہ یہ رسالہ پہلا نمبر اس کتاب کا ہے۔

جن لوگوں کی رائے یہ سبب تعصب اور عدم واقفیت کے حالات ملکی اور سیاست مدن کے جو اصول ہیں ان پر صحیح رائے نہ پہنچے کے سبب میری رائے کے برخلاف ہیں وہ لوگ میری اس کتاب کو دیکھ کر حب الوطنی کا الزام مجھ پر لگائیں گے۔ ہاں یہ بات تو مجبوری کی ہے۔ کہ میری پیدائش ہندوستان میں ہوئی۔ اور میں بلاشبہ مسلماں ہوں۔ اور مسلمانوں ہی کا ذکر خیر اس کتاب میں لکھتا ہوں۔ پھر نام نصفی سے جو کوئی چاہے یہ الزام مجھ پر لگائے۔ مگر جو لوگ انصاف دوست ہیں۔ وہ خیال کریں گے کہ ان حالات اور واقعات کی تحریر میں میں نے کسی جگہ انصاف کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ جس کسی مسلمان کی خیر خواہی کا ذکر لکھا ہے۔ اس کے اتھ بجنسہ حکام متعہدک رپورٹیں جو ان کے حق میں ہوئیں۔ اور سارٹیفکیٹ جو ان کو دیے اور گورنمنٹ سے جو انعام واکرام ان کو ملے وہ سب لفظ بلفظ اس میں مندرج ہیں۔ جو میری اس تمام تحریر پر گواہ عادل موجود ہیں۔ اور تمام متعصبوں کی زبان کو الزام لگانے سے بند کرتے ہیں۔

میرا ارادہ تھا کہ میں اپنا حال اس کتاب میں کچھ نہ لکھوں کیوں کہ میں اپنی ناچیز اور مسکلین خدمتوں کو اس لائق نہیں جانتا کہ ان کو گورنمنٹ کی خیر خواہی میں پیش کروں۔ علاوہ اس کے جو گورنمنٹ نے میرے ساتھ سلوک کیا وہ درحقیقت میری مسکین خدمت کے مقابل میں بہت زیاد ہے اور جب میں اپنی گورنمنٹ کے انعام اور اکرام کو دیکھتا ہوں اور پھر اپنی ناچیز خدمتوں پر خیال کرتا ہوں تو نہایت شرمندہ ہوتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ ہماری گورنمنٹ نے مجھ پر اس سے زیادہ احسان کیا ہے جس لائق میں تھا۔ مگر مجبوری ہے کہ اس کتاب کے مصنف کو ضرور ہے کہ اپنا حال اور اپنے خیالات کو لوگوں پر ظاہر کرے۔ تا کہ سب لگ جانیں کہ اس کتاب کے مصنف کا کیا حال ہے۔ اور اس نے اس ہنگامے میں کس

طرح اپنی دلی محبت گورنمنٹ کی خیر خواہی میں صرف کی ہے۔

سید احمد خان۔ مصنف اس رسالے کا

اگر چہ میرے بزرگ عرب کے رہنے والے ہیں، مگر اکبر اول کے عہد میں ہرات سے ہندوستان میں آ رہے۔ میری پیدائش دہلی کی ہے۔ اور میں وہیں کا رہنے والا ہوں۔

دلی جو ایک شہر تھا رشک جنان و خلد
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

میری ددھیال میں سے کوئی شخص برٹش گورنمنٹ کا نوکر نہیں تھا۔ البتہ سلاطین مغلیہ کے نوکر تھے اور پشت در پشت منصب و خطاب پاتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے بھی اس معزول کم بخت بادشاہ سے اپنے خاندان کی رسم کے بموجب موروثی خطاب پایا تھا۔

میرے نانا نے البتہ گورنمنٹ انگلشیہ کی نوکری کی تھی ۔ ۱۸۰۱ء میں گورنمنٹ کی طرف سے وکیل ہو کر گئے تھے۔ ایران کو۔ جبکہ حاجی خلیل خان سفیر شاہ ایران بمبئی میں مارا گیا تھا اور جب اس خدمت کو انجام کر کر پھرے تو پولیٹیکل ایجنٹ ہوئے اوا (برما) میں۔ اور جب اس خدمت کو بھی انجام دیکر اپنے وطن میں آئے تو وزیر ہوئے۔ اکبر بادشاہ ثانی کے۔ اور پایا وہ درجہ اور خطاب جو وزیر اعظم کو مغلیہ سلطنت میں ملتا تھا۔

جب سے میں نے ہوش سنبھالا، گورنمنٹ انگلشیہ کی نوکری اختیار کی اور مجھ کو شوق ہوا فن تاریخ سے اور جب مختلف ملکوں کی تاریخ میری نظر سے گذری اور اصول گورنمنٹ اور سیاست مدن پر میں نے لحاظ کیا اس وقت سے میری رائے یہی رہی کہ ہماری گورنمنٹ اور ہندوستان کی رعایا میں ایسی محبت اور یگانگت ہو جاوے، کہ ہر ایک کے امور مذہبی اور رسم

ورواج سے کچھ سروکار نہ رہے۔ مگر تمام رعایا اور ہماری گورنمنٹ انتظام ملکی میں ایک رائے اور ایک قصد اور ایک ارادہ رہیں اور تمام ہندوستان کی رعایا گورنمنٹ انگلشیہ کو اپنا بادشاہ سمجھ کر اس کی خیر خواہی اور رفاقت میں رہے۔

۱۸۵۴ء میں جب میں نے ایک تاریخ دہلی کی پرانی عمارتوں اور اگلی عملداریوں کی لکھی تو اس میں سلسلہ سلطنت خاندان مغلیہ کا ۱۸۰۳ء سے یعنی جب سے کہ نیک سپہ سالار انگلشیہ نے دہلی کو فتح کیا منقطع کیا اور ہندوستان کی سلطنت میں سلسلہ شاہان انگلستان کا قایم کیا۔ اس سے یقین ہوسکتا ہے کہ اس ہنگامہ کے پہلے سے میری نیت یہی تھی کہ تمام اہل ہند جان لیں۔ کہ اب سلطنت خاندان مغلیہ کی ختم ہوگئی ہے اور ہندوستان کی بادشاہت شاہان انگلستان کی ہے۔ اس لیے تمام رعایا کو اپنے بادشاہ اور گورنمنٹ انگلشیہ کی خیر خواہی اور اس سے محبت پیدا کرنی چاہیے۔

جب غدر ہوا۔ میں بجنور میں صدر امین تھا کہ دفعتہ سرکشی میرٹھ کی خبر بجنور میں پہنچی۔ اول تو ہم نے جھوٹ جانا۔ مگر جب یقین ہوا تو اسی وقت سے میں نے اپنی گورنمنٹ کی خیر خواہی اور سرکار کی وفاداری پر چست کر باندھی۔ ہر حال اور ہر امر میں مسٹر الیگزینڈر شکسپیئر صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ بجنور کے شریک رہا یہاں تک کہ ہم نے اپنے مکان پر رہنا موقوف کر دیا۔ دن رات صاحب کی کوٹھی پر حاضر رہتا تھا اور رات کو کوٹھی کا پہرہ دیتا تھا اور حکام کی اور میم صاحبہ کی اور بچوں کی حفاظت جان کا خاص اپنے ذمہ اہتمام لیا۔ ہم کو دیا دنہیں ہے کہ دن رات میں کسی وقت ہمارے بدن پر سے ہتیار اترا ہو۔

اگرچہ اکیسویں مئی ۱۸۵۷ء کو یعنی جب کہ جیل خانہ ٹوٹا اور نگینہ تک سفر مینا کی سرکش پلٹن رورکی سے آ گئی اور ہم نے کنویں میں خزانہ ڈالا۔ بہت بڑا سخت وقت تھا اور جب مسٹر الیگزینڈر شیکسپیئر صاحب بہادر نے قیدیوں پر تن تنہا حملہ کیا۔ تو اس وقت سوائے میرے اور

میرے ساتھی مسلمان دو افسروں کے اور کوئی شخص صاحب ممدوح کے ساتھ نہ تھا۔

مگر میری دانست میں دو وقتوں سے زیادہ سخت وقت کوئی ہم پر نہیں گذرا اور اس وقت بھی مسلمانوں کے سوا کوئی شخص مسٹر الیگزینڈر صاحب بہادر کے ساتھ جان دینے کو تیار نہ تھا۔

پہلا وقت وہ تھا۔ جب دفعۃً ۲۹ کی کمپنی سہارن پور سے بجنور میں آ گئی۔ میں اس وقت ممدوح کے پاس نہ تھا۔ دفعۃً میں نے سنا کہ فوج باغی آ گئی اور صاحب کے بنگلہ پر چڑھ گئی۔ میں نے یقین جان لیا کہ سب صاحبوں کا کام تمام ہو گیا۔ مگر میں نے نہایت بری بات سمجھی کہ میں اس حادثہ سے الگ رہوں۔ میں ہتیار سنبھال کر روانہ ہوا اور میرے ساتھ جو ایک لڑکا صغیر سن تھا۔ میں نے اپنے آدمی کو وصیت کی۔ میں تو مرنے جاتا ہوں۔ مگر جب تو میرے مرنے کی خبر سن لے تب اس لڑکے کو کسی امن کی جگہ پہونچا دیجیو۔ مگر ہماری خوش نصیبی اور نیک نیتی کا یہ پھل ہوا کہ اس آفت سے ہم بھی اور ہمارے حکام بھی سب محفوظ رہے۔ مگر مجھ کو ان کے ساتھ اپنی جان دینے میں کچھ دریغ نہ تھا۔

دوسرا زمانہ وہ ہے کہ جب جون کی آٹھویں رات کو باغیوں نے حکام یورپین کے قتل کا ارادہ کیا اور مجھ کو خبر ملی اور فی الفور میں نے مسٹر الیگزینڈر شیکسپیئر صاحب بہادر کو اطلاع دی۔ وہ رات جس مصیبت سے گذری ہم سے اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ مگر اس وقت تین افسر جو جان دینے کو موجود تھے۔ وہ تینوں مسلمان تھے۔ جو شخص کہ عین اس وقت میں باغیوں کے غول میں گیا اور اس فتنہ کو دبایا اور حکم یورپین کو بخیر و عافیت روانہ ہونے کی فرصت ملی۔ وہ شخص بھی مسلمان تھا اور اسی سبب سے میں مسلمانوں کو جاں نثار خیر خواہ اپنی گورنمنٹ کا کہتا ہوں۔

یہ تمام ہنگامہ باغیوں کا ضلع بجنور میں ہو رہا تھا کہ دفعۃً ہمارے نام حکم آیا کہ سرکار کی

طرف سے ضلع بجنور کا انتظام کرو۔ اس وقت بھی ہم اپنی جان کا بچنا باغیوں کے ہاتھ سے ہر گز نہیں جانتے تھے۔ مگر ہم نے انتظام ضلع کا اٹھایا اور سرکار کے نام سے تمام ضلع میں منادی کی اور اشتہارات سرکار کے نام سے جاری کیے اور انتظام ضلع کا سرکار کی طرف سے کیا اور ضلع بجنور کے زمینداروں کو اپنے ساتھ لے کر باغیوں سے مقابلہ کیا۔ جب ہماری شکست ہوئی تو ہم بھاگے اور چاند پور کے مقام پر باغیوں کے ہاتھ گھر گئے۔ ہماری زندگی باقی تھی، کہ بہت بڑا صدمہ اٹھا کر وہاں سے نکلے اور میرٹھ پہنچے اور پھر ۲۵ اپریل ۱۸۵۷ء کو بفتح و فیروزی بجنور میں داخل ہوئے۔

اس کے عوض میں سرکار نے میری بڑی قدردانی کی۔ عہدۃ صدر الصدوری پر ترقی کی اور علاوہ اس کے دوسو روپیہ ماہواری پنشن مجھ کو اور میرے بڑے بیٹے کو عنایت فرمائے اور خلعت پانچ پارچہ اور تین رقم جواہر ایک شمشیر عمدہ قیمتی ہزار روپیہ کا اور ہزار روپیہ نقد واسطے مدد خرچ کے مرحمت فرمایا۔ میری نسبت جو رپورٹ ہوئی۔ وہ ذیل میں مندرج ہے۔

ترجمہ سٹرفکیٹ عطائے ولسن صاحب بہادر سپیشل کمشنر سابق جج اضلاع مراد آباد و بجنور مورخہ ۲۸ جون ۱۸۵۷ء واضح رہے کہ ہم تصدیق اس امر کی کرتے ہیں کہ سید احمد خاں صدر امین بجنور کے خیر خواہ اور مطیع سرکار انگریز بہادر کے دل سے ہیں چنانچہ جب حکام انگریزی ضلع مذکور سے تشریف لے گئے صدر امین موصوف بطور افسر سرکار کے اس ضلع میں موجود رہے۔ ہم ان کی سفارش کرتے ہیں کہ یہ صاحب قابل نظر عنایت حکام سرکاری کے ہیں۔

دستخط۔ جان کرائی کرافٹ ولسن صاحب ترجمہ انتخاب چٹھی مسٹر الیگزینڈر شیکسپئر صاحب بہادر وکلکٹر و مجسٹریٹ ضلع بجنور۔ نمبر ۵۶ مورخہ ۵ جون بنام رابٹ الیگزینڈر صاحب بہادر کمشنر روہیل کھنڈ مقام بریلی۔

دفعہ دوم۔ ہم آپ کی خدمت میں بلاتوقف گذارش کرتے ہیں کہ درباب ان اہل کاران کے جنہوں نے غدر میں عمدہ کام کیے ہیں اوراپن ناموری حاصل کی۔

دفعہ سوء۔ نقشہ معمولی ارسال کرتے ہیں۔نسبت رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر ضلع بجنوراورسید احمد خاں صاحب صدرامین اور میر تراب علی صاحب تحصیلدار ضلع بجنور کے اور حالات مفصلہ تحریر کیے جاتے ہیں، کہ موید اس کے ہیں۔

دفعہ چہارم۔ جو صورت اس ضلع کی وقت شروع غدر کے تھی۔ آب کو بخوبی روشن ہے۔فوج سرکاری یہاں کچھ نہ تھی۔اس سبب سے کچھ اندیشہ ایسے امر کا نہ ہوااور نہ کچھ تدبیر کرنی پڑی۔صرف دو مرتبہ البتہ اندیشہ ہوا تھا۔ جب چند نفر تلنگہ تھوڑے دنوں کے واسطے یہاں آئے تھے۔ بہت ضروری یہ تدبیر تھی کہ بندوبست ضلع کا بدستور قائم رہےاور کسی وجہ کی بدعت اور دنگہ نواب صاحب اوران کے لواحقین کی جانب سے ہونے پاوے سوایسا سامان جس سے یہ تدبیر کامل ہوسکتی اس قت بہت مشکل تھا اور اشد ضرورت تھی کہ خبر معتبر نسبت ارادہ اور حال ہر قسم کے لوگوں کے ہم کو پہنچا کرے۔ چنانچہ ہم نے مدد کے واسطے افسران سے مشورہ اس امر کا کیا اوران افسروں نے اس مصیبت کے وقت میں ایسی عمدہ مدد ہماری کی کہ جس کا بیان مفصل نہیں ہوسکتا۔ہم کو یقین کام ہے۔کہ اگر افسران موصوف ہماری مدد نہ کرتے تو اپنی مدت تک صاحبان انگریز کا اس ضلع میں ٹھہرنا بہت دشوار تھااور نیز انہیں تین صاحب سے واسطے تدبیر مناسب کے اس وقت بھی مشورت کی گئی تھی۔ جب ضلع کا حال بگڑنے لگا۔اور معلوم ہوا کہ نواب صاحب مسلح سپاہیوں کو بھرتی کرتے ہیں۔کیوں کہ اس صورت میں خبرداری بہت ہی لازم تھی اور نیز جس وقت سپاہیان رجمنٹ ۲۹ سہارن پور سے مرادآباد کو اس ضلع کی راہ سے آئی اور جیل خانہ ٹوٹ گیا اور خزانہ سرکاری کنویں میں ڈالنا مناسب معلوم ہوااور چند تلنگے اس پلٹن کے ہماری مدد کے واسطے بھیجے گئے۔غرض ان ہر

ایک وقت میں یہ تینوں صاحب بہت ہوشیاری اور جواں مردی کر کے ہمارے ساتھ مستعد رہے۔ آخرش جس رات ہم نے کیمپ چھوڑنا مناسب جانا۔ اگر صدر امین صاحب درمیان میں نہ ہوتے تو یقین تھا کہ نواب صاحب اپنے اہل کاران کو بدعت کی جازت دیتے اور اغلب تھا کہ ہماری جان پر ضرور صدمہ پہنچتا۔

دفعہ پنجم۔ جب کہ ہم نے کمبو چھوڑ دیا تو ان تین صاحب نے بھی چھوڑ دیا۔ چنانچہ ڈپٹی صاحب مقام ہلدور کی جہاں راجپوت رہتے ہیں۔ تشریف لے گئے اور صدر امین صاحب اور تحصیلدر صاحب نے موضع بسرکٹرہ میں پناہ لی۔ دو صاحب ان میں سے عیال دار بھی تھے۔ اس سبب سردست ہمارے ساتھ نہ چل سکے تھے بلکہ ان کا چلنا مناسب بھی نہ تھا۔ اس واسطے کہ ان دنوں میں خبر گرم تھی کہ صبح شام میں دلی فتح ہوئی ہے اور ہم نے اس ضلع کو نواب صاحب کے سپرد اس امید پر کیا تھا، کہ وہ کسی نہج کی حرکت نہ کریں۔ غرض اس صورت میں مناسب بھی تھا، کہ حکام اہل ہند جو معتمد ہوں۔ اس ضلع میں موجود رہیں۔

دفعہ ششم۔ جو کہ دلی فتح نہ ہوئی تو اس ضلع کے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھ گیا اور ان افسران کا وہاں رہنا مشکل ہوا۔ بلکہ ۲۹ جون کو جب قریب چار سو آدمی جہادی منیر خاں سر گروہ کے ساتھ واسطے جانے دہلی کے اس ضلع میں آئے تھے۔ اس وقت ان صاحبوں کو جان کا بھی خوف تھا اور ۱۶ اگست تک جب نواب بجنور بھاگا۔ تب تک یہ افسر علانیہ خیرخواہی سرکار کی نہ کر سکے مگر بہت مشکل کے ساتھ حکام ضلع کو خبر دیتے رہے۔ کسی وقت میں ان صاحبوں کو اس بات کا وسوسہ نہیں ہوا کہ انجام کار سرکار غالب نہ رہے۔ چنانچہ جس وقت ان صاحبوں کو اجازت واسطے انتظام ضلع کے ہوئی تھی۔ ڈپٹی صاحب اور صدر امین صاحب فی الفور مستعد اس کام کے ہوئے تھے اور باعانت زمینداران قوم ہنود کے بندوبست کرنا شروع کیا تھا۔ مگر ۲۳ اگست کو چار و نا چار ہنود چلے گئے اور اس قصبہ پر مسلمان چڑھ آئے اور اگرچہ

راجپوت اور دیگر قوم ہنود جو خیر خواہ سرکاری تھے ان سے بمقابلہ پیش آئے مگر مسلمان فتح یاب ہوئے۔

دفعہ ہفتم۔ جب یہ مصیبت گذری تو ڈپٹی صاحب اور صدر امین صاحب نے مع دیگر اشخاص کے بمشکل تمام چاند پور میں پناہ لی۔ مگر وہاں بھی نہ ٹھہر سکے۔ کس واسطے کہ باغی مسلمان ان سے بباعث خیر خواہی سرکار کے بہت نفرت رکھتے تھے اس سبب سے صدہا مصیبت کے ساتھ دریا عبور کر کے ڈپٹی صاحب تو خورجہ اپنے وطن کو اور صدر امین صاحب میرٹھ کو تشریف لے گئے۔

دفعہ دوازدہم۔ سید احمد خان پہلے ۱۸۲۷ء میں مقام آگرہ کی کمشنری میں منشی مقرر ہوئے تھے۔ بعد اس کے ۱۸۴۱ء میں منصف ہوئے اور ۱۸۵۵ء میں ترقی ان کی اوپر عہدہ صدر امینی کے ہوئی اور اس عہدہ پر رضا مندی وخوشنودی مزاج حاکماں کے کام کرتے رہے۔

دفعہ سیزدہم۔ ان کا نقصان بھی بہت ہوا۔ کس واسطے کہ شروع غدر میں ان کے عیال اور اطفال دہلی میں تھے اور ہم نے اس بات کو خوب دریافت کر لیا کہ بہ سبب ان کی خیر خواہی کے باغیوں نے ان کے گھر کو لوٹ لیا۔ مکانات تو مل گئے ہیں مگر نقصان مال اور اسباب کا جو دہلی اور بجنور میں ہو تخمیناً تیس ہزار تین سو چوراسی روپیہ کا قرار دیتے ہیں۔

دستخط۔ الیگزینڈر شیکشپئر صاحب

مجسٹریٹ وکلکٹر

ترجمہ چٹھی صاحب رجسٹر عدالت صدر دیوانی اضلاع غربی نمبری ۳۲ ۷ مورخہ جون ۱۸۵۷ء باجلاس مارگن صاحب دمنی صاحب جج۔ بنام میور صاحب بہادر سیکرٹری گورنمنٹ۔

بوصول نقل چٹھی صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع بجنور نمبری ۵۲ مورخہ ۷ ۱۸۵۷ء موسومہ صاحب کمشنر بہادر روہیل کھنڈ مشعر حسن کارگذاری سید احمد خاں صاحب صدر امین حکام عدالت بخدمت نواب گورنر جنرل بہادر کے گذارش کرتے ہیں کہ اگر صدر امین مذکور بعہدہ صدر الصدوری ضلع مراد آباد کے بجائے احمد حسین خاں صدر الصدور سابق کہ ماہ مئی ۱۸۵۷ ءمیں وفات پا گیا۔ مقرر کیا جاوے تو مناسب ہے۔

دفعہ دوم۔ ماسوائے استحقاق خیر خواہی کے من جملہ ان افسروں لئیق کے جو تحت حکام عدالت ہیں۔ سید احمد خاں صدر امین ایک افسر لئیق ہے۔ بطور نشانی عنایات گورنمنٹ کی اگر تاریخ تقرری سید احمد خاں کی عہدہ صدر الصدوری پر اس روز سے محسوب ہو کہ جس روز سے سرکار کا قبضہ دوبارہ مراد آباد پر ہوا تھا تو نہایت ہی مناسب ہے اور اسی نیت سے حکام عدالت ان کی تقرری کی تجویز کرتے ہیں۔ حالاں کہ فی الحال کوئی حاکم اس ضلع میں اوپر

عہدہ ججی کے مقرر نہیں ہوا ہے۔مگر جو شیکسپئر صاحب کے نزدیک قائم رہنا سید احمد خاں صاحب کا بالفعل بجنور میں واسطے بندوبست اس ضلع کے مناسب ہو تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں ہے اور واسطے ملاحظہ کے نقل رپورٹ مذکورہ بالا ملفوف چٹھی ہذا ارسال ہوئی ہے۔

دستخط ڈاش وڈ صاحب رجسٹر

ترجمہ چٹھی صاحب رجسٹر عدالت صدر دیوانی نمبر ۸۳۳ مورخہ ۱۳ جولائی ۱۸۵۸ء بنام سید احمد خاں صدر امین۔

حکام عدالت کو کمال خوشی ہے در باب بھیجنے نقل چٹھی گورنمنٹ مورخہ دوازدہم جولائی نمبر ۲۳۹۹ مشعر تقرری آپ کی بعہدہ صدر الصدوری مراد آباد ابتدائے اس تاریخ سے جس روز سے سرکار کا قبضہ اس ضلع پر ہوا تھا اور سند بروقت پہنچنے سے اس سرشتہ کی آپ کی خدمت میں بھیج دی جاوے گی۔

دفعہ دوم۔تا مقرر ہونے صاحب جج مراد آباد کے آپ بدستور مقام بجنور میں رہیے

۔

دستخط۔ڈاش وڈ صاحب رجسٹر

نقل چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ نمبر ۲۳۷۹ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ بناب صاحب دیوانی عدالت۔

بجواب چٹھی مورخہ ۱۹ جون سن الہ آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ حسب تجویز حکام عدالت صدر کے امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے سید احمد خاں صدر امین بجنور کی ترقی اوپر عہد ہ صدر الصدوری ضلع مراد آباد ابتدائے اس تاریخ سے کہ سرکار کا قبضہ اس ضلع پر ہوا بعوض خیر خواہی اور عمدہ کارگذاری ایام غدر کے منظور فرمائی۔

دستخط۔میور صاحب سیکرٹری گورنمنٹ

ترجمہ چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ نمبر ۳۲۱۷ حرف الف مرقومہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۸ء بنام سید احمد خاں صاحب صدر امین بجنور۔

آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے عہد ہ صدر الصدوری ضلع مراد آباد کے مقرر فرمایا۔ابتدائے اس روز سے جس دن سرکار کا قبضہ اس ضلع پر ہوا۔

دستخط۔میور صاحب سیکرٹری گورنمنٹ

ترجمہ انتخاب چٹھی رابرٹ الیگزینڈر صاحب بہادر کمشنر روہیل کھنڈ مورخہ یکم جولائی ۱۸۵۸ء۔ بنام سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی۔ مقام الہ آباد۔

دفعہ سوم۔ اگرچہ ہم کو ایسا اتفاق نہ ہوا جیسا شیکسپئر صاحب کو ہوا کہ حسن کارگذاری ان تینوں صاحبوں کے جن کی نسبت صاحب ممدوح رپورٹ لکھتے ہیں اچھی طرح معلوم کرتے مگر البتہ ہم کو نینی تال میں اتنی خبر پہنچی تھی کہ یہ تینوں صاحب خیر خواہ سرکار رہے ہیں۔ اور ابتدائے غدر سے انتہا تک کسی نہج کا شبہ ان کی خیر خواہی میں نہیں ہوا۔ اگرچہ نزدیک تھا کہ کئی مرتبہ ان کی جان پر بھی صدمہ پہنچتا۔ اور مال اسباب ان کا جو اس ضلع میں تھا۔ وہ تو بالکل برباد ہو گیا۔

دفعہ چہارم۔ ہماری ملاقات تینوں صاحب سے ہے جو کچھ درباب لیاقت اور نیک چلنی ان کی شیکسپئر صاحب نے لکھا ہے۔ ہم بھی اس کی تائید کرسکتے ہیں۔

دفعہ پنجم۔ جس قدر انعام صاحب ممدوح نے واسطے ان لوگوں کے تجویز کیا ہے۔ ہمارے نزدیک بہت مناسب ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ منظور کیا جاوے۔

انتخاب چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی نمبر ۲۸۰۲ مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۸ء بنام رابرٹ الیگزینڈر صاحب

بہادر کمشنر روہیل کھنڈ۔

دفعہ دوم۔ جو آپ نے اور صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ بجنور نے نسبت عمدہ کارگزاری ان تین افسروں کی حسب تصریح شیکسپیئر صاحب کے اپنی اپنی رائے تحریر فرمائی ہے سو رائے گورنمنٹ کی بھی متفق اس کے ہے۔

دفعہ سوم۔ اگر چہ یہ تجویز صدر دیوانی عدالت کے ترقی سید احمد خاں صاحب صدر امین کے بعہدہ صدر الصدوری ضلع مراد آباد کے ہو چکی ہے۔ علاوہ اس کے آج خدمت نواب گورنر جنرل بہادر میں رپورٹ واسطے عطائے پنشن دوسو روپیہ ماہواری تا حین حیات ان کے اور ان کے بڑے بیٹے کے عوض حسن کارگذاری کے بھیجی گئی۔

دستخط۔ ولیم میور صاحب، سیکرٹری گورنمنٹ

ترجمہ چٹھی، سیکرٹری گورنمنٹ ہند نمبر ۳۴۶ بنام سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی۔

بوصول چٹھی مورخہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۸ء نمبر ۱۸۲ حرف الف مرسلہ آپ کے جواباً آپ کو اطلاع دی جاتی ہے بعوض خیر خواہی اور حسن کارگذاری ایام غدر کے امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے پنشن مبلغ دوسو روپیہ ماہواری حین حیات سید احمد خاں صدر الصدور مراد آباد اور انکے بیٹے مرحمت فرمائی۔

دستخط اڈمنسٹن صاحب

سیکرٹری گورنمنٹ ہند۔ ہمراہی گورنر جنرل بہادر حکم ہوا، کہ نقل چٹھی ہذا کے پاس صاحب کمشنر روہیل کھنڈ بجواب چٹھیات مرقومہ یکم اگست نمبر ۹۴ و ششم اگست نمبر ۱۰۰ مرسلہ انکی بھیجی جاوے

دستخط اور مٹرام صاحب

اسسٹنٹ سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی

مورخہ ۲۱ اگست ۱۸۵۸

مقام الہ آباد

میر صاحب مشفق مہربان مخلصانی سید احمد خاں صاحب بدر الصدور مراد آباد سلامت بعد اشتیاق ملاقات محبت آیات راضح باد بموجب حکم جناب مستطاب معلیٰ القاب نواب گورنر جنرل بہادر بتاریخ شانزدہم مارچ ۱۸۵۸ء جناب صاحب کمشنر بہادر روہیل کھنڈ نے باجلاس عام خدمت پانچ پارچہ و تین رقم جواہر مفصلہ ذیل بنظر خیر خواہی آپ کو عطا کیا۔ اور یہ خط حسب ضابطہ سند بنام آپ کے تسطیر ہوا۔ بطور سند اپنے پاس رکھو۔

تفصیل خدمت

پارچہ	جواہر	شمشیر مع پرتلہ	کلاہ چارقب
۵	۳	۱	۱

گوشوارہ	جبغہ	سرپیچ	نیم آستین	دوشالہ
۱	۱	۱	۱	۱

مالائے مروارید	پٹکہ

ا ا

دستخط جی پامر صاحب
مجسٹریٹ اور کلکٹر
المرقوم ۱۶ مارچ ۱۸۵۹ء

ذکریا خاں مرحوم

یہ صاحب پٹھان اور رام پور کے رہنے والے تھے۔ جب غدر ہوا تو یہ صاحب جہان آباد ضلع پیلی بھیت کے پیش کار تھے۔ ابتدائے غدر سے انہوں نے طرح طرح کی جانفشانیاں، سرکار کی خیر خواہی اور صاحب مجسٹریٹ بہادر کی حفاظت اور نگہبانی میں کیں اور خود صاحب کے بنگلے پر ان کی حفاظت کے لیے رات دن متعین رہے۔ جب پیلی بھیت میں زیادہ غدر ہوا اور میم صاحبوں اور بچوں کا وہاں رہنا کسی طرح مناسب معلوم نہ ہوا تو ان خان صاحب نے صاحب مجسٹریٹ بہادر کی میم صاحبہ اور بچوں کو اپنے ساتھ لیا اور جو مسلمان اس نازک وقت میں ان کے رفیق تھے۔ وہ سب ساتھ ہوئے اور نہایت ہوشیاری اور جواں مردی اور جاں بازی سے میم صاحبہ کو وہاں سے نکال کر نینی تال لے چکے پیلی بھیت سے پانچ کوس موضع بڑا مجھلیا تک پہنچے تھے کہ وہاں صاحب مجسٹریٹ بہادر مع عبدا للہ خاں صاحب کے آں کر ملے اور سب لوگ بخیر و عافیت نینی تال پہنچے۔

نینی تال میں بھی ہر طرح اور ہر وقت خیر خواہی سرکار میں مصروف رہے۔ چیر پورہ اور ستار گنج کی لڑائی میں جو فروری ۱۸۵۸ء میں ہوئی تھی، یہ صاحب بہت دلاوری سے شریک تھے جب فوج سرکاری پھر دوبارہ پیلی بھیت میں پہنچی تو یہ خان صاحب بھی ساتھ آئے اور

ترقی عہدہ پا کر تحصیلدار مقرر ہوئے مگر عین حالت تحصیلداری میں ایک باغی نے تلوار سے مار ڈالا اور سرکار کی خیر خواہی میں انہوں نے اپنی جان نثار کی۔

سرکار دولت مدار نے اس نمک حلال خیر خواہ کے پاس ماندگان کی بہت قدر و منزلت کی اور ایک ہزار روپے سے زائد کی مال گزاری کے دیہات انعام دیے اور ایک ہزار پانچ سو رروپیہ زر مال گذاری معاف کیا اور ان کے تینوں بیٹوں کو ساڑے سات سو روپے کا خلعت جس میں مختلف ہتھیار بھی ہیں تجویز ہوا ہے۔جس کی منظوری آ گئی ہے اور تیار ہو رہا ہے اور تینوں بیٹوں کو اوپر عہدہ معزز کے نوکر کر دیا ہے۔

ترجمہ رپورٹ مسٹر کارمیکل صاحب بہادر مجسٹریٹ پیلی بھیت نسبت ذکریا خاں۔

سابق میں ذکریا خاں پیش کار جہاں آباد ضلع پیلی بھیت کے تھے چنانچہ اس عہدے سے ناحق معزول کیے گئے مگر چندروز پہلے غدر کے صاحب کمشنر بہادر نے ان کو پھر بحال فرمایا۔اس کی شکر گذاری انہوں نے بخوبی کی۔ ہمارے عیال و اطفال کو اپنی حمایت میں رکھا۔اور کمال جاں فشانی اور احتیاط سے ان کو پہاڑ پر پہنچایا۔کئی کوس چل چکے تھے کہ ہم بھی شریک ان کے ہوئے۔ ہمارے ساتھ کمال وفاداری سے رہے اور جہاں کل ہم گئے ہمارے ساتھ رہے۔ یہ شخص پرانا آدمی تھا۔دکن اور اور اضلاع میں بہت دنوں تک نوکری بھی کی تھی ۔اور سرکار انگریزی کی دانائی اور مقدور اور ہمت پر یقین کلی رکھتے تھے اور جس وقت بریلی کے ضلع میں سرکار کا دوبارہ انتظام ہوا۔صاحب کمشنر بہادر نے ان کی ترقی اوپر

عہدہ تحصیلداری کے فرمائی تھی۔ اور ہم نے سنا ہے کہ کملا جانفشانی سے عہد تحصیلداری کا کام کرتے تھے، مگر افسوس یہ ہے کہ سر کچہری ایک کم بخت مسلمان نے ان کو قتل کر دیا۔ اور سرکار کا ایسا خیر خواہ اور نمک حلال نوکر جان سے جاتا رہا۔ ان کے تین بیٹے تھ دو کی پرورش تو ہم نے کر دی ہے۔ چنانچہ ایک کو پیش کار اور ایک کو عملہ میں بھرتی کیا ہے۔ اور نسبت تیسرے کی چٹھی سفارشی صاحب مجسٹریٹ مظفر نگر کی خدمت میں بھیجی ہے۔ کس واسطے کہ اس لڑکے کا استحقاق اس ضلع میں ہے، کیونکہ جس وقت اس کے چچا محمد ابراہیم شاملی کی تحصیل میں مارے گے تھے، یہ لڑکا بھی ان کے پاس تھا، بلکہ زخمی بھی ہوا تھا۔

دفعہ دوم: اور حقیقت میں یہ سمجھنا چاہیے کہ ذکریا خاں کو کچھ انعام نہیں ملا، کیونکہ ان کی اتنی زندگی نہ ہوئی کہ اپنی خیر خواہی کا ثمرہ پائے۔ لہذا ان کے تینوں بیٹوں کا استحقاق بذمہ عنایت سرکار ہے اور دو گاؤں جائداد ذکریا خاں متوفی کی پرگنہ شاہی ضلع بریلی میں تھے۔ ایک دھریتا، دوسرا شمس پور سو جس وقت ذکریا خاں کی خیر خواہی کا حال خان بہادر خان نے سنا تو اس ظالم نے دونوں گاؤں ضط کر لیے۔ اور مال گذاری ان کی اپنے تصرف میں کر لی تھی۔ بلکہ ان کے گھر بار کو بھی لٹوا دیا تھا اور اس سبب سے ان کے عیال اطفال پر سخت مصیبت پڑی تھی، لہذا واسطے منظوری گورنمنٹ کے ہم تجویز کرتے ہیں کہ ان دونوں گاؤں کی جمع بابت سال گذشتہ فصل کے معاف فرمائی جاوے اور علاوہ اس کے ایک دو گاؤں پرگنہ شاہی کے من جملہ دیہات مضبطہ سرکار کہ جن کی جمع ہزار روپیہ سالانہ ہو ان تینوں بیٹوں کو یہ حصہ مساوی عنایت فرمائی جاویں اور ان کے ایک بیٹے کا نام یحییٰ خاں اور دوسرے کا نذیر احمد خاں اور تیسرے کا حیدر خاں ہے۔

دستخط کارمیکل صاحب مجسٹریٹ

عبداللہ خاں

یہ صاحب پٹھان اور رام پور کے رہنے والے ہیں۔ جب غدر ہوا تو پیلی بھیت میں کوتوال تھے۔ ابتدائے غدر سے انہوں نے بقاء انتظام اور خیر خواہی سرکار پر چست کمر باندھی۔ چند آدمی معتمد اپنے وطن کے بلائے اور کارمیکل صاحب مجسٹریٹ بہادر کی خاص حفاظت کا بندوبست کیا اور باوجودیکہ بریلی ۳۱ مئی کو بگڑ چکی تھی۔ مگر انہوں نے اپنی پولیس کا انتظام ہاتھ سے نہیں دیا۔ آخر جب ضلع چھوڑنا صاحب مجسٹریٹ بہادر کو مناسب معلوم ہوا تو اس افسر نے مع چودہ آدمی مسلمان اپنے رفیقوں کے صاحب مجسٹریٹ بہادر کی رفاقت کی اور باوجود اس عظیم بلوہ اور ہر جگہ پر باغیوں اور مفسدوں کے مجمع کے صاحب مجسٹریٹ بہادر کے نینی تال لے چل۔ تمام کنبہ انکا اور بال بچہ سب پیلی بھیت میں تھے۔ سب کو خدا پر چھوڑا اور کسی کی پرواہ نہیں کی اور صاحب مجسٹریٹ بہادر کے ساتھ ہوئے اور ہزاروں طرح اندیشے اور مشکلیں اٹھا کر ۳ جون ۱۸۵۷ کو مع الخیر نینی تال پہنچے اور صاحب مجسٹریٹ بہادر کو مع میم صاحبہ اور بچوں کے نینی تال پہنچایا اور تا مراجعت فوج نینی تال میں حکام کی رفاقت میں رہے اور ہلدوانی کے انتظام پر متعین ہوئے اور بارہویں جولائی ۱۸۵۷ء تک وہاں کا انتظام کیا۔

جب باغیوں نے ستار گنج پر فوج ڈالی اور فروری ۱۸۵۸ء میں ان پر چھاپہ مارنے کی تجویز ہوئی۔ تو یہ صاحب بہت دلاوری سے اس لڑائی میں شریک تھے۔ غرض کہ ان کی ہر ایک عمدہ کارگذاریوں سے حکام کو یقین کامل اس بات کا ہے کہ یہ صاحب دل و جان سے سرکار کے خیر خواہ رہے اور ہر ایک موقعہ میں سرکار پر اپنی جان نثار کرنے کو موجود تیار تھے۔

بعوض اس خیر خواہی کے سرکار دولت مدار نے ان کی بہت قدر کی اولاً عہدہ کوتوالی سے

عہدہ تحصیلداری پر ترقی کی اور ساڑھے چار موضع زمینداری کے جن کی جمع بارہ سو روپیہ سے زیادہ ہے انعام میں عطا فرمائے اور پانچ سو روپیہ کے خلعت کی منظوری آ گئی، چنانچہ خلعت جس میں بہت عمدہ ہتھیار بھی ہیں تیار ہو رہا ہے اور علاوہ اس کے ایک بہت عمدہ پختہ حویلی سہسوال میں ملنے کی رپورٹ ہوئی ہے اور دفتر گورنمنٹ سے سند بھی۔ جس کا ذکر رپورٹ میں مندرج ہے عنقریب آنے والی ہے۔

ترجمہ چھٹیات وغیرہ نسبت عبداللہ خاں

چٹھی نج عطیہ مسٹر الیگزینڈر صاحب بہادر کمشنر روہیل کھنڈ بنا ولیم صاحب بہادر کمشنر میرٹھ، مرقومہ ۲۵ ستمبر ۱۸۵۷ء مقام نینی تال۔

اگرچہ احتیاج نہیں ہے کہ ہم آپ کو نسبت عبداللہ خاں کے کچھ سفارش لکھیں، مگر یہ چند کلمہ اطلاعاً لکھتے ہیں کہ انہوں نے جیسے حال مارے جانے اپنے قبلہ گاہ اور چچا اور دیگر اقرباء اپنے کا بمقام شاملی سنا ہے تب سے بہت آزردہ ہوئے ہیں اور اب اپنی مستورات اور عیال اطفال لانے کے لیے جاتے ہیں، ہم اس شخص کے واسطے بہت افسوس کرتے ہیں اور یقین ہے کہ آپ بھی افسوس کریں گے اور ہم نے واسطے حفاظت ان کے راہبر بھی ساتھ کر دیے ہیں اور کہہ دیا ہے کہ ان لوگوں کو گھاٹ پر ٹھیرانا اور بعد استمزاج آپ کے دریا پار لیے جانا۔ یقین ہے کہ آپ جو مناسب جانیں گے اچھی ہی صلاح تجویز کریں گے۔

دستخط۔ رابرٹ الیگزینڈر صاحب

یہ اصل چٹھی بطور سٹیفکیٹ کے عبداللہ خاں کو دی گئی تھی۔ ترجمہ سٹیفکیٹ عطائے کرنیل کارمیل صاحب پلٹن شاہی نمبر ۲۳۔ مورخہ ۳ مارچ ۱۸۵۸ء۔ مقام نینی تال۔

حسب خواہش عبداللہ خاں کے ہم کو کمال خوشی ہے در باب لکھنے ان چند کلموں کے کہ ہماری ملاقات ان سے کئی مہینے سے مقام نینی تال میں ہوئی اور ہم ان کو بہت بڑا ذی عزت اور اہل ادب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ یہ اور اور کئی آدمی ہمارے بھائی اور ان کے عیال اطفال کے ساتھ عین غدر میں پیلی بھیت سے پہاڑ کو آئے تھے۔

دستخط۔ کرنیل کارمیکل صاحب بہادر

ترجمہ سٹیفکیٹ عطائے میجر رامزی صاحب کمانیر کمایوں

مورخہ ۲۳ اپریل ۱۸۵۸ء مقام ہلدوانی۔

عبداللہ خاں ساکن رام پور پر وقت شروع غدر روہیل کھنڈ کے پیلی بھیت میں کوتوال تھے۔ اور ہمراہ کارمیکل صاحب کے نینی تال کو آئے۔ ہم آٹھ برس سے ان کو جانتے ہیں اور زبانی مسٹر ڈرامن کے ان کی تعریف بھی ہم نے سنی ہے۔ جب تک کمایوں میں رہے تب تک ہماری مدد ہر طرح سے کرتے رہے غرض بروقت انتظام روہیل کھنڈ عوض خیر خواہی کے اگر سرکار سے ان کو انعام عطا ہو تو ہم کو کمال خوشی ہوئی اور ان کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ جو سٹیفکیٹ ان کے پاس تھے سب جاتے رہے۔

دستخط۔ رامزی صاحب بہادر

ترجمہ سٹیفکیٹ مسٹر گریوز صاحب، لفٹنٹ پلٹن ۲۶ گورکھ

مورخہ ۲۳ اپریل ۱۸۵۸ء۔ مقام ہلدوانی۔

عبداللہ خاں کوتوال پیلی بھیت کو ہم ایک عرصے سے پہنچانتے ہیں کہ یہ شخص اہل کار بہت ہوشیار اور خیر خواہ سرکار ہیں۔ چیر پورہ اور ستار گنج میں جو باغیوں سے مقابلہ ہوا تو اس وقت بھی موجود تھے اور کارنمایاں کیا تھا۔ اب صاحب کمشنر روہیل کھنڈ کے ساتھ مراد آباد کو جاتے ہیں۔ ہم سے سٹرفکیٹ طلب کیا تھا۔ اس واسطے ہم نے لکھ دیا۔

دستخط گریوز صاحب لفٹنٹ

ترجمہ رپورٹ مسٹر کارمیکل صاحب مجسٹریٹ ضلع بدایوں

مورخہ ۲۸ اگست ۱۸۵۸ء۔

جب روہیل کھنڈ میں غدر شروع ہوا تو عبداللہ خاں اس وقت پیلی بھیت میں کوتوال تھے اور جب سے احتمال اس غدر کا ہوا تھا تب سے کمال مشقت اور جانفشانی سے بندوبست اس ضلع کا کیا تھا اور ہمارا دیکھا ہوا ہے کہ پندرہ روز قبل غدر کے عبداللہ خاں دن اور رات گھوڑے پر سوار رہے اور راؤنڈ گشت شہر اور چوکیات کا کرتے رہے۔ انہی کی دلیری دیکھ کر ہر ایک کو اطمینان ہو گیا تھا اور بریلی میں جب غدر ہوا تھا تب بھی اپنے علاقہ کے انجام کا رمیں بخوبی مصروف رہے اور بروقت بگڑنے پولیس پیلی بھیت کے بھی ان کی نیک نیتی اور جواں مردی میں کچھ شک نہیں تھا۔ کیا معنی کہ انہوں نے بہت ہی چاہا۔ کہ اس فساد کے بانی مبانی کو گولی سے ماردیں۔ مگر تحصیلدار نے روک لیا اور کہا کہ خون نہ کرو، ورنہ فساد زیادہ برپا ہو جاوے گا تب سے ہمارے پاس خیر خواہی سے موجود رہے اور پہاڑ کو ہمارے ساتھ

چلے اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے ساتھ محافظت کے واسطے چلے تھے۔ وہ سب انہی کے ذریعے سے چلے تھے اور جس وقت ہم کو پہاڑ کے نیچے پہنچا دیا۔ تب ان میں سے صرف چوتھائی آدمی رہ گئے تھے۔ اگر چہ عبداللہ خاں نے فہمائش کرنے میں کچھ کسر نہیں کی۔ مگر وہ کس کی سنتے تھے آخر کو نہ مانا، اور جب تک ہم پیلی بھیت میں رہے اس وقت تک بھی ان کی جانت سے کوئی خطا نہیں ہوئی اور ہم جانتے ہیں کہ یہ اہل کار بہت نیک اور جاں فشاں خیر خواہ سرکار کے ہیں، چنانچہ ان کے خاندان کے لوگ بھی سرکار کے ساتھ بہت خیر خواہی سے پیش آئے۔ حتیٰ کہ سرکار کے کام میں جان سے بھی دریغ نہ کیا، چنانچہ ذکریا خاں مذکور ان کے چچا تھے۔ اور دوسرے چچا ان کے محمد ابراہیم خاں تحصیلدار تھے کہ تحصل شاملی ضلع مظفر نگر میں مارے گئے۔ انہوں نے ابتداء سے باغیوں کو اپنی تحصیل میں دخل نہیں دیا تھا اور کرنال کے حاکم کو اور نیز کپتان ہاڈسن صاحب کو جو دلی کی فوج میں مہتمم خبر رسانی کے محکمہ کے تھے۔ بہت مدد دی تھی اور حکام ان کی کارگذاری سے بہت خوشنود ہوئے تھے۔ چنانچہ صاحب مجسٹریٹ ضلع مظفر نگر نے بھی ہم کو لکھا تھا کہ جیسا کام محمد ابراہیم خاں نے کیا ہے، اس سے عمدہ کوئی نہیں کر سکتا آخر کوئی باغی بکثرت تمام ان کی تحصیل پر چڑھ آئی اور اس تحصیلدار نے سرخروئی جان نثاری حاصل کی اور ان کے اقرباء جو رام پور سے ان کی مدد کو گئے۔ وہ بھی بہشت نصیب ہوئے۔ چنانچہ ان میں عبداللہ خاں کا باپ اور اقرباء بھی تھے۔ اب اس خاندان میں صرف دو مرد ایک عبداللہ خاں اور دوسرے ان کا چھوٹا بھائی باقی رہتے ہیں۔ لہذا ہم ان کی سفارش دلی ضرورتا کرتے ہیں۔ کس واسطے کہ انہوں نے خیر خواہی اپنی سرکار کی اچھی طرح کی اور وقت ایسی مصیبت کے ہمارے پاس موجود رہ کر مددگار رہے۔ بلکہ انکے خاندان کے لوگ بھی خیر خواہ سرکار رہے اور اس خاندان کا سرپرست سوا عبداللہ خاں کے کوئی نہیں رہا۔ یعنی صرف یہی شخص جوان ہے۔ باقی سب مستورات اور لڑکے ہیں،

لہذا ہم یہ رپورٹ کرتے ہیں کہ سرکار تجویز مناسب درباب پرورش ان کی فرمائے۔ یعنی عبداللہ خاں کو کہ باعث پرورش اس خاندان کا ہے، اس قدر زمینداری مرحمت فرمائے کہ بدستور سابق دولت مندی سے گزران کریں، تاکہ ان کو اور اور لوگوں کو سرکار کی وفاداری پر یقین کلی ہو جاوے، جو کہ پرگنہ سیسوان ضلع بدایوں میں چند دیہات باغیوں کے سرکار میں ضبط ہوئے ہیں، اگر ان میں سے پانچ گاؤں، کہ جن کی کل جمع بارہ سو روپیہ سالانہ ہو، عبد اللہ خاں کو مرحمت ہو کر اس میں اپنے خاندان کے لوگوں کی اوقات بسری بخوبی کرادے اور صلہ اپنی خیر خواہی کا تصور کرے، تو بہت بہتر ہے، اور جو کہ ولیم صاحب کمشنر بہادر میرٹھ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہم اپنی معرفت پرورش خاندان محمد ابراہیم تحصیلدار شاملی کی کرادیں گے اس واسطے ہم اپنی تجویز اسی قدر کرتے ہیں، کہ واسطے پرورش خاندان ان کے باپ کے بھی کافی ہو۔ کس واسطے کہ بجز اس شخص کے اب کوئی ان کا سرپرست نہیں رہا اور جو کہ محمد ابراہیم خاں کو ایک جوڑی طمنچہ کا وعدہ کیا تھا لہذا ہم چاہتے ہیں کہ وہی جوڑہ طمنچہ عبداللہ خاں کو عنایت ہو اور علاوہ اس کے ایک تلوار بھی، کل قیمتی پانچ سو روپیہ مرحمت ہو۔ اور ایک پروانہ خوشنودی مزاج کا درباب اس خیر خواہی کے سرکار سے عطا ہو۔ اور بروقت موقع کے عہدہ تحصیلداری پر پرورش ان کی فرمائی جاوے۔

دستخط کارمیکل صاحب مجسٹریٹ

جب کہ میں نے ذکریا خاں اور عبداللہ خاں کا ذکر کیا تو بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اسی مقام پر ان مسلمان خیر خواہوں کا بھی ذکر لکھ دوں، جنہوں نے ان دونوں پٹھانوں کے ساتھ خیر خواہی سرکار میں اپنی جان کھوئی، یا بہت سخت مصیبت اٹھائی،

علی محمد خاں

یہ شخص بھی رام پور کا پٹھان ہے۔ جب غدر شروع ہوا تو ۲۱ مئی ۱۸۵۷ء کو عبداللہ خاں نے ان کو بلا کر سواروں میں نوکر رکھا۔ جو مسلمان ذکریا خان کے ساتھ مسٹر کارمیکل صاحب کی میم صحبہ کے ساتھ گئے تھے۔ ان میں یہ شخص بھی تھا۔ نینی تال پہنچنے کے بعد ہلدانی کے بکٹ پر تعینات ہوئے دو دفعہ ڈاکوؤں کی لڑائی میں شریک رہے اور ستمبر ۱۸۵۷ء میں جب باغیان بریلی کی فوج وہاں آئی تو ان سے بھی خوب لڑے اور پھر چیر پورہ کی لڑائی میں بہت بہادری سے دسویں فروری ۱۸۵۸ء کو مارے گئے، سرکار نے اس کے عوض میں آٹھ روپیہ پنشن ان کے وارثوں کو اور تین سو چھتیس روپیہ نقد انعام مرحمت فرمایا۔

محبّ اللہ خاں

یہ بھی رام پور کے پٹھان ہیں غدر میں نئے نوکر ہوئے تھے یہ بھی انہی مسلمانوں میں سے ہیں ج جو میم صاحبہ کارمیکل صاحب کی رفاقت میں تھے۔ ہلدانی اور جیر پورہ اور ستار گنج، رمپورہ کی لڑائیوں میں زخمی بھی ہوئے۔ اب دفعہ دار سواران پولیس ہیں، دوسو روپیہ کی زمینداری انعام میں ملی تھی۔

سیف اللہ خاں

یہ بھی نئے نوکر اور رام پور کے رہنے والے اور انہی مسلمانوں میں سے ہیں جو میم صاحبہ میکل صاحب کی رفاقت میں تھے اور چیر پورہ کی لڑائی میں بھی شریک تھے۔ ان کو دوسو پانچ روپیہ جمع کی زمینداری انعام میں ملی ہے اور اب جمعدار سواران فوجداری ہیں۔

علاوہ ان کے وہ مسلمان جن کے نام ذیل میں مندرج ہیں میم صاحبہ کی رفاقت میں بھی اور اور لڑائیوں میں شریک رہے اور ان کو مفصلہ ذیل انعام ملے۔

اللہ یار خاں پٹھان رام پوری جو پورہ میں زخمی ہوئے انعام دفعدار سواران زمینداری بشرکت محبّ اللہ خاں قوم پٹھان ساکن رام پور۔

محمد خاں پٹھان رام پوری، جمعدار سواران پولیس ہیں عبد الکریم خاں پٹھان رام پوری، جمعدار سواران پولیس ہیں سید نور خان پٹھان ساکن امریا۔ ضلع پیلی بھیت، جمعدار سواران پولیس ہیں۔

غلام صامن پٹھان، انعام دوسو روپیہ۔

ان شخصوں کے واسطے جو رپورٹیں ہوئیں وہ ذیل میں مندرج ہیں۔

ترجمہ انتخاب فہرست خیر خواہان سرکار بابت ایام غدر

واقع اضلاع پیلی بھیت و بریلی۔

محبّ اللہ خاں قوم پٹھان ساکن رام پور

یہ شخص پولیس میں بمشاہرہ دس روپیہ، جمعدار ضلع پیلی بھیت میں تھے۔ ان کی نسبت ہم کو بخوبی اعتبار رہا اور کسی طرح کا شک نہیں ہوا۔ ہمارے پاس برابر موجود رہے۔ گو کہ پیادہ تھے اور کچھ کام سواری وغیرہ کا ان سے متعلق نہ تھا۔ مگر پھر بھی عاریتاً گھوڑا لے کر اور سواروں کے ہمراہ جاتے تھے۔ چنانچہ چیر پورہ اور ستار گنج کی لڑائی میں بھی موجود تھے۔ اگرچہ ہم نے ضلع کے سواروں میں باضابطہ تنخواہ بھرتی کر دیا ہے، مگر ہم جانتے ہیں کہ حسب تجویز ہماری جیسے اور سواروں کو انعام تجویز ہوا ہے ان کو بھی دیا جاوے۔ کس واسطے کہ ان کی کارگذاری ان کی کارگذاری سے کم نہ تھی۔

سیف اللہ خان قوم پٹھان ساکن پیلی بھیت

یہ شخص اہالیان پولیس میں دس روپیہ کے جمعدار تھے ان کی وفاداری اور خیر خواہی ایک عجیب ماجرا ہے۔ کیونکہ ان کے خاندان کے لوگ بالکل باغی ہو گئے اور خان بہادر خان کے پاس نوکری کر کے پیلی بھیت میں سردار باغیوں کے بنے۔ باوجود اس کے اس شخص نے کچھ نمک حرامی سرکار کی نہیں کی، بلکہ اطاعت اور نمک حلالی سے موجود رہا۔

بالفعل مقام بریلی میں بہ زمرہ سواران بھرتی ہے۔ چونکہ اس کے اقرباء کی جائداد ضبط ہو گئی لہذا ہم چاہتے ہیں کہ نصف یا ایک ثلث اس کا خیر خواہی کے صلہ میں اس شخص کو عطا کیا جاوے اور نام ان لوگوں کا حسب تفصیل ذیل ہے۔

عنایت اللہ۔ چنا خاں۔ منا خاں۔ عبدالرشید خاں

اللہ یار خاں قوم پٹھان

ساکن رام پور دفعدار سواران

اس شخص کو بھی ہم نے بمقام پیلی بھیت رسالہ میں بھرتی کیا تھا۔ بمقد ور اپنے بہت خیر خواہی کی۔ ہلدوانی کی پہلی لڑائی میں بہت ہی دلیری کی تھی، چنانچہ افسر کمان رسالہ نے بھی اپنی رپورٹ میں اس کا ذکر لکھا تھا۔ چیر پورہ کی لڑائی میں خود مجروح ہوئے اور گھورا بہ صدمہ گولی جان سے مارا گیا اور اور سواروں کی مانند اچھا کام کیا۔ ہلدوانی میں بھی موجود رہے اور راونڈ گشت بخوبی کرتے رہے اور ہم نے چٹھی مورخہ ۹ مارچ کی دفعہ ششم موسومہ صاحب کمشنر بہادر میں پہلی ستمبر ۱۸۵۷ء سے بعہدہ دفعداری ترقی ان کی تجویز کی تھی، چنانچہ صاحب ممدوح نے چٹھی نمبر ۰۷ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۸۵۸ء کی دفعہ سوم میں وہ تجویز ہماری منظور فرمائی،۔ بالفعل اللہ یار خاں کو بہ بسبب جواں مردی اس لڑائی ترقی عہدہ دفعداری پر ہوئی اور جو کچھ بعوض خیر خواہی اور وفاداری ان کی اور محمد خاں کے تجویز کیا گیا ہے محمد خاں کے نام کے نیچے لکھا ہے۔ ملاحظہ کر لینا چاہے۔

محمد خاں قوم پٹھان

ساکن رام پور دفعدار سواران

یہ شخص بہت جواں مرد اور اشراف آدمی ہے۔ ہم نے پہلی بھیت میں بہ زمرہ سواران بھرتی کیا تھا۔ یہ شخص بہت جواں مردی سے لڑائی کے سامنے موجود رہتا تھا۔ چنانچہ ان کی جواں مردی اور ہمت کا ذکر دو مرتبہ ہوا۔ ایک دفعہ کپتان بیچر صاحب کمانیر ڈی ٹیچ منٹ ہشتم رسالہ نے لکھا کہ نقل اس چٹھی کی ہمراہ اپنی چٹھی مورخہ ۹ مارچ بخدمت صاحب کمشنر بہادر کے روانہ کی ہے اور دوسری مرتبہ کپتان کراس مین صاحب کمانیر رسالہ روہیل کھنڈ نے بھی لکھا ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر دفعہ پنجم چٹھی مذکورہ میں لکھا گیا ہے اور اس رپورٹ میں ہم نے واسطے ترقی محمد خاں کی اوپر عہدہ دفعداری کے تجویز تھی۔ کہ صاحب کمشنر نے بھی یہ تجویز ۱۰ مارچ کو منظور فرمائی اور جس وقت مراد آباد سے بریلی کو فوج چلی تو جرنیل صاحب کو منظور ہوا۔ کہ کچھ فوج میجر کارڈن صاحب کی جو جدا ہوگئی تھی ۔ معلوم فرماویں۔ لہذا محمد خاں کو بسبب واقفیت راہ کے ایک چٹھی کا جواب ایسی جلد لائے کہ عقل حیران ہوگئی اور جس وقت لشکر میں آئے تو گھوڑا ان کا ایسا ہارا ہوا تھا کہ اسی وقت گر کر مر گیا۔ پس سوائے اس ترقی دفعداری کے کہ صرف بہ بسبب دلیری ان کے ہوئی ہے۔ اب تک کچھ انعام ان کو اور نہ اور سواروں مفصلہ ذیل کو مرحمت ہوا۔ لہذا ہم تجویز کرتے ہےں کہ زمینداری گاؤں مٹسان بجمع دوسو چھتیس روپیہ واقع پرگنہ سہسوان ضلع بدایوں بہ حصہ مساوی محمد خاں اور اللہ یار خاں اور سید نور خاں وعبدالکریم خاں اور محبّ اللہ خاں کو عطا ہو اور ان لوگوں نے درخواست بھی کی ہے۔ کہ ہم کو نقد انعام لینا منظور نہیں ہے اگر کچھ جائداد مرحمت ہو تو بہتر ہے۔ اسی واسطے ہم نے یہ تجویز کی ہے اور واضح رہے کہ بمقابلہ ان کی کارگذاری کے انعام کچھ زیادہ

نہیں ہے۔

عبدالکریم خاں قوم پٹھان

ساکن شاہ جہاں پور وسید نور خاں قوم پٹھان ساکن امر سیہ ضلع پیلی بھیت

ان دونوں شخصوں کی کیفیت مطابق تینوں آدمی مذکور کے ہے۔ کیونکہ یہ ہوگ بھی پیلی بھیت میں بھرتی ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ ہلد دانی تک گئے تھے اور اچھا کام کیا تھا۔ ان دونوں میں سید نور خاں بڑی ہمت کا آدمی تھا۔ اس کو خواہش دفعداری کے ہے لہذا ہم چاہتے ہیں کہ سوائے انعام مذکورہ بالا کے دفعداری بھی اس کو دی جاوے اور عبدالکریم خاں کے واسطے صرف انعام مذکورہ کافی ہے۔

جن لوگوں نے اس خت وقت میں مسٹر کارمیکل صاحب بہادر اور ان کی میم صاحبہ کی رفاقت کی۔ وہ لوگ سب مسلمان تھے۔ پھر کیا یہ بات خیال میں آ سکتی ہے کہ صاحب ممدوح چند بدمعاشوں کے سبب تمام مسلمانوں کی قوم کو برا جانتے ہوں گے اور ان کی رفاقت اور خیر خواہی اور جاں نثاری کی قدر ان کے دل میں کچھ نہ ہوگی۔

منشی محمد حسین

۔سر شتہ دار دیوانی۔ مراد آباد

اگر یہ صاحب پرانے نوکر اور قدیم سے نیک کام اور کارگذار اہل کار گورنمنٹ کے ہیں۔ مگر غدر میں جو خاص خدمت ان سے بن آئی۔ وہ یہ ہے کہ جب مراد آباد کا جیل خانہ ٹوٹا تو انہوں نے کمال خیر خواہی اور جان نثاری سے میم صاحبہ مسٹر جان کیری کرافٹ ولسن صاحب بہادر جج مراد آباد کی خاص حفاظت کی اور پھر میرٹھ میں بحضور حکام حاضر ہوئے۔ اب بدستور اپنے عہدہ پر مامور ہیں۔ ان کی خوبی اور دلی خیر خواہی ان کے سرٹیفکیٹوں سے جو ذیل میں مندرج ہیں ظاہر ہوتی ہے۔

نسبت محمد حسین خاں، ترجمہ سرتیفکیٹ ولسن صاحب

اسپیشل کمشنر مورخہ ۱۲۵ کتوبر ۱۸۵۸ء مقام مراد آباد

ہم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ محمد حسین سر شتہ دار عدالت دیوانی ۱۹ مئی ۱۸۵۷ ء کو وقت صبح کے حسب دستور واسطے رپورٹ خوانی کے آئے تھے۔ اسی روز باغیان انتیس پلٹن نے جیل خانہ کھول کے قیدیوں کو نکال دیا۔ ایک بجے قیدیوں کی گرفتاری میں ہم

مصروف رہے اس عرصہ تک محمد حسین ہماری میم کی حفاظت میں موجود رہے۔ یہ شخص بہت کارگذار اور لئیق آدمی ہے۔

ولسن صاحب

ترجمہ سٹیفکیٹ میم صاحبہ

مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۸۵۸ء

مقام مراد آباد محمد حسین سرشتہ دار ہماری نج پر کار سرکام انجام دے رہے تھے کہ اسی دن صبح کو باغیوں کی پلٹن انتیس نے جیل خانہ توڑ کر قیدیوں کو چھوڑ دیا، چنانچہ ولسن صاحب نج سے واسطے انتظام اور حفاظت کے وہاں تشریف لے گئے اور میں اکیلی رہ گئی۔ اس وقت محمد حسین ہمارے ساتھ رہے اور حتی المقدور ہماری حفاظت کی۔ ولسن صاحب نے بھی ایک سٹیفکیٹ دیا ہے یقین ہے کہ ان کے کارآمد ہو، مگر جو کہ انکو ہماری نشانی رکھنے کی بھی خواہش تھی۔ اس واسطے یہ چند کلمے ہم نے لکھ دیے کہ ان کی خیر خواہی جو ہماری مصیبت کے دن تھے، اس کے ذریعہ سے واضح ہو جاوے۔

دستخط جین کرای کرافٹ ولسن صاحب

شیخ شرف الدین رئیس شیخوپورہ

ضلع بدایوں

ان صاحب نے جو کچھ خیر خواہی و جان نثاری ایام غدر میں کی، اس کا لکھنا بہت مشکل ہے اگرچہ واقعہ لکھا جانا ممکن ہے، مگر جو کیفیت اور جو مشکلات پیش آئی ہیں وہ کسی طرح بیان نہیں ہوسکتیں۔ جب کہ فوج باغی ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کو بریلی میں بگڑ گئی اور جیل خانہ توڑ دیا اور تمام فساد برپا کیا۔ تو ضلع بدایوں کا بھی انتظام ہاتھ سے جاتا رہا۔ یکم جون ۱۸۵۷ء روز دوشنبہ کو فوج موجود بدایوں نے شورش کی اور بریلی کی فوج بدایوں میں آنے کی خبر ہر دم گرم ہوئی مسٹر ایڈورڈ صاحب بہادر کلکٹر مجسٹریٹ بدایوں نے ایک سوار مسلمان شیخ شرف الدین کے پاس بھیجا اور ان کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ اسی وقت شیخ الدین دو سو آدمی مسلمان مع تمام اپنے عزیز و اقرباء کو مسلح ہتیار بند لے کر روانہ بدایوں ہوئے۔ جس وقت وہ بدایوں میں پہنچے تلنگوں نے جیل خانہ توڑ دیا تھا۔ اور خزانہ اور کوٹھیوں کی لوٹ شروع تھی۔ شیخ شرف الدین مع تمام گروہ مسلمانوں کے اسی ہنگامہ میں صاحب کے پاس پہنچے اور مسٹر ایڈورڈ صاحب اور مسٹر ڈانیل صاحب مالک کوٹھی نیل اور ان کے ایک لڑکے کو اور ایک صاحب پٹرول کو جملہ چار صاحبوں کو اپنے ساتھ بحفاظت تمام شیخو پور لائے اور اپنے مکان میں رکھا۔ اس عرصہ میں فوج باغی بریلی بدایوں کے قریب آ پہنچے۔ شیخو پور بدایوں سے ایک میل کے فاصلے پر ہے اور سب لوگوں کو حال تشریف لے جانے صاحب لوگوں کا شیخو پور میں معلوم تھا اور بریلی کی فوج جس کے ساتھ توپیں اور پانچ سو سوار اور ایک پلٹن تلنگہ کی تھی۔ بدایوں کے باغات میں آ گئی۔ اس وقت یہ مصلحت ہوئی کہ ایسے قریب مقام میں ان صاحب لوگوں کا رکھنا مناسب نہیں اس واسطے ان صاحب لوگوں سے عرض کیا گیا کہ یہاں

ٹھہرنا مناسب نہیں اس واسطے ان صاحب لوگوں سے عرض کیا گیا کہ یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں اور جگہ چل کر پناہ لیجیے۔ اس لیے شیخ شرف الدین ان صاحبوں کو مع جماعت مسلمانان شیخوپور سے نکالا اور موضع ککورہ میں جو انہی کی زمینداری کا گاؤں ہے اور متصل جنگل کے ساتھ آٹھ کوس کے فاصلہ پر ہے لے گئے یہ مصلحت بہت ہی مناسب ہوئی کیوں کہ سب صاحب لوگ شیخوپور سے دو سو قدم بھی باہر نہیں نکلے تھے کہ فوج باغی بدایوں میں داخل ہوئی اور توپ بغاوت کی اس نے سر کی۔ فوج تمام رات جملہ مسلمان کمر بند مستعد بہ لڑائی رہے اور ان صاحبوں کی چوکی و بہرہ کی حفاظت کی۔ صبح کو مسٹر ایڈورڈ صاحب نے فرمایا کہ ہم کو پٹیالی پہنچا دو۔ وہاں مسٹر فلپس صاحب و مسٹر برالی صاحب مع سواران کے موجود تھے۔ شیخ شرف الدین نے اسکو قبول کیا اور مع اپنے تمام گروہ مسلمانوں کے سب صاحب لوگوں کو بعد عبور گنگ بحفاظت تمام بمقام پٹیالی پہنچا دیا۔ اس کے بعد مسٹر اسٹوراٹ صاحب معہ عیال و اطفال نہایت سراسیمہ شیخوپور میں پہنچے اور شیخ شرف الدین نے ان کو بھی ککورہ میں چھپایا اور تین مہینہ تک ان کی ہر طرح سے حفاظت کی اور پھر ان کو بہ جماعت ایک گروہ مسلمان بندوقچیوں کے سو بروں تک پہنچا دیا۔

بعوض اس خیر خواہی کے شیخ شرف الدین کو تین ہزار روپیہ کا خلعت گورنمنٹ سے مرحمت ہوا۔ اور دو ہزار پانچ سو روپیہ کی جمع کا گاؤں چہارم جمع پر نسلاً بعد نسلاً ملا اور جو رپورٹیں ان کے واسطے کے ہوئیں اور جو چٹھیات نیک نامی ان کو ملیں وہ ذیل میں مندرج ہیں۔

ترجمہ سٹرٹیفکیٹ و رپورٹ وغیرہ نسبت شیخ شرف الدین

رئیس شیخو پور

ضلع بدایوں۔ سٹرٹیفکیٹ عطائے مسٹر اسٹوارڈ صاحب، مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۸۵۷ مقام فتح پور۔

واضح رہے کہ شیخ شرف الدین نے ہماری اور ہمارے گھر کے پانچ آدمیوں کی جان بچائی اور ایک گاؤں میں جو متصل شیخو پور کے ہے ۳ جون سے لغایت ۱۰ اگست ہم کو پناہ دی۔ اور ۱۲ اگست ۱۸۵۷ء کو بحفاظت تمام فتح پور متصل سروں کے ہم کو پہنچا دیا۔

دستخط مسٹر جیمس اسٹوارڈ صاحب

ترجمہ سٹرٹیفکیٹ فلپس صاحب جائنٹ مجسٹریٹ سابق ضلع ایٹہ

مورخہ ۱۲ فروری ۱۸۵۹ء مقام: آگرہ۔

ہماری ملاقات شرف الدین زمیندار شیخو پور ضلع بدایوں سے عرصے سے ہے۔ بہت ذی عزت اور لئیق اور صاحب علم ہیں انہوں نے مسٹر اسٹوارڈ صاحب، سر دفتر کچہری کلکٹری ضلع بدایوں کو بھی پناہ دی تھی۔ جب ہم لوگ اس نواح میں تھے اور ہم ان کو ان چند مسلمان زمینداروں میں سمجھتے ہیں کہ جنہوں نے سرکار کی خیر خواہی کی ہے اور بخوبی اعانت کی ہے

دستخط مسٹر فلپس صاحب

ترجمہ چٹھی ایڈورڈ صاحب جج ضلع بنارس

مورخہ ۳ مارچ ۱۸۵۸ء مقام بنارس بنام مسٹر راس صاحب،۔

میں آپ کی خدمت میں چند قطعے خطوط مرسلہ روساء بدایوں روانہ کرتا ہوں۔ شاید انکے ملاحظہ سے کچھ ایسا ضروری حال معلوم ہو کہ اس عرصے میں آپ کے کار آمد ہو شیخ شرف الدین نامی اور خاندانی آدمی ہے اس ضلع میں اس کا وسیلہ اور قدر بڑی ہے۔ یقین ہے کہ ایسے وقت میں اس کی ذات سے اچھا کام انجام ہوا اور جس رات ہم نے بدایوں چھوڑا تھا۔ انہوں نے بھی ہم کو پناہ دی تھی اور یقین کلی ہے کہ اگر یہ شخص درمیان میں نہ ہوتے تو ہم اپنی جان بدایوں سے بچا کر نہ لا سکتے۔ اگر آپ ان سے خطوط نویسی کریں تو ہماری کمال خوشی ہے۔

دستخط ایڈورڈ صاحب جج

ترجمہ میمورنڈم ایڈورڈ صاحب ضلع بنارس

مورخہ ۳ مارچ ۱۸۵۸ء مقام بنارس۔

شیخ شرف الدین رئیس شیخو پور کے سرپرست ایک خاندان نامی اور ذی عزت ضلع بدایوں کے ہیں اور اپنی ذات سے بہت اشراف اور ذہین ہیں۔ قبل غدر کے اکثر ہماری ملاقات کو آئے تھے۔ اور بباعث انہی کی ملاقات کے پہلی جون کو جب آمد باغیان فوج بریلی کی خبر گرم ہوئی تھی۔ ہم نے تجویز کیا تھا کہ جب تک باغی نہ نکل جاویں گے۔ ہم ان

کے مکان میں پناہ لیں گے۔ اور بعد اس کے بدستور کام ضلعے کا انجام دیں گے۔ چنانچہ جب باغی کمپو میں آ گئے۔ اور جیل خانہ توڑ دیا ہم یکم جون کو رات کے وقت شیخو پور میں گئے۔ مگر ہمارے حق میں بہت اچھا ہوا۔ کہ ان کے اقرباء اور بیگانوں نے ہم کو اس مکان میں نہ رہنے دیا۔ شیخ مذکور ہم کو اپنے ساتھ ایک اور اپنے گاؤں میں جو گنگا کے کنارے بائیں ہاتھ ہے لے گئے۔ ہم رات پھر وہاں رہے۔

دفعہ دوم:۔ سب گاؤں والے اس وقت ایسے بگڑ رہے تھے۔ کہ اگر شیخ مذکور ہمارے ساتھ نہ ہوتے تو یقین کامل ہے کہ ہم صحیح سلامت دریا تک نہ پہنچ سکتے اور ہم نے سنا ہے کہ بعد اس کے شیخ جی نے اسٹوارڈ صاحب کرائی بدایوں کو بھی پناہ دی تھی۔ اور دو مرتبہ شیخ جی کے خط بھی ہمارے پاس آئے تھے۔ ان میں اپنا اور ضلعے کا حال لکھا تھا، چنانچہ ہم نے ان خطوں کو بذریعہ اپنے خط کے بخدمت راس صاحب بمقام فتح گڑھ بھیج دے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ شخص بہت لئیق اور خیر خواہ اور مستحق عنایت کا ہے۔

دستخط ایڈورڈ صاحب

ترجمہ سٹرٹفکیٹ عطائے مسٹر براملی صاحب بہادر مجسٹریٹ کلکٹر ضلع علی گڑھ،

مورخہ ۲۹ اپریل ۱۸۵۸ مقام علی گڑھ۔

ہماری ملاقات کئی سال سے خاندان شیخ شرف الدین رئیس شیخو پور متصل بدایوں سے ہے اور ہم ان لوگوں کو بڑا اشراف جانتے ہیں خصوصا شیخ شرف الدین کو اور جو کچھ ہم کو

خبر پہنچی ہے اس سے ہم کو یقین ہے کہ ایام غدر میں باغبان مسلمان ساکن بدایوں نے ان کو بہ سبب نہ کرنے اطاعت کے بہت تنگ کیا تھا اور تین شخص ان کے قرابتی ہیں۔ ایک تحصیلدار خاص گنج، دوسرا تحصیلدار ضلع آگرہ اور تیسرے ہمارے پاس سر رشتہ دار فوجداری کے ہیں اور یہ تینوں اب تک اپنے اپنے کام پر بہت مستعد ہیں ہم شیخ شرف الدین کو بہت لئیق اس بدایوں کے ضلعے میں سمجھتے ہیں اور معتمد جانتے ہیں۔ لہذا جملہ حکام انگریز کی خدمت میں ہم ان کی سفارش کرتے ہیں اور یہ سٹیفکیٹ دیتے ہیں کس واسطے کہ ہم نے سنا ہے کہ جو کچھ اسناد خوشنودی مزاج حکام بدایوں کی ان کے پاس تھیں باغیوں نے لوٹ لیں اور جلادیں اور انھوں نے ۳۱ مئی یا یکم جون کو ایڈورڈ صاحب مجسٹریٹ کلکٹر بدایوں کی بھی حفاظت کی تھی۔ جس وقت بدایوں کی فوج بگڑ گئی تھی۔

دستخط برا ملی صاحب مجسٹریٹ کلکٹر

ترجمہ سٹیفکیٹ عطائے مسٹر کالون صاحب بہادر کلکٹر

۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء مقام: بدایوں۔

ایام غدر میں شیخ شرف الدین رئیس شیخو پور نے اخلاص سرکار انگریزی کا بخوبی ظاہر کیا اور کئی صاحبان انگریز کی جان بچائی۔ بروقت دوبارہ قبضہ ہوئے سرکار انگریزی کے اس ضلع پر حاضر ہو کر مشکل کے وقت میں کام آئے۔ تھوڑے عرصے تک تحصیلدار بھی رہے۔

بعد اسکے ساتھ وجہ معقول کے مستعفی ہوئے۔

ہم ان کے من جملہ ان لوگوں کے سمجھتے ہیں جو خیر خواہ سرکار رہے اور مستحق انعام کے ہیں۔یقین ہے کہ سرکار سے عطا بھی ہوگا۔

دستخط ایلٹ کالون صاحب

ترجمہ خط ایڈورڈ صاحب بہادر

مورخہ ۱۱۸ اکتوبر ۱۸۵۸ء

مقام: ولایت بنام شیخ شرف الدین۔

خط اس عزیز کا مورخہ ۵ اگست ۱۸۵۸ء کہ علی گڑھ سے بھیجا تھا،کل کے روز ہمارے پاس پہنچا۔اس کا جواب بلاتوقف بھیجتے ہیں۔ہم کو کمال خوشی ہوئی،جس وقت ہم کو معلوم ہوا کہ آپ کی خیر خواہی اور کارگذاری پیش گاہ مسٹر الیگزینڈر صاحب کمشنر بہادر کی ظاہر ہوئی۔ اور صاحب ممدوح نے قبل پہنچتے فوج سرکاری مقام بدایوں میں آپ کے واسطے تحصیل کرنے مال گذاری سرکاری کے تحصیلدار مقرر فرمایا۔ہم آپ کی اور آپ کے خاندان کی خیر وعافیت بدل وجان چاہتے ہیں،کس واسطے کہ یکم جون کی رات کو جس وقت باغیوں کے کمپو کو پھونک دیا۔اگر آپ ہم کو موضع ککورہ میں نہ پہنچاتے تو ہم کو جان بچانا دشوار تھا اور ہم سرکار گورنمنٹ کی خدمت میں اس آپ کے سلوک کی اطلاع کر چکے ہیں،یقین ہے کہ اس خیر خواہی اور کارگذاری کا ثمرہ سرکار گورنمنٹ کی خدمت میں اس آپ کے سلوک کی اطلاع کر چکے ہیں،یقین ہے کہ اس خیر خواہی اور کارگذاری کا ثمرہ سرکار سے آپ کو مرحمت ہوگا اب تک مفصل حال نسبت عذر داریوں کے ہم کو دریافت نہیں ہوا،لہذا ہم چاہتے ہیں کہ یہ حال

اچھی طرح معلوم ہو کہ کون کون باغی ہوئے اور کون کون خیر خواہ سرکار رہے اور کون لوگ باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور کس نے سرکار سے تدارک پایا اور کس کو انعام ملا، خصوصا دریافت احوال اشخاص مفصلہ ذیل اکابر ضرور ہے کہ کس طرح پیش آئے اور کیا حال رہا اور اب کہاں ہیں۔ ایک تحصیلدار بسولی کے سابق سرشتہ دار کلکٹری کے تھے اور کوتوال اور ان کا خاندان کہ جائداد ان کی بسولی میں تھی اور سررشتہ دار فوجداری اور ڈاکٹر ہندوستانی اور کل تھانے دار۔ اگر آپ ان لوگوں کا حال مفصل لکھیں تو ہماری کمال خوشی ہے۔ اور نیز ان زمینداروں کا بھی حال لکھیے جن سے ہماری ملاقات تھی اور یہ بھی کہ کس کس نے باغیوں کی نوکری کی تھی اور مسمیان حسینی اور مولا بخش چپراسیاں اردلی ہمارے کا کیا حال رہا۔ اب طبیعت ہماری ولایت آنے سے درست ہوگئی۔ ارادہ مصمم ہے کہ مہینے اپریل تک ضلع بنارس میں داخل ہوں گے اور آپ کی خیر خواہی کا حال حکام ہندوستان کو لکھیں گے اور یقین ہے کہ آپ کے خاندان کے لوگ بھی ایام غدر میں خیر خواہ سرکار رہے ہوں۔ ہمارا سلام سب سے کہہ دینا اور نیز جو شخص ہمارے پاس ناظر تھا اس کو بھی سلام کہہ دینا۔ ہم کو واسطے دریافت کرنے حال باشندگان بدایوں کے بڑا اشتیاق ہے۔ آ ان سے کہہ دیجئے کہ جس کی طبیعت چاہے عرضی یا خط لکھ بھیجے اور انگریزی میں لکھنا مشکل ہو تو اردو یا ہندی میں خوش خط لکھ بھیجے کہ ہم پڑھ لیں گے۔

دستخط ایڈورڈ صاحب

ترجمہ چٹھی مسز الیگزینڈر صاحب بہادر کمشنر روہیل کھنڈ

مورخہ ۱۵ جون ۱۸۵۸ء نمبری ۳۴۴

بنام کارمیکل صاحب۔ مجسٹریٹ کلکٹر ضلع: بدایوں۔

دفعہ اول: چند کاغذات مرسلہ مسٹر راس صاحب اسپیشل کمشنر بدایوں میں تھے۔ اس مراد سے آپ کے پاس بھیجے جاتے ہیں کہ آپ بلا توقف نسبت شیخ شرف الدین ساکن شیخو پور بابت ایام غدر کے تحریر فرمائے۔ جیسا از روئے تحقیقات کے دریافت ہوا۔

دفعہ دوم:۔ اور آپ کے نزدیک شخص مذکور مستحق جس قدر انعام پائے جاویں۔ اس سے بہ تصریح تمام مطلع کیجئے۔

دستخط الیگزینڈر صاحب کمشنر روہیل کھنڈ

ترجمہ رپورٹ کارمیکل صاحب بہادر مجسٹریٹ کلکٹر ضلع بدایوں

مورخہ ۱۲ اگست ۱۸۵۸ء نمبر ۱۱۶۔

مقام: بدایوں بنام صاحب کمشنر بہادر روہیل کھنڈ۔

بہ تعمیل حکم مورخہ ۱۵ جون ۱۸۵۸ء نمبری ۳۴۴۔ آپ کی خدمت میں گذارش کیجاتی ہے کہ ۲۱ ماہ گذشتہ کہ ہم ضلع سے کمپو میں واپس آئے تو ہم نے نسبت چلن و رویہ محمد شرف الدے نزمیندار شیخو پور کی بخوبی تحقیقات کی معلوم ہوا کہ ابتدائے سے انتہا تک ان کا چلن و رویہ ایسا رہا ہے جیسے اچھے خیر خواہاں سرکار کا ہونا چاہیے۔

دفعہ دوم۔ جس روز فوج یہاں کی بگڑی تھی۔ اس روز مسٹر ایڈورڈ صاحب مجسٹریٹ بدایوں کو احتمال ہوا تھا کہ کچھ آفت ضرور آنے والی ہے۔ چنانچہ انہوں نے شرف الدین کو

طلب کے اور جس وقت صاحب ممدوح کے بنگلے پر پہنچے، اسی وقت تلنگا متعینہ خزانہ جیل خانہ نے جیل خانہ توڑ کر قیدیوں کو چھوڑ دیا اور گولیاں چلنے لگیں۔ شہر کے بدمعاش انکے شامل ہوگئے ہر طرح کی بدعت ہونے لگی اور بنگلے صاحبان انگریز کے پھونک کر اسباب لوٹنے لگے۔ اس وقت اگر شرف الدین اور ان کے ہمراہی نہ پہنچتے اور ایڈورڈ صاحب وہیں رہتے تو اغلب تھ کہ باغیوں کے ہاتھ سے مارے جاتے اور جو نکل جاتے تو تنہا رہتے۔

دفعہ سوم:۔ چنانچہ اس وقت شیخ شرف الدین پہنچ گئے اور بحفاظت تمام چار صاحبان انگریز کو اپنے مکان میں موضع شیخو پور کو لے گئے اور تحقیقات سے دریافت ہوا کہ صاحبان ممدوح وہاں تھوڑے عرصے تک ٹھہرے تھے کہ اقربا اور یگانوں شرف الدین کو وہاں رہنا ان کا ناگوار ہوا۔ لہذا شیخ مذکور ان کو موضع ککورہ اپنے گاؤں میں کہ لب دریا واقع ہے اور وہاں سے صبح کے وقت دریا عبور کرا کے قادر گنج ضلع پٹیالی میں پہنچا دیا۔ وہاں پر مسٹر فلپس صاحب اور براملی صاحب معہ ایک گروہ سواروں کے ان صاحبوں کو مل گئے اور شرف الدین اپنے گھر واپس چلے آئے۔

دفعہ چہارم:۔ ایام غدر میں براملی صاحب اور فلپس صاحب کو جو آگرہ میں تھے۔ شیخ مذکور ضلعے کے حال سے خبر دیتے رہے اور ان صاحبان سے جواب بھی پاتے رہے۔ اگرچہ چار و ناچار اس وقت میں باغیوں کی کچھ اطاعت بھی کرنی پڑی، مگر ان سے بہت علیحدہ رہے اور ان کے صلاح کے ہرگز شریک نہ ہوئے۔

دفعہ پنجم:۔ بروقت آمد فوج انگریز بہادر مقام بریلی میں اگرچہ رحم علی اور اور باغی سر حد ضلع میں موجود تھے۔ مگر شرف الدین نے فوراً اپنی خیر خواہی ظاہر کی۔ اور باجازت صاحب کمشنر بہادر کام تحصیل بدایوں کا انجام دینے لگے اور مال گذاری سرکار تحصیل کرنا شروع کر دیا اور باشندگان شہر کو تسلی دی، گو کہ تحصیل کے کام سے بخوبی واقف نہ تھے۔ مگر کام

اچھی طرح انجام دیا، البتہ بباعث ہونے ریاست اس جگہ کے کام تحصیلداری کا اس وقت میں دشوار اوران کو ناپسند تھا۔ مگر باوجود اس کے کمال مستعدی اور دانائی سے کام کرتے رہے اور کسی طرح کی شکایت نسبت ان کے نہیں ہوئی۔

دفعہ ششم:۔ ہماری ملاقات شرف الدین سے کئی برس سے ہے یہ نسبت ان کے اقربا ء کے جو ملازم سرکار ہیں ہم ان کو بہت اشراف اور لئیق سمجھتے ہیں اور چلن ان کا بہت اچھا ہے ۔ ہر ایک وقت پیچ مددگاری حکام ضلع کے حاضر رہے۔ غرض ہمارے نزدیک اس ایام غدر میں ان سے ایسی کارگذاری عمدہ ہوئی کہ لائق ملاحظہ اور پسند سرکار کے تھی ۔عوض اس کا سرکار سے جب ہوسکتا ہے کہ ان کو خلعت مرحمت ہو اور زمینداری دو ایک گاؤں کی بہ جمع تین چار ہزار روپیہ سالانہ دی جاوے۔ اور اصل کاغذات مشمولہ چٹھی آپ کی بہ لف رپورٹ ہذا واپس ہوتے ہیں۔

دستخط۔ کارمیکل صاحب مجسٹریٹ کلکٹر

ترجمہ انتخاب فہرست خیر خواہاں ضلع بدایوں نسبت شرف

الدین

قوم مسلمان زمیندار شیخو پور

رائے مسٹر اسٹوارڈ صاحب

انہوں نے ہم کو اور ہمارے اہل عیال کو ایام غدر میں ابتدائے ۳ جون لغایت ۱۰ اگست ۱۸۵۸ء تک اپنے گاؤں سرکی میں بحفاظت تمام رکھا اور اگرچہ صوبے دار نے ان پر تاکید کی کہ ان لوگوں کو پناہ نہ دو، مگر انہوں نے اس تاکید پر اصلا خیال نہیں کیا۔ آخر کو جب دیکھا کہ ہم لوگوں کا رہنا اس گاؤں میں دشوار ہے۔ تو پچاس آدمی بندوقچی ہمارے ساتھ کر کے سواروں کو پہنچا دیا تھا۔ علاوہ اس کے ایڈورڈ صاحب کلکٹر بدایوں اور مسٹر ڈائل صاحب اور ان کے بیٹے اور مسٹر گبسن صاحب پٹرول کو گنگا سے بخیریت تمام عبور کرایا۔ ہمارے نزدیک مناسب ہے کہ ان کو بعوض ہماری جان بچانے کے گاؤں مضبطہ انہی کے علاقے کے قریب دیا جاوے۔

رائے کارمیکل صاحب مجسٹریٹ بہادر

جو کہ ہم ان کی نسبت چٹھی مورخہ ۲ اگست ۱۸۵۸ء نمبر ۱۱۶ میں علیحدہ رپورٹ کر چکے ہیں۔ یہاں مختصر بھی کافی ہے کہ ایام غدر میں انہوں نے مسٹر ایڈورڈ کلکٹر بدایوں کی جان کی حفاظت کی اور نیز دیگر صاحبان انگریز ہمراہی صاحب ممدوح کو دریا سے عبور کرایا تھا۔ اور ہر صورت سے خیر خواہ سرکار رہے تھے۔ بعد لکھنے رپورٹ مذکورہ بالا کہ ہم کو معلوم ہوا کہ شیخ شر

ف الدین نے ایک انگریزی کرانی کی جان بچائی۔ اگرچہ شیخ مذکور نے ہم سے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ مگر ہم نے اسکی کیفیت اسی کرانی کے لکھنے سے معلوم کی ہے۔ ہو بہو لکھی جاتی ہے۔ شرف الدین نے ہم کو اور ہمارے عیال کو ۳ جون سے ۱۰ اگست تک بحفاظت تمام اپنے گاؤں سرکی متصل شیخو پور میں رکھا۔ اور حالانکہ صوبے دار نے ہماری طلب کے واسطے بارہا تاکید شدید کی۔ مگر شیخ جی نے کچھ خیال نہ کیا آخر کو جب ہمارا وہاں رہنا مشکل جانا تو پچاس بندوقچی ہمراہ کر کے موضع سوراوں کو پہنچا دیا۔ فقط اس سے واضع ہے کہ بجز شرف الدین کے اور کسی نے اسٹوارڈ صاحب کی مدد نہیں کی۔ جو تجویز ہم ان کی نسبت اپنی رپورٹ میں لکھ چکے ہیں۔ وہی یہاں بھی لکھتے ہیں کہ چار ہزار روپیہ کی زمینداری ان کو دی جاوے۔ اور ایک خلعت صاحب کمشنر بہادر اپنے اجلاس عام میں مرحمت فرماویں۔ اور علاوہ اس کے عوض اس عمدہ کام کے کہ اسٹوارڈ صاحب کی جان کو بچایا ایک اور زمینداری ہزار روپے کی جاوے۔ کل پانچ ہزار روپیہ کی زمینداری مرحمت ہو اور بر وقت عطا ہونے خلعت کے واسطے خطاب بہادری کے سرکار سے ایک پروانہ بھی مرحمت فرمایا جاوے جو کہ ایسی بدل و جان خیر خواہ سرکار کے بہت کم ہیں۔ لہذا ان کو خاطر خواہ انعام دینا لازم ہے۔

دستخط کارمیکل صاحب مجسٹریٹ

۱۴ فروری ۱۸۵۸ء

ترجمہ انتخاب چٹھی مسٹر آڈرم صاحب بہادر اسسٹنٹ سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی

بنام الیگزینڈر صاحب بہادر کمشنر روہیل کھنڈ۔ مرقوم
۱۷ دسمبر ۱۸۵۷ء مقام الہ آباد نمبری ۱۱۹۰۔

دفعہ اول:۔ چٹھی آپ کی نمبری ۱۴۴ مورخہ ۱۵ اگست ۱۸۵۸ء ورود ہوئی۔ بجواب اس کے آپ کو اطلاع دی جاتی ہے۔ کہ امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے بلحاظ خیر خواہی اور عمدہ کارگذاری ایام غدر کے شیخ شرف الدین کو خلعت مالیت تین ہزار روپیہ اور زمینداری ایک گاؤں کی بجمع پچیس سو روپیہ اس تفصیل سے عطا فرمائی۔ کہ ان کے حین حیات نصف جمع معاف رہے۔ اور بعد ان کے ایک پشت تک چہارم جمع معاف رہے گی۔
اب میں اپنے رسالے کے پہلے نمبر کو انہی کے حال پر ختم کرتا ہوں۔ اس لیے کہ آئندہ جن خیر خواہ مسلمانوں کا مجھ کو حال لکھنا منظور ہے۔ اس سے پہلے ایک بہت عمدہ گفتگو

مجھ کو لکھنی ہے اور میں چاہتا ہوں۔ کہ وہ گفتگو میرے رسالے نمبر دویم میں ہو۔

حالات خیر خواہانِ مسلمانان

نمبر دوم

میں نے نمبر اول رسالہ خیر خواہان مسلمانان میں چند مسلمانوں کا ذکر کیا۔ جنہوں نے ہماری گورنمنٹ کی خیر خواہی اور خدمت گذاری سے سرخ روی حاصل کی۔ اب میں اس دوسرے نمبر میں سب سے پہلے ایک ایسے خیر خواہ مسلمان کا ذکر لکھتا ہوں جس کی رپورٹ خیر خواہی میں ایک جاہل بدمعاش آدمی کا جس کو جہادی مشہور کیا تھا۔ ذکر آتا ہے اس لیے میں مناسب جانتا ہوں، کہ اول اس معاملہ میں کچھ گفتگو کروں۔

۱۸۵۷ء، ۱۸۵۸ء میں ہندوستان کی آب و ہوا ایسی بگڑ گئی تھی کہ ہر ایک شخص کے دل میں ایک غلط خیال ایسا مستحکم ہو جاتا تھا۔ کہ وہ اسی کو سچ سمجھتا تھا۔ حالاں کہ اس کی کچھ بھی اصل نہ ہوتی تھی اسی آب و ہوا کا اثر تھا کہ اکثر متکلمین اور مصنفین کتب بغاوت نے ایک شور بے اصل باتوں کا مسلمانوں کی نسبتت مچا دیا۔

انہی میں سے ایک بے اصل یہ بات مسلمانوں پر لگائی کہ مسلمانوں کو بالذات اپنے مذہب کے بموجب عیسائیوں سے عداوت ہے۔ حالاں کہ یہ بات محض بے اصل ہے۔ مسلمانوں کے مذہب میں عیسائیوں کو سوا اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کو مذہب کی رو سے اور اتحاد نہ ہو۔

القران سورۃ المائدہ آیت ۸۵۔

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنو الیھو دو الذین اشرکوا ولتجدن افربھم مودۃ للذین آمنو الذین قالو انا نصاری ذالک بان منھم تسیسین و رھبا نا و انھم لا یستکبرون.

یعنی کلام اللہ میں ہے کہ اللہ تعالی نے ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے۔ کہ

"تو پاوے گا سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور تو پاوے گا۔ سب سے زیادہ محبت میں مسلمانوں کی ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں اس لیے کہ ان میں ہیں عالم اور درویش اور اس لیے کہ وہ غرور نہیں کرتے۔"

تاریخ اسماعیل ابوالفدا کو دیکھو اور جارج سیل صاحب پری لیمزی ڈسکورس کا ملاحظہ کرو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب مکہ کے مشرکوں نے مسلمانوں کو نہایت تکلیف دی تو اسی مودت کے سبب جو خدا کے حکم کے بموجب ہے ہمارے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم حبشہ کو چلے جاؤ جہاں کا بادشاہ نجاشی کہلاتا تھا اور وہ عیسائی تھا۔ چنانچہ ہم اس مقام پر جارج سیل صاحب کے پری لیمنری ڈسکورس کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

"جب قریش نے دیکھا کہ نہ دھمکانے سے کام نکلتا ہے اور نہ ترغیب سے، تب علانیہ مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کرنے لگے اور ان کو مکی میں رہنا دشوار کر دیا۔ اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی کہ جس کا کوئی حامی اور مددگار نہ ہو پناہ کی جگہ

ہجرت کر جاوے۔ چنانچہ سن اول بعث میں بارہ مرد اور چار عورتیں کہ من جملہ ان کے عثمان بن عفان مع حضرت رقیہ زوجہ اپنی کے کہ بیٹی پیغمبر خدا کی تھیں۔ حبشہ کے ملک میں ہجرت کر گئے۔"

....

"پہلی یہی ہجرت ہوئی ۔ بعد اس کے ایک ایک دو دو آدمی حبشہ کو ہجرت کرتے رہے۔ حتیٰ کے بقدر تراسی مرد اٹھارہ عورتیں سوائے بچوں کے حبشہ میں جمع ہوگئے اور نجاشی وہاں کے بادشاہ نے ان مہاجرین بیکس کو از راہ مہربانی اپنی حمایت میں بہت آرام سے رکھا اور جب قریش نے کہ مخالف تھے۔ طلب کیا تو نجاشی مذکور نے دینے سے انکار کیا۔"

اسمٰعیل ابوالفدا، اپنی تاریخ میں جس کا نام ہے مختصر فی احوال البشر لکھتا ہے کہ جب مسلمان وہاں گئے ۔ تو نجاشی شاہ حبشہ نے پوچھا کہ تم جناب حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے حق میں کیا کہتے ہو؟ مسلمانوں نے جواب دیا۔ کہ ہم وہ کہتے ہیں جو ہمارے خدنے قرآن میں جناب حضرت عیسیٰ مسیح کے حق میں فرمایا ہے اور یہ آیت پڑھی۔

القرآن سورۃ النساء آیت ۱۷۱

انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول الله و کلمةالقھا الی مریم و روح منه فامنو الله باالله و رسوله.

یعنی کلام اللہ میں ہے کہ اللہ صاحب نے فرمایا کہ مسیح جو ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا رسول اللہ کا اور اس کا کلام جو ڈال دیا مریم کی طرف سے روح ہے اس کی سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو۔

بڑی نشانی مسلمانوں اور عیسائیوں کی محبت کی ہمارے کلام اللہ سے یہ پائی جاتی ہے۔ کہ جب اہل فارس نے روم کو جو عیسائی تھے۔شکست دے کر دبا دیا۔تو مسلمان عیسائیوں کے شکست کھانے سے بہت غمگین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کی اور اپنے پیغمبر پر وحی بھیجی کہ میں عنقریب عیسائیوں کی فتح دینے سے مسلمانوں کو خوش کروں گا۔ چنانچہ اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔

القرآن سورۃ الروم آیت، لغایت ۵

الم غیبت الروم فی ادنی الارض و هم من بعد غلبهم سیغلبون فی بضع سنین اللہ الامرمن قبل و من بعد و یومیدیفرح المومنون بنصر اللہ ینصر من یشاء وھو العزیز الرحیم.

یعنی اللہ صاحب نے فرمایا کہ دب گئی ہے روم سرحد کی زمین پر اور وہ اس دبنے کے بعد غالب ہوگی کئی برس میں۔اللہ ہی کے لیے ہیں کام پہلے اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے۔ مدد کرے جس کے چاہے اور وہی ہے زبردست مہربان۔

تاریخ سے واضح ہے کہ خسرو پرویز بادشاہ فارس بہ طلب خون مارس، اپنے خسر کے کہ فوقس کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔روم والوں پر چڑھ گیا اور فتح یاب ہوکر بائیس برس تک غالب رہا۔خصوصاً چھ برس پہلے سن ہجری سے ۶۱۵ء میں فارس والے ایسے زبردست ہوئے۔کہ سریا کے ملک پر بھی غالب آئے۔اور بلکہ یہود کے ملک پر بھی قبضہ کرلیا۔یہی ذکر ان آیات میں پایا جاتا ہے۔ظن قوی ہے کہ عرب کے لوگ بھی ان سے مخوف تھے کیوں کہ ان کا ملک بھی یہود کے ملک کے قریب تھا۔اور ہرگز امید نہ تھی کہ روم والے غالب آ کر پھر

اپنے ملک پر دخل پاوے اور ان کے بعد بھی فارس کے لوگ فتح پاتے رہے اور اتنا حوصلہ بڑھ گیا کہ قسطنطیہ پر بھی ارادہ کیا۔ اتفاقاً یہود کے ملک لینے سے دس برس بعد ۶۲۵ ء اور چوتھی ہجری میں یکایک روم والے فارس پر ایسے فتح یاب ہوئے کہ ان کو اپنے ملک سے خارج کر دیا اور انہی کے ملک میں لڑائی ڈالی اور شہر مدائن کو نقصان عظیم پہنچا اور عراق پر بھی خسرو کے انتقال تک فتح پائی۔ اگر اس پیشین گوئی کی اصلیت میں زیادہ تر تحقیق منظور ہو تو اس وقت کی تاریخوں کو دیکھنا چاہیے۔

اب خیال کرو کہ جن لوگوں نے یہ شور مچا رکھا ہے کہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے مذہب کے بموجب عداوت اور دشمنی ہے کتنی بے اصل بات ہے اور وہ لوگ مسلمانی مذہب کے احکام مطلق نہیں جانتے اور بہودہ غل مچاتے ہیں۔

انہی باتوں میں سے جو ان لوگوں نے مسلمانوں کی طرف لگای ہیں ایک یہ بات ہے کہ مسلمان کسی فقیر کی پیشین گوئی سے یقین کرتے تھے کہ اب عیسائیوں کی عملداری نہیں رہنے کی اور ان لوگوں نے اس بات کو مسلمانوں کی طرف ایسا لگایا تھا کہ گویا مسلمانوں کی مذہبی بات ہے۔

نعوذ باللہ مسلمان نبی کے سوا اور کسی کی پیشین گوئی پر یقین نہیں کرتے۔ بلکہ کسی کو عالم الغیب جاننا یا نجوم کی باتوں پر یقین کرنا، یا کسی شگون کو ماننا گناہ عظیم سمجھتے ہیں۔ چہ جائے کہ کسی مہمل بے سند لغو اشعار کو مذہبی بات جائے۔

عیسائیوں کی نسبت جو ہمارے نبی نے ہم کو خبر دی ہے اور جس پر ہم بلا شبہ یقین رکھتے ہیں وہ یہ ہے۔

القرآن سورۃ ال عمران آیت ۵۴، ۵۵

از قال اللہ یا عیسیٰ انی متو فیک و رافعک الی. و

مطهرک من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفرو الی یوم القیامه.

یعنی کلام اللہ میں یہ ہے کہ جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں تیری زندگی پوری کروں گا اور اٹھالوں گا تجھے اپنی طرف اور پاک کروں گا کافروں سے اور رکھوں گا تیرے ماننے والوں کو غالب نہ ماننے والوں پر قیامت کے دن تک۔

اب غور کرو کہ اس آیت سے قیام عیسائیوں کا ظاہر میں قیامت تک پایا جاتا ہے۔ گو ہماری سمجھ نے وحی کے اصلی مطلب تک پہنچنے میں کچھ قصور کیا ہو۔ مگر مسلمان اس بات کو چھوڑ کر کسی طرح مہمل شعروں پر یقین لا سکتے ہیں۔

ایک بڑا الزام جو ان لوگوں نے مسلمانوں کو طرف نہایت بے جا لگایا وہ مسئلہ جہاد کا ہے حالاں کہ کجا جہاد اور کجا بغاوت، یہ بین تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا۔

ایک عجیب ماجرا ہے کہ اس ہنگامہ میں نہایت بدمعاش اور جاہل بے علم جو مولوی کے نام سے مشہور تھے۔ نہ اس سبب سے کہ وہ خود پڑھے لکھے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ ان کے باپ دادوں میں کوئی مولوی تھا۔ وہ بھی مولوی کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ ان کو تمام اخباروں میں اس طرح پر چھاپا گیا۔ جیسے کہ کوئی سچ مچ کا مولوی اور مسلمانوں کا بڑا عالم اور بڑا خدا پرست ہے۔ کسی کو ایک بڑا فقیر کر کر لکھا گیا اور فلاں شاہ اور ڈھمک شاہ اس کا نام چھاپا۔ ہمارے حکام جب ان ناموں کو دیکھتے ہوں گے تو خیال کرتے ہوں گے کہ اوہ اوہ بڑے بڑے مولویوں اور خدا پرستوں نے فساد کیا ہے، حالاں کہ وہ لوگ محض جاہل اور بے علم اور بدمعاش اور واہی ادمی تھی۔ کوئی مسلمان ان کو اچھا نہیں جانتا تھا اور ان میں سے کوئی شخص مسلمانوں میں مذہب کی باتوں م یں مقتداء اور پیشوا اور مولوی نہ تھا۔ جس قدر کہ اچھے

اور خدا پرست اور سچ مچ کے مولوی اور درویش تھے۔ ان میں سے کوئی شخص اس فساد میں شریک نہیں ہوا۔ بلکہ ہمیشہ مفسدوں کو برا اور اس فساد کو بے جا جانتے تھے۔

نیک بخت اور خدا پرست مولویوں کا یہ حال تھا۔ کہ ایک قصبہ میں غدر سے پہلے درمیان ہندو اور مسلمانوں کے درباب تعبیر ایک مسجد کے تکرار تھی۔ مقدمہ حاکم عیسائی کے سامنے دائرہ تھا۔ ہنوز حکم تعمیر مسجد نہیں ہوا تھا۔ کہ غدر ہو گیا۔ اس زمانہ میں بعض جاہل مسلمانوں نے مل کر ایک بڑے خدا پرست مولوی سے یہ بات کہی کہ اگر آپ حکم دیں تو اب ہم مسجد بنالیں اب سچے مولوی نے جواب دیا کہ جب تک انگریز نہ آویں اور وہی حکم نہ دیں اس وقت تک مسجد بنانے کو میں حکم نہیں دیتا۔

غور کرو کہ نیک بخت اصلی مولویوں کا تو یہ حال تھا مگر ان اخبار لکھنے والوں نے بے سبب ہائے تو یہ مچادی کہ فلاں مولوی نے یہ کیا اور فلاں شاہ نے یہ کیا۔ کچھ نہ دریافت کیا کہ درحقیقت وہ مولوی ہے کچھ پڑا لکھا ہے یا نہیں۔

میں نہیں دیکھتا کہ اس تمام میں کوئی خدا پرست آدمی یا کوئی سچ مچ کا مولوی شریک ہوا ہو۔ بجز ایک شخص کے اور میں نہیں جانتا کہ اس پر کیا آفت پڑی۔ شاید اس کی سمجھ میں غلطی پڑی کیوں کہ خطا ہونا انسان سے کچھ بعید نہیں۔

جہاد کا مسئلہ مسلمانوں میں دغا اور بے ایمانی اور غدر اور بے رحمی نہیں ہے۔ جیسے کہ اس ہنگامہ میں ہوا۔ کوئی شخص بھی اس ہنگامہ مفسدی اور بے ایمانی اور بے رحمی اور خدا کے رسول کے احکام کی نافرمانی کو جہاد نہیں کہہ سکتا۔

بلکہ مسلمانوں کے مذہب کے بموجب ہماری گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم تمام مسلمان ہندوستان کے برٹش گورنمنٹ کے امن میں ہیں اور مستامن ان لوگوں پر جن کے امن میں ہے۔ جہاد نہیں کر سکتا۔

ہماری گورنمنٹ انگلشیہ نے تمام ہندوستان پر دو طرح حکومت پائی یا بہ سبب غلبہ اور فتح یا بموجب عہد و پیمان تمام مسلمان ہندوستان کے ان کی رعیت ہوئے۔ ہماری گورنمنٹ نے ان کو امن دیا اور تمام مسلمان ہماری گورنمنٹ کے امن میں آئے اور ہماری گورنمنٹ بھی تمام مسلمانوں کی طرف سے مطمئن ہوئی۔ کہ وہ ہماری رعیت اور تابعدار ہو کر رہتے ہیں۔ پھر کس طرح مذہب کے بموجب ہندوستان کے مسلمان گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ غدر اور بغاوت کر سکتے تھے۔ کیوں کہ شرائط جہاد میں سے پہلے ہی شرط ہے کہ جن لوگوں پر جہاد کیا جاوے ان میں اور جہاد کرنے والوں میں امن اور کوئی عہد نہ ہو۔

فی العالمگیری واما شرط اباحة فشئیان احمد هما عدم الامان والعهد بیننا وبینهم.

''یعنی شرط درست ہونے جہاد کے دو چیزیں ہیں۔ پہلی ان میں سے نہ ہونا امن کا اور نہ ہونا عہد کا۔ ہم میں اور ان میں۔''

علاوہ اس کے اور شرائط جہاد کی ہمارے مذہب میں اس قدر ہے کہ ان میں ایک بھی اس ہنگامہ بغاوت میں نہ تھی۔ ہرگز نہ بھولنا چاہیے۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے قول کو کہ جب قاضی فخر الدین فاقلہ نے اس سے کہا کہ آپ بہت دفعہ مشرکین سے لڑے اگر حکم ہو تو آپ کو غاضی کہا کریں۔ وہ بادشاہ نیک سرشت رویا اور کہا کہ میں نے کس خدا کے واسطے لڑائی کی کہ مجھے غازی کہو۔

(دیکھو تاریخ فیروز شاہی برنی)

عجب تعجب ہے اس شخص پر جو کہ اس ہنگامہ قتل و غارت کو مسلمانوں کا مذہبی جہاد کہے۔

اب اس مقام پر ہم مستامن کے معنی مذہب کے بموجب اور وہ روایت جس کے

بموجب مستامن غدر اور بغاوت نہیں کرسکتا، نقل کرتے ہیں۔

فی الھدایا. المستا من ھومن ید خل دار غیرہ بامان.

یعنی ہدایہ میں ہے کہ مستامن اس شخص کو کہتے ہیں جو غیر مذہب کی عملداری میں رہے ۔ساتھ امن کے جس طرح کہ مسلمان ہماری گورنمنٹ انگلشیہ کی علمداری میں رہتے تھے اور رہتے ہیں۔

فی الھدایا والعالم گیری . دخل مسلم دار الحرب بامان حرم علیه تعرضه بشئی ممن دم و مال منھم .

یعنی جو مسلمان کہ غیر مذہب کی عملداری میں رہیں ساتھ امن کے حرام ہے اس پر تعرض کرنا ساتھ کسی چیز کے خون سے یا مال سے ان لوگوں کی جن کی عملداری میں گیا ہے۔

مسلمانوں کے مذہب میں یہ بات ہے کہ اگر مسلمان اپنے اختیار سے کسی کو بادشاہ بنانا چاہیں تو مسلمان کو اور قریش کی قوم سے بناویں، لیکن جو شخص کہ اپنے غلبہ سے بادشاہ ہوا ہو یا اس بادشاہ یا حاکم کا جس کی اطاعت میں مسلمان ہو، مسلمان ہونا شرط نہیں ہے یعنی کسی مذہب کا بادشاہ ہو اس کی اطاعت واجب ہے۔

فی التا تار خانی و ذکر فی الملتقط الاسلام لیس بشرط فی السلطان الذی یقلد.

یعنی تا تارخانی میں جو مسلمانوں کے مذہب کی کتاب ہے یوں لکھا ہے کہ ملتقط میں کہ وہ بھی مذہبی کتاب ہے یہ لکھا ہے کہ مسلمان ہونا شرط نہیں ہے اس بادشاہ میں جس کی اطاعت کی جاوے۔

یہ مسئلہ مسلمانوں کا لیا گیا ہے۔ توریت مقدس سے جہاں ذکر ہے کہ حضرت یوسفؑ نے فوطیفار مصری کی اطاعت میں اس کی نوکری قبول کی اور نہایت خیر خواہی اور وفاداری سے اسکی خدمت انجام دی۔ حالانکہ فوطیقار مصری مسلمان نہ تھا۔ کیوں کہ وہ موسیٰ کے حکموں پر نہیں چلتا تھا۔

(دیکھو کتاب پیدائش باب ۳۹)

پس مسلمانوں کو مذہب کی بموجب برٹش گورنمنٹ کی اطاعت جو ہمارے بادشاہ اور حاکم تھے اور ہیں واجب اور لازم تھی اور ہے۔

اگرچہ ہماری گورنمنٹ کسی کے دین و مذہب میں مداخلت نہیں کرتی اور نہ کرے گی، کیوں کہ ملکہ معظّمہ نے اپنے اشتہار میں صاف صاف بہت پختہ وعدہ کیا ہے۔ لیکن بالفرض اگر کرے تو بھی مسلمان غدر اور بغاوت نہیں کر سکتے۔ ہاں ہجرت کر جانے کے مختار ہیں۔

فی التفسیر الاحمدی ان لم یتمکن من اقامة دینه بسبب ایدی للظمة او الکفرة یفرض علیه الهجرة وهو الحق.

یعنی کلام اللہ کی تفسیر میں جس کا نام تفسیر احمدی ہے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مذہب کے کام نہ کر سکے۔ بہ سبب زبردستی ظالموں یا کافروں کے تو اس پر ہجرت فرض ہے، یعنی اس ملک میں جا رہے جہاں وہ شخص اپنے دین کے احکام بخوبی بجالا سکے۔

اس ہنگامہ میں کوئی بات مسلمانوں کے مذہب کے موافق نہیں ہوئی۔ پھر مجھ کو کمال تعجب ہوتا ہے۔ متکلمین اور مصنفین کتب بغاوت پر جو مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب بموجب یہ باتیں تھیں۔

غور کرو کہ خزانہ اور میگزین جو ہندوستانیوں کے سپرد تھا وہ سب امانت تھا۔ اس کا لوٹنا

اور تلف کرنا اور اپنے استعمال میں لانا مسلمانوں کے مذہب میں کب درست تھا۔

فی الشعب الایمان، عن انس قال فلما غطینا رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم الاقال لا ایمان لمن لا ام اخطبنه لاہ ونة لا دین لمن لا عهد له.

یعنی بیہقی کی کتاب میں جس کا نام شعب الایمان ہے، لکھا ہے کہ حضرت انس نے کہا کہ بہت کم ہے کہ نصیحت کی ہو ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور یہ نہ کہا ہو کہ نہیں ہے ایمان اس شخص کا جس نے امانت نہ رکھی اور نہیں ہے دین اس شخص کا جس نے عہد پورا نہ کیا ہو۔

القرآن۔ سورۃ النساء آیت ۵۸۔

ان اللہ یامر کم ان تو دو الامانات الی اهلها و اذا حکمتم بین الناس ان تحکمو ا بالعدل ان الله نعما یعظکم به ان الله کان سمیعا بصیرا.

یعنی اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچاؤ امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے۔ اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو، اللہ ہے سننے والا، دیکھنے والا۔

سبحان اللہ ہمارے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حکم دیں کہ اگر کافروں کے ساتھ بھی لڑائی ہو تو لڑائی کے وقت بھی عورتوں کو اور بچوں کو اور بوڑھوں کو اور جو نہ لڑسکیں اور جو امن میں آ جاویں ان کو قتل مت کروں۔ اس ہنگامہ میں مفسد، بدمعاش بے ایمان بے رحموں نے خلاف اس حکم کے کیا۔ کافر تو درکنار اہل کتاب کو بے وجہ قتل کیا اور ہمارے مہربان

متکلمین اور مصنفین کتب بغاوت کہتے ہیں کہ یہ تو مسلمانوں نے اپنے مذہب کے موافق جہاد کیا ہے

نعوذ بالله من هذه الا تاویل.

بخاری و مسلم:. عن عبد الله ابن عمر قال نهی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم عن قتل النساء والصبیان.

یعنی حدیث کی بڑی معتبر کتابوں میں جن کا نام بخاری اور مسلم ہے۔ یہ بات لکھی ہے کہ عبداللہ ابن عمر نے کہا کہ منع فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے۔

ابو داؤد:. عن انس ان رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم قال لا تقتلو شیخا فانیا ولا طفلا صغیرا ولا امرة.

یعنی ابوداؤد میں ہے کہ انس نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قتل کرو بڈھے ضعیف کو اور نہ بچوں چھوٹے کو اور نہ عورت کو۔

یہ مسلمہ ہمارے ہاں کا اس قدر مشہور ہے کہ مصنفین اصول قوانین ممالک مختلفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، برٹرس صاحب لکھتے ہیں۔ کہ نصیحت پیغمبر کی یہ تھی کہ عورتوں اور اطفال شیر خوار اور ان لوگوں کو قتل کرنے سے جو قریب مرگ ہوں باز رہو۔ جو لوگ مقابلہ نہ کرتے ہوں۔ ان کے مکانات کو مت ڈھاؤ۔ وسیلے ان کے وجہ معیشت کی نہ کھوو اور ان کے میوہ دار درختوں کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ جو عہد و پیمان تم کرو اس پر ایمان داری سے قائم رہو اور چاہیے کہ

تمہارا قول مطابق ساتھ فعل کے ہو۔ فقط۔

ہمارے مذہب میں عہدہ کا پورا کرنا فرض ہے اور جب عہد توڑا جاوے تو نہایت احتیاط چاہیے۔ کہ کس طرح کی بے ایمانی نہ ہونے پاوے، جس سے عہد توڑا جاوے اس کو خبر دار کر دیا جاوے اس کو مہلت دی جاوے کہ تمام سامان اپنی حفاظت کا درست کر لے۔ اس ہنگامہ میں برابر بدعہدی ہوتی رہی۔ سپاہ نمک حرام عہد کر کر پھر گئی۔ بدمعاشوں نے عہد کر کر دغا سے توڑ ڈالا اور پھر ہمارے مہربان متکلمین اور مصنفین کتب بغاوت فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب میں یوں ہی تھا۔ نعوذ بالله مهنا هذا بهتان عظيم.

القرآن سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۴۔

واوفوا بالعهدان العهد كان مسئولا.

یعنی اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ پورا کرو اقرار کو۔ بے شک اقرار پوچھا جاوے گا، یعنی قیامت کے دن۔

ترمذی و ابو داؤد: عن سليم ابن عامر قال كان بين معويه و بين الروم عهد و كان و بسير نحو بلا وهم حتى اذا انقضى العهدا غار عليهم فجاء رجل على فرس او بر ذون وهو يقول الله اكبر الله اكبر وفاء لا غدر فنظر و افا ذا هو عمر و بن عتبه فساله معويه عن ذالك فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم يقول من كان بنيه و بين قوم عهد فلا يسعلن عهدا ولا يشد نه حتى يمض امر او بنبذاليهم على سواء قال فرجمع معاويه بالناس.

یعنی ترمذی اور ابو داؤد میں ہے کہ سلیم ابن عامر نے کہا کہ

معو یہ اور روم میں عہد نامہ تھا اور معو یہ روم کے شہروں کی طرف جانا
تھا۔ تا کہ جس وقت عہد نامے کی مدت گزر جاوے رومیوں پر حملہ
کرے۔ کہ اتنے میں ایک آدمی عربی گھوڑے پر یا تر کی گھوڑے پر
سوار آیا یہ کہتا ہوا کہ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ عہد پورا کرنا چاہیے اور غدر نہ
کرنا چاہیے جب لوگوں نے دیکھا تو وہ شخص عمر بن عتبہ تھا۔

پھر معو یہ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جو شخص کہ اس میں اور کسی قوم میں عہد ہو تو نہ اس کو ڈھیلا کرے نہ سخت کرے، یہاں تک کہ اس کی مدت گزر جاوے یا اس کو موقوف کرے۔ اس طرح پر کہ دونوں طرفین برابر رہیں۔ یہ سن کر معو یہ مع اپنے لشکر کے واپس آیا
۔

فی العالمگیری ولو صالحهم الا مام ثم رائے نقض الصلح اصلح نبذ اليهم وقا تلهم و يكون النبذ على وجه الذى كان الامان قان كان منتشرا يجب ان يكون النبذ كذالک و ان كان غير منتشر يان آمنهم واحد من المسلمين سر اَ يكتفى بنذذالک الواحد ثم بعد النبذ لا يجوز قتالهم حتى يمضى عليهم زمان يتمكن فيه ملكهم من انفاذ الجزالى اطراف مملكة وان كانوا خرجوا من حصونهم و تفرقو فى البلاد وفى عسا كر المسلمين او خربو حصر نهم بسبب الا مان فحن يعو د و اكلهم الىٰ ما منهم و يعمروا حصو نهم مثل ما كانت تو قبا عن الغدر.

یعنی عالمگیری میں ہے کہ اگر سردار نے کسی قوم سے صلح کی، پھر اس صلح کا موقوف کرنا مناسب جانا تو صلح موقوف کرے اور ان سے لڑے، لیکن یہ موقوف ہونا صلح کا اس طرح پر ہو، جس طرح صلح ہوئی تھی، یعنی اگر صلح علانیہ ہوئی تھی، تو موقوف ہونا صلح کا بھی علانیہ ہو اور اگر صلح چپکے سے ہوئی تھی کہ ایک آدمی نے کر لی تھی، تو اس کی موقوفی بھی سای ایک آدمی کی کافی ہے پھر صلح موقوف ہونے کے بعد بھی ان سے لڑنا نہیں چاہیے۔ یہاں تک کہ ایک ایسی مدت گزرے جس میں اس قوم کا بادشاہ اپنے ملک میں چاروں طرف خبر بھیج سکے۔ اور اگر وہ لوگ اپنے قلعوں میں سے نکلے ہوں اور مسلمانوں کے شہر میں اور مسلمانوں کے لشکروں میں متفرق ہو گئے ہوں۔ یا انہوں، بہ سبب امن کے اپنے قلعے توڑ دیے ہون۔ تو اتنی مہلت دینی چاہیے۔ کہ وہ سب لوگ اپنی امن کی جگہ پر چلے آویں۔ اپنے قلعوں کو جیسے کہ تھی، ویسے ہی بنالیں، یہ حکم ہے واسطے بچنے، کے غدر سے۔

القرآن، سورۃ انفال، آیت ۵۸۔

واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذالیھم علٰی سواءِ ان اللہ لا یحب الخا ئنین.

یعنی اللہ صاحب نے فرمایا ک اور اگر تجھ کو ڈر ہو ایک قوم کی دغا کا تو جواب دے ان کو برابر کے برابر اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز۔

اب خیال کرو کہ جب ہماری گورنمنٹ انگلشیہ نے اس ملک کو فتح کیا۔ تو ہم مسلمانوں نے انا کا رعیت ہونا قبول کیا۔

کہ ان کی عملداری میں رعیت ہو کر رہے یا جو پہلے حاکم تھے انہوں نے عہد کر کر گورنمنٹ انگلشیہ کو ملک سپرد کیا تو پھر جیسا غدر ۱۸۵۷ء میں ہوا۔ کیا مسلمانوں کو مذہب کی رو سے اسی طرح کرنا درست تھا۔

اور سنو مجھے امید ہے کہ ہمارے مہربان متکلمین اور مصنفین کتب بغاوت اس بات سے تو انکار نہ کریں گے، کہ چند جا مسلمانوں نے عیسائیوں کو پناہ دی۔ پھر اور بدمعاشوں نے بلوہ کر کر قتل کیا۔ حالاں کہ ہمارے مذہب میں اگر ایک مسلمان بھی کسی کو امن دے تو ایسا ہے کہ گویا سب نے امن دیا، اور پھر اس کا قتل کرنا گناہ عظیم اور قتل کرنیوالا غادر ہے۔

سراج االوھاج . امان الواحد کامان الجماعة.

یعنی سراج الوہاج میں ہے کہ ایک کا امن دینا مانند سب کی طرف سے امن دینے کے ہے۔

فی العا لمگیری اذا امن رجل حراو امرة حرة کافرا او جماعة او اھل حصن او مدینة صح امانھم ولم یکن لا حد من المسلمین قتا لھم،

یعنی عالمگیری میں ہے کہ جب ایک آزاد مرد یا آزاد عورت کسی کافر کو یا کسی گروہ کو، یا قلعے کے محصوروں کو یا شہر والوں کو امن دے تو ان اامن دینا درست ہے اور نہیں ہے کسی شخص کو مسلمانوں میں سے ان کا قتال کرنا۔ دیکھو جب کافر کے لیے یہ حکم ہے تو اہل کتاب کیوں کر تکلیف دیے جاسکتے ہیں۔

بـخاری و مسلم ، عن ام هانی بنت اب ی طالب قالت ذهبـت الی رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم الفتح فوجد ته بغتسل و فاطمة ابنة تستسره ثبوت فسلمت فقال من هذه فـقـلـت انا ام هانی بنت ابی طالب فقال مرحبا بام ها نی فلما فـرغ عـن غسله قام فصه ثمانی رکعات ملتقا فی ثو ب واحد فـلـمـا انصرف فقلت یارسول الله زعم ابن امی علی انه قاتل رجلا اجرتته فلان بن هبیره فقال رسول الله صلی علیه وسلم قد اجرنا من اجرت یا ام هانی قالت ام هانی و ذالـک ضحی.

''یعنی بخاری و مسلم میں ہے کہ ام ہانی بیٹی ابو طالب نے کہا کہ جس برس مکہ فتح ہوا میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس گئی میں نے پایا کہ وہ نہا رہے ہیں اور حضرت فاطمہ آپ کی بیٹی کپڑے سے پردہ کیے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں ہوں، ام ہانی بیٹی ابو طالب کی۔ حضرت نے فرمایا خوش رہے ام ہانی۔ پس جب حضرت نہانے سے فارغ ہو گے تو آٹھ رکعتیں نماز کی پڑھیں کپڑے میں لپٹے لپٹے پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے ماں جائے بھائی علی نے ارادہ کیا ہے ایک شخص کے قتل کا، جس کو میں نے بچایا ہے۔ پس فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ بچایا ہم نے اس کو جس کو تو نے بچایا۔ اے ام ہانی اور وہ وقت تھا چاشت تھا۔

فی الشرح السنه: عن عمر ابن الحمق. قال سمعت رسول صلی اللہ علیه و آله وسلم من آمن رجلا علی نفسه فقتله اعطی لو ء الغدر یوم القیمة.

یعنی شرح السنہ میں ہے کہ عمر بیٹے حق نے کہا کہ میں نے سنا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو شخص کہ پناہ دے کسی کو آپ او رپھر اس کو مار ڈالے تو دیا جاوے گا اس کو نشان غدر کا قیامت کے دن۔

پہلے یہ ثابت ہو چکا کہ ایک پناہ دینا سب کا پناہ دینا ہے۔اس کا یہ نتیجہ ہے کہ جو کوئی مارے کسی کی پناہ دی ہوئی کو وہ غادر ہے۔

ایک اور بات سنو کہ بعضی جگہ اس ہنگامے میں بعضے عیسائیوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہوتے ہیں، ہم کو قتل مت کرو اور بعضے ہو گئے اور ان بے ایمان مفسدوں اور کافروں نے ان کو مار ڈالا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان عیسائیوں نے ظاہر میں اقرار کیا اپنی جان کے ڈر سے دل سے وہ مسلمان نہیں ہوتے تھے، مگر ہمارے مذہب میں ایسے شخص کا بھی قتل کرنا نہایت گناہ عظیم قریب کفر ہے۔

القرآن:۔سورۃ النساء۔آیت ۹۴۔

یا ایھا لاذین آمنو ازا ضربتم فی سبیل الله فتبینو ولا تقو لو ا لمن القیٰ الیکن السلم لست مومنا تبتغون عرض الحیواة الدنیا فعند الله مغانم کثیره کذالک کنتم من قبل فمن الله علیکم فتبینو ان الله کان بما تعملون خبیرا.

یعنی اللہ صاحب نے فرمایا اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی

راہ میں تو تحقیق کر و اور کہو جو شخص تمہاری طرف سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں ہے چاہتے ہو مال دنیا کی زندگی کا، تو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں۔ تم ایسے ہی تھی پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا، سو اب تحقیق کر و اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

تفسیر احمد میں لکھا ہے، کہ مرداس بن نہسیک نے بر وقت پکڑے جانے کے لڑائی میں کلمہ پڑھا یعنی اقرار کیا وحدانیت کا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر۔ مگر اسامہ نے اس کو مار ڈالا۔ جبیہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو نہایت رنجیدہ ہوئے۔ اور جب اسامہ نے کہا کہ آپ میرا گناہ بخشا جانے کے لیے دعا کیجئے، تو آپ نے فرمایا کہ کیوں کر یعنی اس حال میں کہ تو نے قتل کیا ہے ایک شخص کو جس نے خدا کی وحدانیت اور رسالت کا اقرار کیا تھا۔ اسامہ نے کہا کہ اس نے تو میری تلوار کے ڈر سے اقرار کیا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔

اور ایک بات سنو کہ یہ تمام بغاوت جو ہوئی بنا اس کی کارتوس تھا۔ کارتوس کاٹنے سے مسلمانوں کے مذہب کا کیا نقصان تھا۔ ہمارے مذہب میں اہل کتاب کا کھانا کھانا درست ہے ان کا ذبیحہ ہم پر حلال ہے۔ ہم فرض کرتے ہے ں کہ اس میکس سور کی چربی ہو گی۔ تو پھر بھی ہمارا کیا نقصان تھا۔ ہمارے ہاں شرع میں ثابت ہو چکا ہے کہ جس چیز کی حرمت اور ناپاکی معلوم نہ ہو وہ چیز حلال اور پاک کا حکم رکھتی ہے۔ اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ اس میں یقیناً سور کی چربی تھی تو اس کے کاٹنے سے بھی مسلمانوں کا دین نہیں جاتا صرف اتنی بات تھی کہ گناہ ہوتا سو وہ گناہ شرعاً بہت درجہ کم تھا ان گناہوں سے جو اس غدر میں بدذات مفسدوں نے کیے۔

القرآن۔ سورہ المائدہ۔ آیت ٦۔

احل لکم الطیبات و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم.

یعنی اللہ صاحب نے فرمایا کہ آج حلال ہوئیں تم کو سب چیزیں ستھری اور کتاب والوں کا کھانا تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے۔

ابو داود عن ابن عباس قال فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ولا تاکلوا ممالم یذکر اسم اللہ علیہ فنسخ واستثنیٰ من ذالک فقال طعام الذین اوتو الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم.

یعنی ابوداؤد میں ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ تم کھاؤ اس میں سے جس پر نام لیا اللہ کا۔یعنی جو جانور کہ اللہ کے نام سے ذبح ہوا۔ اور نہ کھاؤ اس میں سے جس پر نام لیا نہ گیا اللہ کا۔یعنی جو جانور اللہ کے نام سے ذبح نہیں ہوا بلکہ بتوں پر اور دیوتاؤں پر چڑھایا گیا۔مگر یہ حکم عام نہیں رہا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ذبیحہ کو اس میں سے مستثنیٰ کیا اور فرمایا کہ کھانا یعنی ذبیحہ اہل کتاب کا حلال ہے۔ واسطے تمہارے اور تمہارا کھانا یعنی ذبیحہ حلال ہے۔ ان کو یعنی اہل کتاب کو۔

اب دیکھو کہ یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارے مذہب میں سور کھانا اور شراب پینی حرام ہے۔مگر عیسائی ان دونو کا استعمال کرتے ہیں ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ جس برتن میں اہل کتاب نے سور پکایا یا شراب پی ہے۔اس کو دھولو اور تم اپنے کام میں

لاؤ۔

اسو داؤد. عن ابی ثعلبه الخشنی انه سال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قال ان نجار اهل الکتاب وهم یطبخون فی قدورهم الخنزیر و یشربون فی الیتهم الخمر فقال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ان وجدتم فکلوا فیها واشربو او ان لم تجدو ا اغیرها فار حضوها بالماء وکلوا واشربوا.

یعنی ابوداؤد میں ہے۔ کہ ابی ثعلبہ خشنی نے پوچھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور عرض کیا کہ ہم اہل کتاب کے ہمسایہ میں ہیں اور وہ لوگ پکاتے ہیں اپنی ہنڈیا میں سور۔ یعنی مٹی کی ہنڈیا میں اور پیتے ہیں اپنے برتنوں میں شراب یعنی ان برتنوں کو اپنے استعمال میں لاویں یا نہیں فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اگر تم کو اور برتن ملیں تو ان میں کھاؤ اور پیو اور اگر اور کوئی برتن ان کے سوا نہ ملے تو ان کو پانی سے دھولو اور کھاؤ پیو۔

ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ متکلمین اور مصنفین کتب بغاوت نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے مذہب کے بہت واقف کار ظاہر کیا ہے اور یوں جانتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے مذہب کے بھی بڑے مولوی ہیں، حالانکہ وہ مسلمانوں کے مذہب کے احکام بالکل نہیں جانتے۔

میں نے فلاں اخبار اور فلاں کتاب میں دیکھا کہ من جملہ متکلمین اور مصنفین کتب بغاوت نے ہمارے کلام اللہ کی بہت سی آیتیں متضمن فضائل جہاد اور قتل کفار جمع کیں۔ اور

ان کو عجیب عجیب رنگ برنگ کی عبارتوں میں چھاپا، نتیجہ یہ نکالا کہ مسلمانوں کے مذہب میں عیسائیوں کا قتل کرنا اوران پر جہاد کرنا فرض تھا اور اور بہت سی تہمتیں مذہب مسلمانی پر لگائیں۔ ان بے جا باتوں سے ان کا مطلب میری سمجھ میں نہ آیا شاید یہ بات ہو کہ ان کو بہ سبب ناواقفیت کے غلطی ہوئی۔ یا یہ کہ حکام وقت کو مسلمانوں سے ناراض کرنا اوران کو جوش دلانا مقصود تھا۔

اگر یہی پچھلی بات تھی تو خیال میں نہیں آتا کہ ان جنٹلمین لوگوں کا اس سے کیا مطلب تھا، کیا مسلمانوں کی یہ بات ان کو بری معلوم ہوتی تھی، کہ جس طرح عیسائی خدا کو مانتے ہیں ،نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں، خدا کے کلام پر یقین کرتے ہیں، عیسیٰ مسیح کو برحق جانتے ہیں، اسی طرح مسلمان بھی خدا کو مانتے ہیں، نبیوں پر ایمان لاتے ہیں، خدا کی کتابوں کو برحق جانتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو رسول اللہ وکلمۃ اللہ وروح اللہ جانتے ہیں۔

افسوس ہے تاریخ ایک ایسی چیز ہے جس سے اصلی واقعہ ہم کو معلوم ہوتے ہیں آئندہ جو لوگ آنے والے ہیں ان کی رہنمائی کے لیے روشنی ہے پھر اس میں بے جا اور اپنے غصہ کی بھری ہوئی باتوں کا لکھنا کتنا ناواجب ہے۔

جان لینا چاہیے کہ ہمارے کلام اللہ میں بہت سے احکام ہیں ان میں سے بعضے عام ہیں اور بعضے خاص ہیں پھر خاص احکام میں بہت تفصیل ہے بعضے محصوص اہل کتاب سے ہیں بعضے خاص عیسائیوں سے ہیں بعضے مشرکین سے ہیں، پھر ان میں سے بھی کئی قسم ہے بعض معاملہ خاص اور وقت خاص کے لیے تھے۔ بعض مکہ کے سوا اور ملکوں کے مشرکوں کے لیے تھے کہ وہ بہ نسبت جمع احکام کے سخت تر تھے۔ پھر جو شخص ہمارے کلام اللہ سے احکام نکالنے چاہے اس پر واجب ہے کہ ان تمام حالات اور جمیع شرائط سے واقف ہو۔ ہمارے ان مہربانوں نے کیا کیا کہ تمام آیتیں قتال وجدال کی جو مشرکین یا خاص مکہ کے مشرکین اور

وقت خاص کے تھیں ان سب کو ہندوستان کے فساد اور عیسائیوں کے قتل پر لکھ دیا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ ان کا مقصد بجز اس کے کہ حکام کو مسلمانوں سے ناراض کریں اور کچھ نہ تھا۔

فضائل جہاد کے لکھنے کا کیا فائدہ ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ جہاد مسلمانوں کا ایک مذہبی مسئلہ ہے۔ اسکے قواعد ایسے قاعدہ پر مبنی ہیں جس میں ذرا بھی دغا اور فریب اور غدر و بغاوت اور بے ایمانی نہیں۔ اس ہندوستانی کی بغاوت کو اس سے کیا علاقہ جو ان آیتوں اور حدیثوں کو ہندوستان کی بغاوت اور اس ہنگامے کی بے ایمانی اور بے رحمی پر لاتے ہیں۔

مجھ کو کمال تعجب ہے ان جنٹلمین لوگوں سے جن کی تہذیب اور حکمت ملکوں میں مشہور ہے اور وہ بے گانہ اپنی تحریر و تقریر میں علانیہ ایک خاص قوم کو الفاظ نا ملائم اور نازیبا لکھتے ہیں اور نہیں ڈرتے اس دن سے جو آنے والا ہے جس میں دل کی برائیاں پوچھی جائیں گی اور کیا جواب دیں گے اس وقت جب حضرت عیسیٰ مسیح پوچھیں گے کہ انجیل مقدس میں یہی میں نے تم کو نصیحت کی تھی جس پر تم چلے تھے۔

قوم کو برا کہنا کیا معنی ہے۔ کوئی قوم ایسی نہیں جس میں اچھے برے سب قسم کے آدمی نہ ہوں۔ یہی مسلمانوں کی قوم جن کو ہمارے مہربان متکلمین اور مصنفین کتب بغاوت نے جو چاہا ہے سو کہا ہے ان میں سے لاکھوں آدمی ایسے ہیں جو ان گناہوں سے جو متکلمین او رمصنفین کتب بغاوت ان کی نسبت نکالتے ہیں اس سے خدا کے سامنے پاک ہیں۔ سیکڑوں آدمیوں نے سرکار کی خیر خواہی میں اپنی جان و مال و عزت و آبرو کی مصیبت اٹھائی پھر تمام قوم کو علانیہ برا کہنا اور خیر خواہ و بدخواہ سب کے دل کو رنجیدہ کرنا کیا معنی ہے۔ حاصل یہ کہ فسادات کو مذہبی باتوں سے کیا علاقہ ہے۔ ایک تقدیری فساد تھا وہ ہوا۔ ہر ایک نے بقدر اپنے رنج و تکلیف کے گو وہ خیال ان کا غلط ہو۔ فساد کیا۔

اور سید خاموش! کوئی مقام شکایت نہیں، واقع میں ہماری شامت اعمال ہے۔ ہمارا دل، ہماری جان گناہوں سے بھر گئی ہے جو کچھ پیش آتا ہے اسی کی مصیبت ہے سچ فرماتا ہے خداتعالیٰ اپنے کلام میں۔

القرآن۔سورۃ رعد، آیت ۱۱،

ان اللـه لا يغبيـر مـا بقوم حتى يغير واما بانفسهم واذا اراد الله بقوم سوء فلا مرد له ومالهم من دونه من دال.

یعنی اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں۔ جو ان کے دل میں ہے اور جب چاہے کسی قوم پر برائی۔ پھر وہ نہیں پھرتی اور کوئی ان کو اس میں مددگار۔

پس خدا ہی کے سامنے اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے۔آمین،۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ میں کہاں تھا اور جولائی قلم مجھے کہاں کھینچ لائی اب بہتر ہے کہ میں اس کو بس کردوں اور جو میرا مطلب ہے اس کو لکھوں۔

منشی امام الدین تحصیلدار مراد آباد

منشی ام الدین صاحب تحصیلدار مراد آبد، یہ افسر زمانہ غدر میں کوتوالی مراد آباد کے تھے۔۱۲ کمبخت مئی ۱۸۵۷ء کو جب میرٹھ میں فساد کی خبر پہنچی تو اسی وقت سے انہوں نے بقاء انتظام سرکاری پر چست کمر باندھی۔ دفعتہ ۱۸ مئی کو ۲۵ یا ۳۰ تلنگہ باغی نمبر ۲۰ بیلی پلٹن کے مظفر نگر سے آئے اور کھیڑہ کے جنگل میں کانگن کے پل کے پاس مقیم ہوئے۔ صاحب میجسٹریٹ بہادر نے ان کی جاسوسی کی تدبیر کی۔ یہ افسر آدھی رات کو تنہا وہاں گئے اور تمام حال تحقیق کر کر لائے اور پھر صاحب میجسٹریٹ بہادر کی ہمراہی میں ان پر حملہ کیا۔ کہ ایک تلگہ مارا گیا۔ اور کوئی تلنگے مع خزانے کے جوان کے پاس تھا گرفتار ہوئے۔ ۱۹ مئی کو جب جیل خانہ ٹوٹا تو نہایت سعی سے بہت سے قیدیوں کو گرفتار کیا۔

۲۱ مئی ۱۸۵۷ء کو ایک گروہ بدمعاشوں کا رام پور سے آیا اور رام گنگا کے کنارہ پر ٹھہرا۔ یہ معلوم ہوا کہ منو نامی بدمعاش نے جو مولوی کے نام سے مشہور تھا ان کو بلایا ہے یہی شعر کہ ہے جس کو ہمارے مہربانوں نے مشہور کیا ہے کہ مراد آباد میں مسلمانوں نے جہاد کیا تھا اور محمد ی جھنڈا کھڑا ہوا تھا۔

یہ منو پوتا تھا مولوی وجیہہ الدین کا اور بھتیجا تھا مولوی اسماعیل کا۔ جو چند برس ہوئے کہ شاہ اودھ کی طرف سے سفیر ہو کر لندن گئے تھے اور وہاں سے مراجعت کے وقت مرے۔ اس منو کا اصلی نام وھاج الدین تھا۔ وضع اس کی ایسی تھی جیسے اچھے بدمعاشوں کی ہوتی ہے۔ مطلق لکھا پڑھا نہ تھا۔ یہاں تک کہ اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتا تھا۔ بدمعاشی کا یہ حال

تھا کہ جرائم سنگین میں دو مرتبہ قید ہو چکا تھا۔ ایک دفعہ دس برس ایک دفعہ سات برس۔ پچھلی قید جیل خانہ میں پوری کی تھی۔ اب ہماری کتاب پڑھنے والے خود انصاف کر لیں گے کہ یہ شخص مسلمانوں کے مذہب کا مولوی اور خدا پرست تھا یا بدمعاش۔

غرض کہ جب اس گروہ کے آنے کی خبر پہنچی تو جناب مسٹر جان کری کرافٹ صاحب بہادر نے بہ جمعیت منشی تاج الدین کے جو بھائی اس افسر کے ہیں ان پر حملہ کیا۔ کچھ لوگ بھاگے کچھ زخمی ہو کر پکڑے گئے۔

اس افسر نے شہر میں بذریعہ اپنے عہدہ کوتوالی کے ایسا انتظام کیا کہ منو کو فرصت ملنے کی ان بدمعاشوں سے نہ ملی۔ اور فی الفور منو کو اپنی کوتوالی کے انتظام سے گھیر کر مار دیا ایک آدمی اور اسکا ہمراہی مارا گیا اور چند گرفتار ہوئے۔

جب کہ انتظام مراد آباد کا بالکل ہاتھ سے جاتا رہا اور حکام میرٹھ تشریف لے گئے تو یہ افسر بھی کوتوالی چھوڑ کر بھاگ گئے اور بدمعاشوں اور فوج نمک حرام کے ڈر سے جنگلوں جنگلوں مخفی رہے۔ پھر موقع پا کر بحضور مسٹر سانڈرس صاحب بہادر جو اس زمانے میں مجسٹریٹ مراد آباد تھے حاضر ہوئے۔ جب مسٹر جان انگلس صاحب بہادر مجسٹریٹ مراد آباد مقرر ہوئے اور حکم روانگی فوج کا روہیل کھنڈ کو صادر ہوا تو صاحب ممدوح کے ساتھ ہمراہ اس فوج کے جو رڑکی میں زیر حکم جنرل جونس صاحب بہادر کے جمع ہوئی تھی مراد آباد میں آئے اور تحصیلدار بلاری مقرر ہوئے۔ پھر بہ سبب ضرورت خاص کے اسی کمپو کے ساتھ ہمراہی مسٹر جان انگلس صاحب بہادر بریلی کو روانہ ہوئے اور شاہجہان پور اور محمدی تک ساتھ رہے اور اس درمیان میں جو کام متعلق ہوا نہایت خیر خواہی سے انجام دیا۔ پھر بدایوں ہوتے ہوئے مراد آباد میں آئے اور خاص مراد آباد کی تحصیلداری پر مقرر ہوئے۔

بعوض اس خیر خواہی کے علاوہ ترقی عہدہ کے ایک ہزار روپیہ کی جمع کا گاؤں سرکار

سے مرحمت ہوا۔

ہماری اس تحریر میں ایک جگہ محمد جھنڈے کا ذکر آیا ضرور ہے کہ ہم اس کا بھی کچھ حال بیان کریں۔ جان لینا چاہیے کہ یہ جو بعضے متکلمین اور مصنفین کتب بغاوت خیال کرتے ہیں کہ محمدی جھنڈے کا کھڑا کرنا کوئی مذہبی بات ہے یہ محض غلط ہے۔ مذہب میں اس طرح پر اس کی کچھ اصل نہیں ایک قدیم دستور تمام قوموں کا ہے کہ جب دو فوجیں جمع ہوتی ہیں۔ ان فوجوں میں نشان ہوتے ہیں۔ ہر ایک قوم کی فوج کا نشان اس کے نام سے مشہور ہوتا ہے۔ یہ جو مشہور کر رکھا ہے کہ واسطے قائم کرنے جہاد کے محمدی جھنڈا کھڑا ہوتا ہے۔ محض بے اصل بات ہے۔

اس تمام ہنگامہ میں میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ جہاں دو غول واسطے آپس کی لڑائی کے جمع ہوئے ہیں سب کے ساتھ نشان تھے ہندو کیا اور مسلمان کیا یہاں تک کہ جب مسلمان ایک غول نے دوسرے مسلمان غول پر چڑھائی کی۔ تب بھی دونوں کے ساتھ نشان تھے۔ مگر یہ مسلمانوں کی بدبختی تھی کہ جہاں جہاں مسلمانوں کے غول میں نشان تھے ان کو متکلمین اور مصنفین کتب بغاوت نے ایک مذہبی بات قرار دی اور محمدی جھنڈا اس کا نام اس طرح پر لیا کہ جس سے ایک مذہبی جہاد کی بات پائی جاوے۔ حالانکہ کیسا جہاد کیسا محمدی جھنڈا جتنے مقدمہ آپس کی لوٹ اور غارت کے قائم ہوئے ان میں سے بہت سوں میں یہی مذکور ہوا کہ خداوند مسلمانوں نے تو ہم پر جہاد کیا تھا۔ وہ تو گاجی بنے تھے ہجور۔ انہوں نے تو محمدی جھنڈا کھڑا کیا تھا ہمارے مہربان متکلمین اور مصنفین کتب بغاوت نے اصلی حال پر غور و فکر نہ کرنا جہاد کا مسلمانوں پر غل مچا دیا اب ہم اس مقام پر اس افسر کی جو رپورٹیں ہوئیں اور جو سٹیفکیٹ اس کو ملے بجنسہٖ نقل کرتے ہیں۔

ترجمہ سٹیفکیٹ سانڈرس صاحب

مجھ کو کمال خوشی ہے در باب تصدیق اس امر کے کہ آخر ماہ مئی اور ابتدائے جون ۱۸۵۷ء میں جب غدر شروع ہوا پہلے بگڑ جانے بلٹن اونتیس کے امام الدین کوتوال مراد آباد ک تھے اور کمال ہی جواں مردی اور جانفشانی سے باوجود مسلمان ہوئے کے خیر خواہی سرکار کرتے رہے اور جس وقت بدمعاشان مراد آباد مع دیگر مسلمانان بسر کردگی مولوی منور مستعد فساد اور آمادہ قتل اور خون ریزی صاحبان انگریز کے ہوئے۔ اس وقت بھی اس شخص نے بلا استدعا معاونت تدبرے قرار واقعی واسطے انسداد فساد کے کری اور معرفت اہالیان پولیس کے ان لوگوں کو گھیر لیا۔ چنانچہ مولوی منو مع دو تین آدمی ہمراہی اپنے مارے گئے اور وہ ہنگامہ کم ہوا۔ ہر گاہ حکام ملکی و جنگی مراد آباد سے تشریف لے گئے۔ اس وقت سے کوتوال مذکور بھی فرار ہو کر مخفی ہو گیا۔ اس نظر سے کہ یہ شخص خیر خواہ سرکار مشہور اور معروف تھا اور مسلمان اس ضلع کے مخالف اس کے تھے۔ تاج الدین داروغہ پل جوان کا بھائی ہے اچھی خیر خواہی کرتا رہا۔ چنانچہ رام پورس پٹھان لوگ جو یہاں آئے اور رام گنگا کے کنارے محاذی شہر مراد آباد کے محمدی جھنڈا کھڑا کرنا ٹھیرایا اسی تاج الدین نے ان کے سرداروں کو روکا تھا۔ غرض ہم نے امام الدین سے بہتر کوئی افسر پولیس نہیں دیکھا۔ اور ہمارے نزدیک مستحق سرفرازی اور لائق عطا انعام کے ہے۔

دستخط سی بی سانڈرس صاحب

مقام دہلی مورخہ سیز دہم مارچ ۱۸۵۸ء

ترجمہ سٹرٹفکیٹ انگلش صاحب

جب سے ہم نے میرٹھ چھوڑا امام الدین کوتوال مراد آباد ہمارے ساتھ رہے اور اس عرصہ میں اچھے اچھے کام کرتے رہے اور پارسال نہایت دلیری اور خیر خواہی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ مستحق ترقی کے ضرور ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہم سے ان کی ترقی کچھ نہیں ہو سکتی۔

دستخط جان انگلس صاحب، مقام بریلی

مورخہ مئی ۱۸۵۸ء

ترجمہ سٹرٹفکیٹ رکٹس صاحب

امام الدین تحصیلدار مراد آباد بروقت غدر کوتوال تھے اور اچھی کارگذاری کی۔ ہم کو بریلی میں ملے تھے۔ اور محمدی اور شاہجہان پور اور بدایوں تک ہمارے ساتھ رہ اور کاروبار متفرق متعلقہ افسر ہمراہی فوج میں ہماری اعانت کرتے رہے۔ غرض بہر حال ہم ان سے بہت راضی رہے۔ اور بروقت پہنچے مراد آباد کے ہم نے کاشی پور میں تحصیلدار مقرر کیا۔ اور وہاں سے خاص مراد آباد میں تبدیل کر لیا۔ غرض دونوں جگہ پر کارگذاری ان کی بہتر ہوئی اور کام فوجداری اور مال میں بخوبی مستعد رہے اور کئی باغیوں کو کوشش کر کے گرفتار کرایا اور اس خیر خواہی اور جواں مردی کے سبب چند اشخاص ان کے دشمن ہو گئے۔ تعجب نہیں کہ وہ لوگ کچھ بدی سے پیش آویں چونکہ ایسے نازک وقت میں ان کی کارگذاری قابل تحسین ہوئی ہے

لہذا ہم کو منظور ہے کہ جو افسر ہمارے بعد اس ناقص اور دغا باز ضلع میں آوے ان کی خاطر ملحوظ رکھے۔

دستخط صاحب رکٹس صاحب

مقام مرادآباد، مورخہ بست ہشتم اکتوبر ۱۸۵۸ء

ترجمہ سٹیفکیٹ کرنیل کوک صاحب

امام الدین تحصیلدار مرادآباد ایام غدر میں خیر خواہ سرکار رہے اور بروقت روانگی فوج زیر حکومت جنرل جونس صاحب بریلی اور ہر ایک موقع پر اچھا کام کرتے رہے اور اپنی خیر خواہی ظاہر کرتے رہے اور جس وقت ک فوج مذکور بریلی سے محمدی اور بدایوں پر چڑھی تب بھی ان کی کارگذاری سے صاحب میجسٹریٹ اور ہم کو بہت آرام ملتا رہا اور ہر ایک مقام پر خبر معتبر پہنچاتے رہے۔ غرض یہ افسر بہت ہوشیار اور نہایت لئیق ہیں۔

دستخط کرنیل جان کوک صاحب

کمانیر مرادآباد، مورخہ یازدھم دسمبر ۱۸۵۸ء

ترجمہ سٹیفکیٹ الیگزینڈر صاحب کمشنر روہیل کھنڈ

ہم کو کمال خوشی ہے اس بات کی تصدیق کی کہ امام الدین تحصیلدار حال نے ایام غدر یعنی ۵۷ء ۵۸ء میں سرکار کی خیر خواہی کی اور پسندیدہ تر یہ ہے کہ باوجود ایسی کارگذاری کے کبھی کچھ خود ستائی نہیں کی اور نہ خواہش انعام کی پیش کی۔ حکام نے بخوشی خاطر جو کچھ مرحمت

فرمایا لے لیا۔ ہم کو امید ہے کہ بدستور سابق نیک نامی سے اپنا کام کرتے رہیں گے۔

دستخط آر۔ الگزینڈر صاحب، کمشنر روہیل کھنڈ

مقام آگرہ۔ مورخہ ماہ اپریل ۱۸۵۹ء

ترجمہ انتخاب فہرست خیر خواہان ضلع مراد آباد

بروقت شروع غدر کے امام الدین کوتوال مراد آباد کے تھے اور بہت خیر خواہی سے اپنا کام انجام دیا۔ چنانچہ جس وقت بدمعاشان مراد آباد نے بامسندی مولوی منو مسلمانوں کو آمادہ قتل انگریزوں کے کیا تو اسی افسر نے بسر کردگی بھوپ سنگ قوم ہندو اور دیگر اہل پولیس کے معرفت باختیار خود مولوی مذکور کو قتل کیا۔ اگرچہ دوبارہ انتظام ہونے کے وقت بعہدہ تحصیداری ترقی ان کی کی گئی ہے الا بطور انعام ایک گاؤں بھی بجمع ایک ہزار روپیہ خاص بریلی ان کے وطن میں مرحمت کیا جاوے تو بہت مناسب ہے۔

نقل مطابق اصل

دستخط جانسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

ترجمہ چٹھی اسٹر بجی صاحب میجسٹریٹ ضلع مراد آباد

مورخہ ۱۸ مئی ۱۸۵۹ء نمبر ۱۴۳ بنام صاحب کمشنر بہادر روہیل کھنڈ۔

بموجب حکم گورنمنٹ مورخہ نوزدھم جنوری ۱۸۵۹ء نمبر ۱۲۱، امام الدین حال تحصیلدار مراد آباد کو ایک گاؤں بجمع ایک ہزار روپیہ واقع بریلی مرحمت ہوا، مگر تصریح نام کسی

گاؤں کی نہیں لکھی۔

دفعہ دوم۔سابق میں اس خیال سے کہ وطن میں امام الدین کا ضلع بریلی ہے یہ تجویز ہوئی تھی۔کہ گاؤں جوان کو مرحمت ہو بریلی میں ہو۔سو یہ بات غلط ہوئی۔کیوں کہ اب معلوم ہوا ہے کہ بزرگ ان کے حقیقت میں بریلی کے تھے،مگر مدت سے مرادآباد میں بودوباش کر لی ہے اور کچھ تعلق بریلی میں نہیں رہا لہذا ان کی درخواست یہ ہے کہ اسی ضلع میں گاؤں بھی مرحمت فرمایا جاوے۔

دفعہ سوم۔چونکہ قبل غدر اور نیز بعد غدر کے اس شخص سے خیرخواہی اور عمدہ کارگذاری عمل میں آئی۔لہذا ہم درخواست کرتے ہیں کہ حکام گورنمنٹ اس درخواست کو منظور فرماویں۔

دستخط جی۔اسٹریچی صاحب مجسٹریٹ

ترجمہ چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ نمبر۸۲۷

مورخہ ۲۴ جون ۱۸۵۹ء بنام کمشنر صاحب روہیل کھنڈ۔

دفعہ اول۔چٹھی آپ کی نمبر ۲۰۷ مورخہ ۲۳ مئی ۱۸۵۹ء اس درخواست سے کہ ایک گاؤں واقوع بریلی بھی ایک ہزار روپیہ جو واسطے دینے امام الدین تحصیلدار کے بطور انعام منظور ہوا ہے۔سو موضع مذکور بہ نظر اس امر کے کہ تحصیلدار مذکور ضلع مرادآباد میں بود باش رکھتا ہے۔اسی ضلع میں مرحمت فرمایا جاوے ہمارے پاس پہنچی۔

دفعہ دوم۔اس کے جواب میں آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے اس درخواست کو منظور فرمایا،مگر چاہیے کہ اب صاحب کلکٹر کو ارشاد کریں کہ بعد تجویز

کرنے گاؤں کے اس کی حیثیت سے ہم کو اطلاع دیں۔

دستخط جی۔ کو پر صاحب۔ سیکرٹری گورنمنٹ

حضرت جہاں پناہ سلامت

بعزعرض می رساند

حضور پر روشن ہے کہ آفریدگار عالم کو انصاف پسند ہے اور ظلم ناپسند۔ اس لیے عرض رسا ہوں کہ جو افسران فوج واسطے قتل مفیدان میم و بچوں وغیرہ کے عرض کرتے ہیں۔ اگر نزدیک حضور انور کے مناسب ہووے تو حضور افسران سے براہ انصاف ارشاد فرماویں کہ سب عرض تمہاری کے مابدولت نے تمہارے سر پر ہاتھ رکھا اور دین کے شریک ہوئے اور ان کے قتل کرنے میں دین ہمارا جاتا ہے۔ ایک فتویٰ اور ایک پیوستہ اس باب میں طلب کرو۔ اگر وہ حکم قتل کا دیویں تو کرو ورنہ ہم خلاف شرح حکم قتل نہ دیویں گے۔ نہیں تو جو تمہارے دل میں حسرت ہے اول مابدولت کے لیے کرو امیدوار کہ افسران فوج سے ساتھ و باغت کے معروضہ بالا ارشاد فرمایا جاوے، واجب تھا عرض کیا۔ آفتاب دولت و اقبال و سلطنت کا تاباں و درخشاں بار۔

عرضے

فدوی۔ نبی بخش خان سفیر حضرت عرش آرام گاہ

یہ بات مشہور ہے کہ جب فوج نمک حرام نے ان لوگوں کے قتل کا ارادہ کیا اور مرزا مجھلے نے جو سلاطین میں سے تھا۔ ان لوگوں کو منع کیا اور کہا کہ کس مذہب میں ان کا مارا جانا درست ہے۔ مگر وہ لوگ مرزا مجھلے کے مارنے پر مستعد ہو گئے اور وہ وہاں سے بھاگ گیا۔

جب دہلی فتح ہوئی اور دفتر بادشاہی سرکار دولت مدار کے قبضہ میں آیا۔ یہ عرضی صاحب کمشنر بہادر کو ہمراہ اور دفتر کے ملی۔ صاحب ممدوح نے فی الفوران نواب صاحب کو

بلایا اور پانچ سو روپیہ انعام دیا اور تمام جائداد چھوڑ دی اور شہر میں رہنے کا حکم دیا اور جو سٹیفکیٹ کہ صاحب ممدوح نے ان کو مرحمت کیا۔ اس مقام پر لکھتے ہیں۔

ترجمہ سٹیفکیٹ عطائے سانڈرس صاحب کمشنر دہلی۔

واضح ہو کہ نواب نبی بخش خاں صاحب امیگر ذی عزت ہیں انہوں نے شاہ دہلی کی خدمت میں ایک عرضی اس مقصد کی گذرانی تھی کہ زن و مرد و اطفال عیسائی جو ماخوذ ہیں آپ ان کو قتل سے بچائیے۔ چنانچہ جس وقت ہم لوگوں نے محل پر چڑھائی کی۔ یہ عرضی اتفاقاً محل سے دستیاب ہوئی یہ کام ان کا پسندیدہ اور لائق تحسین کے ہے۔ بطور انعام عوض اس کام کے مبلغ پانچ سو روپیہ نقد ہم نے عطا کیا اور ہماری درخواست ہے کہ جملہ افسران انگریز ان کی عزت ملحوظ نظر رکھیں اور مع اہل و اطفال شہر میں رہنے دیں۔

دستخط سی۔ بی سانڈرس صاحب

مورخہ پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء

شیخ خیرالدین احمد بہادر

ڈپٹی کلکٹرو ڈپٹی مجسٹریٹ

ان صاحب کی خیرخواہیاں دیکھ کر آدمی نہایت حیران رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سے تمام ہندوستانیوں کو فخر ہے تمام مسلمانوں کو خدا شکر کرنا چاہیے کہ انہی کا ہم قوم ایسا شخص ہے جس کا نظیر شاید ہی کہ اور کوئی نکلے۔

ان کے باپ ۱۷۹۲ء سے سرکار کے نوکر تھے۔ برہما کی فتح کے بعد کمیشن افسر فوج کے ہوئے اور اور ۱۸۲۹ء میں ہنگامہ مہم کابل کام میں آئے یہ صاحب خود بی جانسین پلٹن رجمنٹ ۴۲ میں نوکر تھے اور مہم کابل میں سررشتہ جاسوسی کا بھی ان سے متعلق تھا اور کابل کی بارہ لڑائیوں میں خود شریک و موجود تھے اور ۱۸۴۵ء کی مہم لاہور میں موجود تھے اور ۱۸ دسمبر کو جو لڑائی بدکی پر ہوئی اور ۲۳، ۲۴ دسمبر و یکم فروری ۱۸۴۶ء کو جو لڑائی فیروز پور اور سومیراں پر ہوئی اس میں بھی شامل تھے اور متعدد طمغہ اور ۱۸۵۰ء میں ایک عمدہ تلوار جس پر فتح نامہ کندہ ہیں صلہ میں پائی۔ ۱۸۵۴ء میں سررشتہ ملٹری سے نکل کر شیو راج پور ضلع کان پور میں تحصیلدار ہوئے۔ جب سے اب تک برابر سررشتہ سول میں مامور ہیں۔

۱۸۵۶ء میں بمقام بلیا ضلع غازی پور ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے جب غدر شروع ہوا وہیں کے ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ۲۲ مئی ۱۸۵۷ء کو یہ صاحب اپنے مقام سے صاحب مجسٹریٹ بہادر کی

ملاقات کو غازی پور میں آئے اور حال بلوہ میرٹھ دریافت ہوا اور صاحب مجسٹریٹ بہادر نے وہیں رہنے کا حکم دیا چنانچہ یہ صاحب وہاں رہے اور گشت وانتظام وہاں کا شروع کیا اور دن رات صاحب کے بنگالہ پر مسلح حاضر رہ کر ان کی حفاظت جان کا خاص اپنا ذمہ لیا۔

غازی پور میں اگر فساد ہو جاتا تو علاوہ قتل و خوں ریزی کے بڑی مشکل یہ پیش آتی۔ کہ ڈیڑھ کروڑ روپیہ کی افیون اور پندرہ لاکھ روپیہ نقد جو خزانہ میں تھا سب برباد ہو جاتا اور دخانی کشتی کی آمد ورفت میں بھی چندے ہرج پڑتا، مگر ان صاحب نے وہاں کے انتظام پر نہایت جاں فشانی کی۔ رجمنٹ ٦٥ جو غازی پور میں مقیم تھی، صرف ان کی فہمائش سے تابعدار و خیر خواہ رہی۔ حکام کی اجازت سے خود یہ افسر بہت دفعہ پلٹن میں گئے اور پریٹ جمع کر کر ان کو بہت اچھی اچھی نصیحتوں سے فہمائش کی اور جو شبہ مداخلت مذہب کا ان کے دل میں تھا اس کو بالکل کھو دیا اور باوجودیکہ تمام اضلاع گرد و پیش غازی پور مثل اعظم گڑھ و جونپور و گورکھ پور و بنارس وغیرہ بگڑ گئے مگر ان افسر نے غازی پور کی سپاہ کو بگڑنے نہیں دیا۔

جب بنارس میں امن ہوا تو غازی پور میں بھی تسلی ہوئی۔ اس وقت مسٹر راس صاحب بہادر کلکٹر بنارس نے جون ١٨٥٧ء میں ان افسر کو واسطے انتظام علاقہ بلیا کے روانہ کیا کہ وہاں نہایت مفسدہ برپا تھا۔ یہ صاحب وہاں گئے اور تنہا باوجود نہ ہوئے کمک کے بخوبی انتظام کیا اور موضع چورا کے مفسدوں کے مقابلہ میں بہت سرگرمی کی اور تحصیل مالگذاری جاری کر دی اور جب پلٹن باقر بلیا پر آئی اور نیز جب کہ داناپور کا کمپو یعنی کرا پٹ رجمنٹ ٧ بر دوان رجمنٹ ٨ و پلٹن میرم رجمنٹ ٤٠ بگڑ کر ارہ میں آئی اور کنور سنگھ ان کا سرغنہ ہوا اور جب کہ گیارھواں ہندوستانی رسالہ بگڑ کر مقام نگرا متصل بلیا تک آ پہنچا۔ ان افسر نے اپنی رعایا کو اپنے ساتھ جمع کر کر ان کو روکا اور بلیا کو بچایا اور انتظام سرکاری ہاتھ سے نہ دیا۔ یہ وقت ایسا مشکل کا تھا کہ جب یہ افسر باغیوں کے مقابلہ کو چلے تو اپنی عورتوں اور پانچ لڑکوں

صغیر السن کو خدا کے سپرد کر کر وصیت کی کہ جب میں دنیا میں نہ رہوں۔ تو میرے کنبہ کو حکام انگریزی کے پاس جہاں وہ ہوں پہنچا دینا کیوں کہ ان افسر کو کسی طرح ان موقعوں میں اپنے زندہ بچنے کی توقع نہ تھی اور گورنمنٹ پر اپنی جان نثار کرنے کو تیار تھے۔

جب کہ علاقہ بلیا میں امن ہو گیا اور ضلع گورکھ پور مرکز فساد بنا تو ان افسر نے درخواست کی کہ اب مجھ کو واسطے انتظام کے گورکھ پور میں بھیجا جاوے چنانچہ ۳۱ جنوری کو گورکھ پور پہنچے اور ہمراہ فوج گورکھا واسطے بہم رسانی رسد اور خبر رسانی باغیان متعین ہوئے اور پھر ہمراہ فوج بریگیڈ نے روکرافٹ صاحب بہادر کے ہوئے اور جو لڑائیاں کہ ۲۹ فروری کو بمقام پھول پور اور پانچوے مارکو بمقام امردہ ہوئیں۔ ان سب میں شریک تھے اور جو نتیجہ پچھلی لڑائی میں حاصل ہوا۔ وہ صرف انہی کی خبر رسانی سے ہوا۔ بعد اسکے جو لڑائیاں کہ ۲۵، ۲۹ اپریل کو اسی مقام پر اور پہلی مئی کو بمقام نگر ہوئیں۔ ان میں بھی بہت مردانہ کام کیے اور باغیوں کے نشان بردار کو اپنے ہاتھ سے مار کر نشان چھین لیا اور پھر اموہ کی لڑائی میں جو دسویں جون کو ہوئی اور دیر معیا کی لڑائی میں اور جگدیش پور کی لڑائی میں جو ۲۶ دسمبر کو ہوئی۔ اسی طرح بہادرانہ نے نیپال کے ملک میں باغیوں پر تعاقب کے اور ۲۵، ۲۸ مارچ کو جو لڑائیاں بمقام بوتول ہوئیں ان میں جاں نثاری کو حاضر رہے اور پھر بموجب حکم کمشنر بہادر بمقام لوٹن سرحد نیپال پر واسطے حفاظت اور خبر رسانی باغیان کے متعین ہوئے اور نہایت جاں نثاری سے اس کام کو انجام دیا اور بہت سے باغیوں کو گرفتار کر کر بمقام دھنکھوی حکام انگریزی کے پاس بھیج دیا اور بعد تمام انتظام کے گورکھ پور میں واپس آئے۔

بعوض اس جاں نثاری کے سرکار نے ان کی بڑی قدردانی کی۔ ڈپٹی کلکٹری درجہ سوم سے درجہ دوم پر ترقی کی اور پھر درجہ دورم سے درجہ اول پر ترقی فرمائی اور ایک خلعت چھ پارچہ کا اور مالائے مروارید وجیقہ سرپیچ مرصع اور ایک تلوار قیمتی دو ہزار روپیہ کی جمع کی۔

مرحمت فرمائی چنانچہ اب ہم افسر کے سٹیفکیٹ اور رپورٹوں کی بجنسہ نقل لکھتے ہیں۔

ترجمہ چٹھی جج ٹکر صاحب کمشنر بنام شیخ خیرالدین

مورخہ یکم جون ۱۸۵۷ء۔ مقام بنارس۔

اے عزیز! اسی وقت ایک چٹھی کالون صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر کی ہمارے پاس اس مضمون کی آئی ہے کہ خیرالدین کو ہماری طرف سے اطلاع دو کہ ان کی عمدہ کارگذاری ایام غدر سے ہم بہت خوش ہوئے۔

حقیقت میں ایسے ہی وقت میں نیکی نیکوں کی اور بدی بدوں کی معلوم ہوتی ہے۔ آئندہ کو اس معاملہ میں بخوبی تمیز ہوگئی۔ ہم بھی آپ کی کارگذاری کے نہایت مشکور ہیں۔ آپ دوستان دلی سے ہم کو سمجھتے ہیں۔

دستخط ایچ۔ سی۔ ٹکر صاحب کمشنر بنارس

ترجمہ چٹھی جج راس صاحب۔ مرقومہ

۱۰ جولائی ۱۸۵۷ء مقام غازی پور۔

اے عزیز! تم جو مشکل کے قوت میں بطور کمال وفاداروں اور عزیزوں کے پیش آئے اس بات کی ہم کو بڑ خوشی ہے۔ آپ کی قدر اور منزلت ہم کو پہلے سے معلوم تھی۔ بروقت موقع از روئے تحریر و تقریر آپ کی تعریف روبروے کالون صاحب اور ٹکر صاحب کے کر چکے ہے ں اور اب بھی ارادہ ہے کہ آپ کی کارگذاری اور جاں فشانی کہ اس دو مہینے میں درباب قائم

رکھنے انتظام ضلع اور مددگاری آپ کی بروقت مقام صدر مذکور کی جاوے گی۔

دستخط۔ راس صاحب

ترجمہ چٹھی ییکبٹس صاحب مجسٹریٹ غازی پور مرقوم ۲۶ دسمبر ۱۸۵۷ء نمبر ۲۰۸ بنام کمشنر صاحب بنارس۔

درخواست گذارندہ ڈپٹی مجسٹریٹ علاقہ بلیا بذریعہ چٹھی ہذا آپ کی خدمت میں پہنچتی ہے۔ اگرچہ دریں وجہ اس درخواست کا روکنا نامناسب ہے۔ مگر ہم کو منظور نہیں ہے کہ یہ صاحب دوسرے ضلع میں بدلے جاویں۔ کچھ احوال ان کی کارگذاری کا یہ ہے کہ ایام غدر میں باوجود بگڑ جانے گردونواح کے ان صاح نے اپنے علاقہ کو بگڑنے نہ دیا اور جب ہم کو واسطے گوشمالی مفسدوں کے ضرورت دورہ کی ہوئی تو اس وقت بھی ہم کو بڑی اعانت کی۔ لہذا ہم چاہتے ہیں کہ ترقی ان کی بمشاہرہ پانچ سو روپیہ ماہواری کی جاوے۔ بلکہ ان کی کارگذاری آپ کو اور نیز مسٹر راس صاحب کو بھی معلوم ہوگی کہ یہ شخص صرف بوسلیہ کارگذاری کے اس درجہ پر پہنچا ہے۔ ہمارے نزدیک انکی ترقی ہونا بہت ہی مناسبہے۔ کس واسطے کہ اس شخص نے بذات واحد باوجود فساد چارسو کے نصف ضلع کو تھام لیا اور مالگذاری بھی تحصیل کی۔ غرض ان صاحب کی تبدیلی سے گونہ ہم کو بھی تکلیف ہے۔

دستخط ییکبٹس صاحب

ترجمہ چٹھی صاحب کمشنر بہادر قسمت بنارس بنام سیکرٹری

گورنمنٹ۔ مرقومہ ۲۸ دسمبر ۱۸۵۷ء مقام بنارس۔

دفعہ اول۔ نقل چٹھی کلکٹر غازی پور مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۸۵۷ء بہ درخواست تبدیلی شیخ خیر الدین احمد ڈپٹی کلکٹر و مجسٹریٹ علاقہ بلایا ضلع گورکھ پور مع دیگر چٹھیات بابت کارگذاری ڈپٹی صاحب موصوف و نیز یک قطعہ چٹھی مرقومہ بریٹن صاحب کلکٹر واقع ۲۲ دسمبر ۱۸۵۷ء مع جواب محررہ ۲۴ ماہ مذکور بذریعہ چٹھی ہذا آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔

دفعہ دوم۔ میری رائے نہیں ہے کہ خیر الدین گورکھ پور کو تبدیل کیے جاویں۔ گورکھ پور کا انتظام کرنا مشکل نہیں معلوم ہوتا، احتمال لڑائی کا بھی نہیں ہے۔ کس واسطے کہ جس وقت فوج گورکھ پور بہ سرداری جنگ بہادر صاحب جنرل کے دریائے گندک سے عبور کرے گی ناظم مع اپنے ہمراہیوں کے اودھ کو بھاگ جاویگا۔ اگرچہ خیر الدین سپاہی آدمی ہے، مگر وہاں ان کی کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ علاوہ اس کے گورکھ پور میں سردست انتظام جدید جاری ہوگا اور اس باب میں ان کو دست گاہ بھی کم ہے۔ بدیں نظر ہمارے نزدیک بھی مناسب ہے کہ بدستور بلیا میں رہیں اور غازی پور کی جانب مشرق جوان کا علاقہ ہے اس کا انتظام انہی کا کام ہے اور اس بات میں بہت مستعد ہیں

دفعہ سوم۔ اس غدر میں خیر الدین کی کارگذاری بہت عمدہ ہوئی اور سب حکام حتیٰ کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کو بھی پسند آئی۔ انہی کی کوشش سے رجمنٹ ۶۵ بگڑنے سے بچی۔ غرض کہ ان کی سعی اور جان فشانی حاکم ولایت زا سے کم نہیں ہے۔

دفعہ چہارم۔ پس ہم کو آرزو ہے کہ سرکار بہادر ان کی ترقی بدرجہ اول ڈپٹی کلکٹری مشاہرہ پانچ سو روپیہ پر فرمائے اور اس ہنگامہ میں سرکار کو فیاضی زیبا ہے۔ کیا معنی کہ جیسا کچھ جلد بدخواہتوں کو تدارک ہوتا ہے۔ ویسا ہی جلد نیک خواہوں کو انعام ہونا چاہیے۔ اگر

ایسا نہ ہوگا تو اہل کاران جان فشان کم میسر ہوں گے۔

دستخط۔سی ٹکر صاحب کمشنر

ترجمہ چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ بنام صاحب کمشنر مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۸۵۷ء۔

دفعہ اول۔ بہ جواب چٹھی مرقومہ ۲۸ ماہ حال نمبر ۳۸۰ آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے ترقی شیخ خیر الدین ڈپٹی مجسٹریٹ وکلکٹر درجہ سوم اوپر درجہ دوم بمشاہر مقررہ درجہ مذکورہ منظور فرمائی۔

دفعہ دوم۔ صاحب لفٹنٹ گورنر کی رائے میں شیخ خیر الدین مستحق ترقی درجہ اول کے ضرور ہیں، مگر چونکہ اب تک دو برس ان کو اس عہدہ پر نہیں گذرے لہذا ایکا یک درجہ اول پر ترقی کرنا مناسب نہ ہوا۔

دفعہ سوم۔ چونکہ بریٹن صاحب مجسٹریٹ گورکھ پور نے درخواست کی ہے کہ خیر الدین ضلع گورکھ پور میں ہمارے پاس تبدیل کیے جاویں۔ لہذا تبدیلی ان کی یہ ضلع مذکور منظور ہوئی۔ اگر چہ اس ضلع میں لڑائی کا احتمال نہیں ہے، مگر پھر بھی نواب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر کو احتمال بہت سے خرخشوں کا ہے اور ذہن میں نہیں آتا کہ حکام وہاں کے سردست فرصت بندوبست کی پاویں۔ غرض بر کیف مناسب ہے کہ درخواست صاحب مجسٹریٹ بہادر ضلع گورکھ پور کی منظور کی جاوے۔ بلکہ جس اہل کار کو صاحب موصوف معتبر اور معتمد جان کر اپنی استعانت کے واسطے طلب کریں بھیجنا مناسب ہے۔

دستخط کرنیل اسٹریچی صاحب، سیکرٹری گورنمنٹ ۷ جنوری ۱۸۵۸ء بنام شیخ خیر الدین ڈپٹی کلکٹر و ڈپٹی مجسٹریٹ۔

دفعہ اول۔ مجھ کو کمال خوشی ہے در باب بھیجنے نقل چٹھی اپنی موسومہ گورنمنٹ مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۸۵۷ء اور نقلل اول و دوم و سوم جواب چٹھی مذکور کہ مشعر ترقی درجہ دوم آپ کی ہیں۔

دفعہ دوم۔ آپ کے اس حسن انتظام سے میں بھی کمال ہی خوش ہوا ہوں۔ یہ ترقی آپ کو مبارک ہو۔

دستخط۔ ایچ۔ ٹکر صاحب کمشنر

ترجمہ چٹھی صاحب کمشنر گورکھ پور بنام سیکرٹری گورنمنٹ ہند۔

مرقومہ ۲۲ مارچ ۱۸۵۷ء مقام امرڑہ۔

دفعہ اول۔ درخواست شیخ خیر الدین مشعر تبدیلی ملک اودھ بہ ذریعہ اس چٹھی کے آپ کی خدمت میں بھیجی جاتی ہے۔ جیسی کچھ عمدہ کارگذاری ان سے عمل میں آئی۔ اس کا بیان کرنا عین ہماری خوشی ہے۔

دفعہ دوم۔ جب سے صاحب اس ضلع میں تشریف لائے کرنیل روکرافٹ صاحب کے ہمراہ بہ طور افسر ملکی کے رہے اور لڑائی میں بھی موجود رہے اور سررشتہ جاسوسی صرف ان کی ذات سے متعلق تھا کہ بخوبی انجام دیا۔

دفعہ سوم۔ ان کی خیر خواہی اور وفاداری پر ہم کو ایسا اعتماد اور اعتبار ہے جیسا اپنے

عزیزوں پر ہوتا ہے۔ بہ قیاس کارگذاری سابق اغلب ہے کہ ملک اودھ میں بھی اچھی ہی کارگذاری ہو۔ چونکہ اس کے باشندے سپاہی پیشہ ہیں۔ لہذا بہ نسبت اہل قلم کے سپاہی پر زیادہ اعتماد رکھیں گے۔

دفعہ چہارم ہم چاہتے ہیں کہ درخواست ڈپٹی صاحب موصوف کی منظور فرمائی جاوے اور ترقی انکی بدرجہ اول ملک اودھ میں کی جاوے۔ سابق میں بہ باعث کم ہونے کارگذاری دوسالہ ترقی اس درجہ سے باز رہی تھی۔ سو اب وہ امر بھی نہیں رہا اور دو برس پورے ہو گئے۔

دستخط سی۔ جے وینگ فیلڈ صاحب کمشنر

ترجمہ چٹھی صاحب کمشنر گورکھپور نمبر ۱۷۰

مرقومہ ۱۰ جون ۱۸۵۸ء بنام سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی۔

دفعہ اول۔ سابق ایک قطعہ چٹھی بہ خدمت سیکرٹری گورنمنٹ فارن ڈیپارٹمنٹ میں بہ درخواست تبدیلی شیخ خیرالدین مقام اودھ روانہ کی گئی تھی اور حسب تصریح چٹھیات حاشیہ صاحب چیف کمشنر بہادر سے استمزاج بھی کیا گیا تھا۔ مگر اب معلوم ہوا کہ اودھ میں درجہ اول اکسٹرا اسسٹنٹ کا عہدہ خالی نہیں ہے لہذا صاحب موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر خیر الدین موصوف درجہ دوم پر ترقی اپنی منظور کریں تو ممکن ہے چونکہ اس صورت میں صرپچاس روپیہ کی ترقی ہے۔ لہذا شیخ صاحب موصوف کو قبول اور منظور نہیں ہے۔

دفعہ دوم۔ اب دوبارہ آپ کی خدمت میں گذارش ہے کہ تنخواہ ان کی بہ قدر پانچ سو روپیہ مقرر کی۔ جاوے۔ یعنی ڈیڑھ دوسو روپیہ اضافہ کیا۔ جاوے اور یہ اضافہ بنام مناد

پرسنل الاونس یعنی تنخواہ ذات خاص قرار پاوے اور بملاحظہ چٹھی بھی اسی قدر ترقی ان صاحب کی مدنظر تھی۔ علاوہ اس کے دریافت ہوا ہے کہ پارسک صاحب اور سید محمد معین ڈپٹی کلکٹر کی بھی ترقی اسی قدر ہوئی ہے ان کی کارگذاری خیر الدین کی کارگذاری سے زیادہ نہیں ہے۔

دفعہ سوم۔ اور حکام نے بھی انکی تعریف لکھی ہے۔ ہم بھی لکھتے ہیں اور شاہد ہیں کہ جب سے اس ضلع میں تشریف لائے ہیں۔ اچھے ہی کام کرتے رہے اور علاوہ کاروبار کچہری کے نہایت جاں فشانی سے لوگوں کی بدگمانی کو رفع کر کے۔ مستعد اصلاع اور خیر خواہی کرتے رہے۔

دفعہ چہارم۔ سررشتہ جاسوسی متعلقہ روکرافٹ صاحب جوان کے اہتمام میں تھا۔ یہ وجہ احسن انجام دیا اور جب فوج اموڑہ میں پہنچی اور لڑائی شروع ہوئی آپ سے شریک جنگ رہے

دفعہ پنجم۔ ہم کو احتمال نہیں ہے کہ سرکار مکرر سہ کرر۔ سعی شیخ خیر الدین سے ناراض ہوگئی ، بلکہ یقین کامل اس امر کا ہے کہ اگر ایسے خیر خواہ ہندوستانی کی خیر خواہی مخفی رکھیں تو سرکار کو ناگوار ہو، کس واسطے کہ بہ خلاف ان کے بہت سے اہل کار اس قسم کے باغی ہو گئے۔ لاجرم عمدہ کارگذاری مستحق انعام ہے۔

دفعہ ششم۔ نقل اسناد و چٹھیات واسطے ملاحظہ کے روانہ ہوتی ہیں

دستخط۔ سی جے وینگ فیلڈ صاحب کمشنر

ترجمہ چٹھی میور صاحب، سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی نمبری ۹۴۹

مورخہ ۲۴ جون ۱۸۵۸ء بنام شیخ خیر الدین۔

آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے بہ عوض حسن کار گذاری ضلع گورکھ پور ترقی آپ کی اور پر درجہ اول بہ مشاہرہ چار سو پچاس روپیہ منظور فرمائی ۔

چٹھی وینگ فیلڈ صاحب چیف کمشنر اودھ سابق کمشنر گورکھ پور مرقومہ یکم اپریل ۱۸۵۹ء۔ مقام لکھنو۔ بنام سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی۔

دفعہ اول ۔ ارادہ یہ تھا کہ یہ قبل چھوڑنے ضلع گورکھ پور کے از سر نو آپ کی خدمت میں عمدہ کارگذاری ایام غدر شیخ خیر الدین کی رپورٹ کر کے درخواست انعام کی کریں۔ مگر فرصت نہ ہوئی۔

دفعہ دوم ۔ اگر چہ چھٹیات سابق میں جن کے ذریعہ سے ترقی ان کی بہ درجہ اول ہوئی ہے۔ حال حسن گذاری ان صاحب کا مشرح لکھا گیا ہے، مگر دوبارہ بھی کچھ تذکرہ اس کا کیا جاتا ہے۔

دفعہ سوم ۔ یہ چٹھی تمام سال ۱۸۵۷ء میں ڈپٹی مجسٹریٹ ضلع بلیا کے رہے اور یہ

علاقہ ضلع غازی پور میں شورہ پشت ہے مگران صاحب نے اس علاقہ کو ایسا اپنی حمایت میں لیا کہ ذرا بھی نہ بگڑا۔ چنانچہ بکٹس صاحب کلکٹر اور مسٹر راس صاحب جج اور مسٹر ٹکر صاحب بہادر کمشنر بنارس نے بھی اس کارگذاری کو پسند فرمایا اور انہی صاحبوں کے ذریعہ سے ان کی ترقی بہ درجہ دوم ہوئی تھی۔

دفعہ چہارم فروری ۱۸۵۸ء میں تبدیلی ان کی ضلع گورکھ پور ہوئی کہ تمام سال مذکور ہمراہ بریگیڈیر روکرافٹ صاحب کے موجود رہے اور جب کہ فوج باغیوں کے مقابلہ کو جاتی تھی یہ صاحب بخوشی خاطر ساتھ جاتے تھے۔ علاوہ اس کے کاروبار فوجداری وکلکٹری علاقہ بسی اور انجام امورات سررشتہ جاسوسی میں نہایت سعی جمیل کرتے تھے۔

دفعہ پنجم۔ بروقت اجرائے اشتہار ملکہ معظّمہ چند باغی حاضر ہوئے یعنی جب انہوں نے دلچسپ تقریر سے بدگمانی ان کی رفع کی تو نامی نامی باغی حدود ملک اودھ سے میعاد کے اندر حاضر ہوئے ان کے قول پر بہ نسبت ہمارے زیادہ تر اعتماد تھا۔

دفعہ ششم۔ قدر ومنزلت ان کی اطراف غربی ضلع کے زیادہ ہے اور نتیجہ اس کا یہی تھا جو ظہور میں آیا ہم نے جو اس ضلع کا انتظام کیا اور سرکار نے پسند فرمایا انجام اس کا اغلب یہ معاونت انہی صاحب کے تھا۔

دفعہ ہفتم۔ ابتدائے جنوری سن حال سے ہمدم فوج سینہ سرحد نیپال کے شامل رہے۔ صرف ایک بار چند روز کے واسطے مکان کو تشریف لائے تھے اور آج ہی ہم نے سنا ہے کہ لڑائی پندرہ ماہ گذشتہ مقام پتوال میں شریک فوج کرنیل کیلی صاحب کے تھے۔

دفعہ ہشتم۔ اگرچہ اس طور کے امور ان لوگوں سے نہیں ہو سکتے مگر تاہم بلاخوف جان ایسی ایسی خطرناک جگہ موجود رہے اور کاروبار متعلقہ اپنے کو بھی انجام دیتے رہے۔ غرض کہ ہم انکے بڑے احسان مند ہیں۔ اگر ان کے انعام اور ترقی کے واسطے سفارش نہ کریں تو

کمال بے وفائی ہے لہذا ہم رپورٹ کرتے ہیں کہ بہ طور انعام ذمہ داری مشخصہ پانچ ہزار روپیہ عطا فرمائے جاویں۔

دفعہ نہم۔ چونکہ یہ صاحب پرانے سپاہی ہیں اور رجمنٹ ۴۲ میں مہمات کابل و پنجاب میں موجود رہے اور اس غدر میں بھی باغیوں کے ساتھ سرمو دریغ نہ کیا لہذا علاوہ ذمہ داری مذکور کے ایک قبضہ شمشیر مالیت دو ہزار روپیہ مرحمت فرمایا جائے۔

دفعہ دہم۔ ان صاحب کو ضلع بدایوں اپنے وطن میں لینا زمینداری کا مدنظر ہے۔ ورنہ ملک اودھ میں متصل روہیل کھنڈ کے دی جاوے۔ تو بھی مضائقہ نہیں۔

دستخط سی۔ جے وینگ فیلڈ صاحب

ترجمہ چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی نمبر ۱۵۱

مورخہ ۱۰ مئی ۱۸۵۹ء

بہ نام صاحب کمشنر۔ گورکھ پور۔

دفعہ اول۔ نقل چٹھی وینگ فیلڈ صاحب سابق کمشنر ضلع گورکھ پور مشعر حسن کارگذاری شیخ خیر الدین احمد ڈپٹی مجسٹریٹ ضلع گورکھ پور بہ ذریعہ اس چٹھی کے آپ کی خدمت میں بھیجی جاتی ہے۔ اس کے ملاحظہ سے واضح ہوگا کہ شیخ خیر الدین ہر دم بہ دل و جان خیر خواہی اور بقائے انتظام سرکار میں ساعی رہے اور لڑائی اور خبر رسانی اور اور امورات اہم میں اپنی ہمت اور توانائی اور ہشیاری کام میں لاتے رہے۔

دفعہ دوم۔ واضح ہو کہ مسٹر وینگ فیلڈ صاحب انصاف سے خود مقر ہیں کہ ہم نے انتظام ضلع میں ان کے باعث بڑی مدد پائی۔

دفعہ سو، تم کو ارشاد ہوتا ہے کہ شیخ خیر الدین کو مطلع کر دو کہ بہ لحاظ سفارش صاحب موصوف نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے تجویز فرمایا ہے کہ من جملہ دیہات مضبطہ زمینداری پانچ ہزار روپیہ سالانہ ان صاحب کو مرحمت ہو اور صاحب کمشنر روہیل کھنڈ سے دریافت کیا گیا ہے کہ اس قدر جائیداد مضبط ضلع بدایوں میں موجود ہے یا نہیں اور آپ ایک قبضہ تلوار قیمتی دو ہزار روپیہ واسطے شیخ صاحب موصوف کے خرید کیجیے اور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کی طرف سے ان کو سنا دیجئے کہ سرکار آپ کی اس کارگذاری سے بہت خوش اور انعام دینے میں بہت راضی ہے۔

دفعہ چہارم۔ اور اس بات کی بھی اطلاع کر دینی چاہیے کہ آج ایک چٹھی بہ مراد عطا ہونے لقب خان بہادر آپ کے لیے یہ خدمت نواب گورنر جنرل بہادر بھیجی گئی ہے۔

دستخط۔ جے۔ کوپر صاحب سیکرٹری گورنمنٹ

ترجمہ چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ ہند۔ مقام کلکتہ

نمبری ۳۳۹۵۔ مورخہ ۳۱ مئی ۱۸۵۹ء

بہ نام سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی۔ مقام الہ آباد

یہ جواب چٹھی نمبر ۵۰۷ مورخہ دسویں ماہ حال متضمن ترقی انعام شیخ خیر الدین احمد ڈپٹی مجسٹریٹ ضلع گورکھ پور آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے تجویز لفٹنٹ گورنر بہادر منظور فرما کر ارشاد فرمایا کہ شیخ خیر الدین احمد کو خطاب خان بہادر کا دیا جاوے، علاوہ اس کے خلعت چھ پارچہ مع مالائے مروارید اور سرپیچ مرصع مرحمت کیا جاوے۔ کہ سند مذکور بہ ذریعہ چٹھی ہذا آپ کی خدمت میں پہنچتی ہے۔

دستخط۔ آر سیمسن صاحب سیکرٹری گورنمنٹ

ترجمہ چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی نمبری ۱۱۶۱

مورخہ ۷ جولائی ۱۸۵۹ء۔

بصیغہ چٹھی سابق ۱۰ مئی سن حال۔ نقل چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ کلکتہ مرقوم ۳۱ مئی مع سند جس رو سے شیخ خیر الدین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کو خطاب خان بہادر کا اور خلعت چھ پارچہ و مالائے مروارید و سرپیچ مرصع رو برو امیر کبر نواب گورنر جنرل بہادر سے عطا ہوا ہے بھیج کر لکھا جاتا ہے۔ کہ نواب صاحب موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سند اور خلعت تمام تر تعظیم اور تکریم سے صاحب موصوف کو دربار عام میں دیا جاوے۔

دستخط۔ ایف بی۔ اوترم صاحب نائب سیکرٹری

نقل سند۔

مہر سرکار اعظم و اعلیٰ انگریز بہادر مختیار بالاطلاق نظم و نسق امور ممالک و جزائر ہند ۱۸۲۱

۔

سند خطاب خانی و بہادری بنام شیخ خیر الدین احمد خاں بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ قسمت گورکھ پور بخشیدہ بندگان نواب مستطاب معلیٰ القاب نائب السلطنت و گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ۔

ازاں حاکم بتحریر گورنمنٹ مغربی وشمالی بہ دریافت رسید کہ ایشاں از آغاز بلوہ وفساد در اعانت سرکار باوقار انگریز بہادر کوششہائے از حاضر ماندن بکارزار ورسانیدن اخبار باغیاں اشرار برروہے ظہور آوردہ اندوھم ہرامر صعب ومشکل کہ بایشاں تفویض شدہ بطیب خاطر و تمام تر دلاوری بتقدیم آں پرداختہ اندوایں معنی موجب رضامندی وخوشنودی ایں جانب گردیدہ لاجرم ازرھگذر عنایت ومکرمت خطاب خانی وبہادری مع خلعت فاخرہ بایشاں مبذول ومرحمت گردیدہ سند ہذا سمت امضا پذیرفتہ شکے نیست کہ بازاء چنیں عطیہ عظمٰی وموہبت گبری بیش ازبیش درتقدیم حسن خدمت وخیرخواہی سرکار دولت مدار انگریزی کہ ہرآئینہ منتج نتائج بہ برائے ایشاں خواہد بود خواہند کوشید وایں سند را ذریعہ فخر واعزاز بین الامثال خویش خواہند کوشید وایں سند را ذریعہ فخر واعزاز بین الامثال خویش خواہند شناخت۔ المرقوم سی ویکم مائی مئی ۱۸۵۹۔

العبد:۔ منشی محمد سعید خاں بہادر۔ میر منشی محکمہ معظّمہ محشتعہ نواب گورنر صاحب بہادر دام حشتمہم۔

ترجمہ سٹرٹیفکیٹ عطائے بریگیڈیر روکرافٹ صاحب

کمانیر گورکھ پور۔، مورخہ ۳۰ نومبر ۱۸۵۹ء

فروری ۱۸۵۸ء میں بجائے مسٹر نکلسن صاحب قائمقام ڈپٹی مجسٹریٹ واسطے رسد رسانی وانتظام سررشتہ جاسوسی کے تعیناتی شیخ خیر الدین صاحب بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ ضلع گورکھ پور بہ طور افسر ملکی ہمارے پاس ہوئی تھی۔ صاحب موصوف مقام مہیسر متصل دریائے گھاگرہ حاضر ہو کر مہینہ مئی تک سفر میں اور دسمبر سن مذکور تک حضر میں شامل فوج کے ہر ایک

طرح کی کوشش اور ہماری اعانت کرتے رہے بلکہ جولڑائی باغیوں سے پیش آئی اس میں بھی موجود رہے اور صدہا وقت سے معتبر معتبر خبریں حاصل کرتے رہے۔ خصوصا جنگ اموڑہ کہ ۵ مارچ کو واقع ہوئی انہی کی خبر رسانی پر سامان اور مدار جنگ کیا گیا تھا اور اس جنگ میں مخالفوں کے ساتھ کئی راجا اور بابو پندرہ ہزار فوج اور نوضرب توپ تھیں اور ہمارے پاس صرف بارہ سو فوج اور چار توپیں تھیں۔ باوجود اسکے مخالفوں نے شکست فاش اٹھائی کہ پانچ سو آدمی ان کے مارے گئے۔ اور آٹھ ضرب توپ مع دیگر سامان حرب سرکار کے ہاتھ لگا۔ اسی سب سے ضلع گورکھ پور پر کہ مال دار اور بڑا ضلع ہے محمد حسین ناظم کی بربادی سے محفوظ اور مامون رہا اور نیز مواضعات گردونواح مثل چنپارن وسرن وترہوٹ بھی امن میں رہے۔ ابتدائے مئی لغایت اکتوبر ہنگام سفر بہ مقام بستی باوجود کار کچہری انعام مہمات سررشتہ جاسوسی میں بھی بہت مستعد اور سرگرم رہے اور جبکہ تھوڑی سی فوج مقابلہ باغیوں کو جاتی تھی تو ہم ان کو بھی ہمراہ کردیتے تھے۔

دفعہ دوم۔ وینگ فیلڈ صاحب بہادر سابق کمشنر گورکھ پور حال چیف کمشنر اودھ بھی شیخ خیر الدین کی کارگذاری سے راضی رہے اور ان کی جاں فشانی اور حسن کارگذاری تحریر فرما چکے ہیں اور کوشش بلیغہ درباب اجرائے اشتہار ملکہ معظّمہ اور سعی مرفورہ کے جہت بقائے انتظام ضلع ان سے عمل میں آئی زیب تحریر کرچکے ہیں حکام ضلع مذکور اور ٹکر صاحب کمشنر غازی پوران صاحب سے بہت رضا مند رہے۔ ماہ مارچ واپریل ۱۸۵۹ء میں ہمراہ فوج کرنیل کیلی صاحب موجود تھے۔ ۲۵ مارچ مقام بتوال کی لڑائی میں کہ علاقہ نیپال میں ہوئی شامل تھے۔ سابق میں یہ صاحب رجمنٹ ۴۲ میں بعہدہ حوالدار میجر کے تھے۔ کمال کوشش سے لکھنا پڑھنا انگریزی حاصل کیا اور اس پلٹن کے ساتھ مہم کابل اور پنجاب میں موجود تھے۔ بناء علیہ انکی خیر خواہی اور دلیری اور حسن کارگذاری سے سرکار نے بھی

منصب اور جاگیر ایک شمشیر اور خلعت مع لقب خاں بہادر مرحمت فرمایا۔

دستخط۔ ایف روکرافٹ صاحب بریگیڈیر

تتمہ

ہمارے ان چند صفحوں کو جن میں مذہبی گفتگو ہے۔ میرے دوست ایک مولوی نے دیکھا اور بہت پسند کیا۔ اور کئی عمدہ عمدہ روایتیں مذہبی میرے سامنے پیش کیں اور فرمایا کہ اگر یہ بھی اس میں مندرج ہوتیں تو بہت اچھا ہوتا۔ اس لیے میں بہ کمال خوشی ان روایتوں کو اس تتمہ میں مندرج کرتا ہوں اور اپنے دل کو نہایت مبارکی دیتا ہوں کہ ہمارے مذہب کے عالم میری تحریر کو پسند کرتے ہیں۔

صفحہ ۶ میں اس بات کا ذکر ہے کہ بسبب مغلوب ہونے اہل روم کے جو عیسائی تھے مسلمانوں کو غم ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فارس والوں پر عیسائیوں کو فتح دینے سے مسلمانوں کو خوش کریں گے اور اس کی سند میں جارج سیل صاحب لکھتے ہیں کہ ظن قوی ہے کہ عرب کے لوگ بھی ان سے مخوف تھے کیونکہ ان کا ملک بھی یہود کے ملک کے قریب تھا۔

واضح ہو کہ مسلمانوں کے تئیں عیسائیوں کے مغلوب ہونے میں اس سبب سے غم نہ تھا کہ مسلمانوں کا ملک یہود کے ملک کے قریب تھا اور بسبب اپنے ملک کے اندیشہ کے وہ لوگ خوف اور غم کرتے تھے۔

نہیں بلکہ مسلمان عیسائیوں سے جو اہل کتاب تھے مذہبی انس اور محبت اور اتحاد اور مناسبت رکھتے تھے۔ اس لیے ان کو غم تھا۔ چنانچہ اس کی تفصیل ہماری مذہبی کتابوں میں بخوبی مندرج ہے۔

تفسیر بیضاوی. روی ان فارس غزوا الروم فوا فوهم با ذرعات و بصریٰ و قیل بالجزیرة وهی ادنیٰ ارض الروم من

الفرس فغلبوا عليهم و بلغ الخبر مكة ففرح المشركون و شتموا بالمسلمين وقالوا انتم والنصاریٰ اهل کتاب و نخن و فارس اميون فقد ظهر اخوانـنا على اخوانكم فلنظهرن عليكم.

ترجمہ یعنی کلام اللہ کی تفسیر میں جس کا نام بیضاوی ہے یہ لکھا ہے کہ ان آیتوں کے اترنے کا یہ حال ہے کہ فارس نے روم پر چڑھائی کی۔ دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اذرعات اور بصریٰ میں بعضوں نے کہا کہ ایک جزیرہ پر جو سرحد ہے روم و فارس کی ہے۔ پھر فارس غالب ہوئے روم پر اور پہنچی یہ خبر مکہ میں تب خوش ہوئے مشرک اور برا کہا مسلمانوں کو اور کہا کہ تم اور عیسائی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارس بے کتاب ہیں۔ پس غالب ہوئے ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر۔

پس ہم بھی غالب ہوں گے تم پر۔

تفسير معالم التنزيل سبب نزول هذه الاية على مازكره المفسرون انه كان بين فارس والروم قتال و كان المشركون يودون ان يغلب فارس الروم لان اهل فارس كان مجوسيا اميين و المسلمون يودون غلبة الروم على فارس الكونهم اهل للكتاب فبعث كسرىٰ جيشا الى الروم و استعمل عليحا رجلا يقال له شهر يراز و بعث قيصر جيشا عليهم رجل يدى يعتمش فالتقيا با ذرعات و بصرىٰ وهى

ادنی الشام الی ارض العرب والعجم فغلب فارس الروم فبلغ ذالک المسلمون بمکة فشق علیهم و فرح به کفار مکة وقالو المسلمین انکم اهل کتاب و النصاریٰ اهل کتاب و نحن امیسیون و قد ظهر اخوه انامن اهل فارس علیٰ اخوانکم من اهل الروم وانکم ان قاتلتمو نالنظهرن علیکم نانزل الله تعالیٰ هذا الایات.

ترجمہ۔یعنی قرآن کی تفسیر میں جس کا نام معالم ہے۔ یہ لکھا ہے کہ اس آیت کے اترتے کا سبب یہ ہے کہ روم اور فارس میں لڑائی تھی ۔اور مشرک چاہتے تھے غلبہ فارس کا روم پر، کیونکہ فارس والے مجوسی تھے بے کتاب اور مسلمان چاہتے تھے روم کا فارس پر کیونکہ روم والے اہل کتاب تھے۔ پس کسریٰ فارس کے بادشاہ نے ایک لشکر روم پر بھیجا اور جس کو اس پر سردار کیا اس کا نام تھا شہریراز اور قیصر روم نے بھی لشکر بھیجا اور اس پر ایک شخص کو سردار کیا جس کا نام تھا یمتش پھر دونوں لشکر مقابل ہوئے اذرعات اور بصریٰ پر کہ وہ سرحد شام کی ہے درمیان عرب اور عجم کے، پھر فارس نے روم پر فتح پائی ۔جب یہ خبر مکہ میں مسلمانوں کو پہنچی تو ان کو افسوس ہوا اور خوش ہوئے مکہ کے کافر اور مسلمانوں سے کہا کہ تم بھی اہل کتاب اور اور نصاریٰ بھی اہل کتاب ہیں اور ہم بے کتاب ہیں۔ پس غالب ہوئے ہمارے بھائی فارس والے تمہارے روم والے بھائیوں پر اور اگر تم ہم سے لڑو تو ہم بھی تم پر غالب ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں بھیجیں جن میں یہ

وعدہ کیا کہ ہم عیسائیوں کو فتح دینے سے مسلمانوں کو خوش کریں گے۔
۱۴ صفحہ میں ہم نے یہ بات لکھی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو ہماری گورنمنٹ کے ستامن ہیں، مذہب کے بموجب جہاد نہیں کر سکتے اور اس کے ثبوت پر چند مذہبی کتابوں سے ہم نے سندیں لکھی ہیں۔ مگر ہمارے دوست ان مولوی نے قرآن کی آیت سے اس مطلب کو بخوبی ثابت کیا، چنانچہ ہم اس کو یہاں بیان کرتے ہیں۔

القرآن، سورۃ القصص۔ آیت ۱۵،۱۶۔

ودخل المدينه على حين غفلة من اهلها فوجد فيها رجلين يقتلان هذا من شيعة وهذا من عدوه فاستغاثه الذى شيعتة على الذى من عدوه فوكزه ،موسىٰ فقضىٰ عليه قال هذا من عمل الشيطان انه عدو مضل مبين قال رب انى ظلمت نفسى فاغفرلى فغفرله انه هو الغفور الرحيم.

ترجمہ:۔ اور آیا موسیٰ شہر میں یعنی مصر میں جس وقت بے خبر ہوئے تھے وہاں کے لوگ پھر پائے اس میں دو مرد لڑتے۔ یہ اس کے رفیقوں میں اور یہ اس کے دشمنوں میں۔ پھر فریاد کی آس پاس اس نے جو تھا اس کے رفیقوں میں پھر مکا مارا اس کو موسیٰ نے۔ پھر اس کو تمام کیا۔ بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے۔ بے شک وہ دشمن ہے بہکانے والا۔ صریح بولا۔ اے رب میں نے برا کیا اپنی جان کا۔ سو بخش مجھ کو پھر اس کو بخش دیا۔ بے شک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

یہ قصہ توریت مقدس میں بھی ہے دیکھو کتاب خروج باب ۲ درس ۱۲،۱۳۔
جس شخص کی حضرت موسیؑ نے مدد کی وہ عبری تھا مسلمان اور جس کو مار ڈالا وہ مصری

تھا کافر۔ اب ہمارے مذہب کے بموجب یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حالت لڑائی میں کافر کے مارڈالنے سے حضرت موسیٰ نے کس لیے اپنے تئیں گنہ گار جانا اور خدا سے بخشش چاہی۔

اس کی وجہ تفسیر مدارک میں یہ لکھی ہے کہ حضرت موسیٰؑ مصریوں کے امن میں تھے۔ ان کے تئیں کسی کا قتل کرنا درت نہ تھا۔ پس قرآن سے ثابت ہوا کہ مستامن کو ان لوگوں سے لڑنا یا انکا قتل کرن جن کے امن میں ہے درست نہیں اب اس مقام پر ہم تفسیر مدارک کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

تفسیر مبارک. وانما جعل قتل الکافر عمل الشیطان وسماء ظلما لنفسه و استغفر منه لانه کان مستا منا فیهم فلا یحل له قتل الکافر الحربی.

ترجمہ: یعنی کلام اللہ کی تفسیر میں جس کا نام مدارک ہے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ نے کافر کے قتل کو جو شیطان کے کام سے بنایا اور اس کا نام رکھا ظلم اپنی جان پر اور اپنی بخشش چاہی اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ مصریوں کے امن میں تھے۔ اس لیے حضرت موسیٰ کو اس کافر کا مارنا درست نہ تھا۔

۷ صفحہ پر میں پر میں نے لکھا ہے کہ جب کوئی بادشاہ اپنے زور سے غلبہ پاوے تو اس کی اطاعت کے لیے اس بادشاہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے اور اس کی سند میں تاتارخانی سے ملتقط کی روایت نقل کی ہے۔ ان ہمارے دوست مولوی صاحب نے بیان کیا کہ درمختار نے اس سے بھی زیادہ صراحت سے اس مضمون کو لکھا ہے چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے۔

فتاویٰ در مختار: .ا ان غلبوا علی اموالنا ولو عبدا مومنا واحرزدها بدارهم ملکوها وتفترض علینا اتباعهم.

یعنی درمختار میں ہے کہ اگر غیر مذہب کے لوگ مسلمانوں پر
غالب آویں اور ان کا مال اور ان کے مسلمان غلام پکڑ کر اپنے ملک
میں لے جاویں تو وہ غیر مذہب والے اس مال کے اور مسلمان
غلاموں کے مالک ہو جاتے ہیں اور فرض ہے ہم پر اطاعت ان کی۔

غرض کہ اب ہمارے پاس اس رسالے کے پڑھنے والوں کو بخوبی ثابت ہو گیا ہوگا
کہ اس ہنگامہ فساد ۱۸۵۷ء کو مسلمانل کے مذہب کی طرف نسبت کرنا محض غلطی ہے۔

اشتہار

یہ رسالے فروخت ہوتے ہیں۔ قیمت ہر ایک رسالہ کی دو روپیہ ہے۔ جس شخص کو خریداری منظور ہو دس روپیہ پانچ رسالوں کی قیمت پیشگی بھیج کر مصنف سے طلب کرے۔ جے رسالے چھپ چکے ہیں وہ فی الفور بھیجے جاویں گے اور باقی بروقت چھپنے کے پہنچیں گے ۔

جو مسلمان لوگ اس ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں ہماری گورنمنٹ کے خیر خواہ رہے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ اپنا حال اصل یا نقل صحیح اپنی چٹھیات اور سٹھفکیٹ اور رپورٹوں کی ہمارے پاس بھیج دیں ہم ان کا تذکرہ اپنے رسالوں میں لکھیں گے۔

اگرچہ میرے پاس بہت سے مسلمان کے خیر خواہوں کے حال آئے ہوئے رکھے ہیں اور مجھ کو دو ایک اور گفتگوئیں بہت عمدہ اسی مضامین پر لکھنی ہیں، لیکن اب میں اس رسالہ نمبر دوئم کو ختم کرتا ہوں اور آئندہ رسالہ میں اور خیر خواہوں کے حالات اور وہ گفتگو جو مجھ کو لکھی ہے لکھوں گا۔

حالات خیرخواہان مسلمانان

نمبر سوم

ان دنوں میں مسٹر لانسلاٹ کی کتاب میرے مطالعہ میں تھی ۔اس کتاب میں میری نگاہ سے ایک عہد نامہ گذرا جو مسلمانوں اور عیسائیوں میں اگلے وقت میں ہوا تھا۔ میں اس عہد نامہ کو بجنسہ نقل کرتا ہوں اور اپنے رسالہ کے ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ اگر کسی عربی تاریخ میں اس عہد نامہ کا ذکران کی نگاہ سے گذرا ہو تو مجھے مطلع فرمائیں۔

تفصیل عہد پیمان

جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیسائیوں سے کیا اور اصل اس کی ایک مناستری جو اوپر پہاڑ کارمل کے متصل پہاڑ لبنس کے ہے برآمد ہوئی اور وہ جگہ مکی سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔بعضے یہ بھی کہتے ہیں کہ اصل اس کی کتب خانہ شاہ فرانس میں بھیج دی گئی تھی۔
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو پیغمبر خدا ہیں اور واسطے تعلیم کرنے انسانوں کے اور مشتہر کرنے کلام راست خداوند کریم کے تختہ زمین پر وارد ہوئے انہوں نے اس مراد سے کہ مذہب عیسائی بھی جو خدا کی طرف سے ہے قائم رہے اس کو تحریر کیا۔اور جملہ باشندگان مابین

مشرق اور مغرب کو خواہ اپنے ہوں یا بیگانہ یا دور ہوں یا نزدیک۔ واقف ہوں یا ناواقف یہ کلمہ بطور عہد پیمان کے سپرد کیا جاتا ہے تاکہ اس پر بحث ختم ہووے اور اس کے مطابق انصاف کیا جاوے اور سب لوگ اسی کے موافق کاربند ہوں۔ اگر کوئی مسلمان اس کی تعمیل میں نافرمانی کرے گا اور ہمارے حکم کو بجا نہیں لاوے گا تو واضح رہے کہ وہ منحرف خدا سے ہوگا خواہ بادشاہ ہو یا فقیر۔

اور یہ عہد پیمان حسب منشاء عیسائیوں کے تحریر کیا ہے اور اپنے نام میں اور اپنی امت میں جو امام اور ہادی اور ولی گذر گئے اور آئندہ کو ہوں گے۔ یہ عہد نامہ بہ طور کلمہ خدا و پیغمبر کے قائم کیا گیا۔

اور مراد ہماری یہ ہے کہ یہ عہد پیمان از راہ ایمان قائم رہے۔ جیسا کہ مذہب اور جیسا کہ فرشتہ و ولی و صلحا تعمیل احکام خداوند کریم کرتے ہیں۔ ویسے ہی اس کی بھی تعمیل رہے اور از روئے اس پیمان کے ہم اس بات کا وعدہ کرتے ہیں کہ جو حاکم لوگ ان کے ہمارے ملک میں باشندہ ہیں ان کو ہم امن دیں گے۔ اپنی فوج سوار پیادہ سے اور نیز اپنے فرقہ کے لوگوں سے اور ان کے مخالفوں سے ہم ان کو بچاویں۔ گو کہ دور ہوں یا نزدیک اور لڑائی اور چین میں ان کی محافظت کریں گے اور ان کی عبادت گاہ و مقام کعبۃ اللہ شریف اور خانقاہ وغیرہ گو کہ پہاڑ پر ہو یا زمین پر، یا اندر زمین کے، یا ریت پر، یا کیسا ہی مکان ہو اور ان کے مذب کو اور ان کی جائداد کو۔ جہاں موجود ہو خواہ زمین پر۔ خواہ سمندر پر، مشرقی یا مغربی، ایسا ہی ان کو رکھیں گے۔ جیسا کہ ہم اپنے تئیں رکھتے ہیں اور اپنے لوگوں کو جو ایمان دار ہیں اور از روئے عہد پیمان کے اس بات کا بھی ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہر طرح کی صعوبت و مزاحمت و حملہ سے ان کو پناہ میں رکھیں گے اور جو ان کے اور ہمارے دشمن ہوں گے ان سے مستعد مقابلہ ہوں گے۔ بذات خود اور اپنے و باشندگان ملک کے۔ کس واسطے جبکہ ہم ان پر سردار

مقرر کیے گئے تو ہم پر لازم ہے کہ ہر مصیبت سے انکو امن میں رکھیں اور کس طرح کی مشکل ہو اول ہم پر آویں جب ان پر پڑے۔ کس واسطے کہ ہم سب ایک ہی کام پر مستعد ہیں اور یہ بھی ہم وعدہ کرتے ہیں کہ کسی طرح کی تکلیف بہ باعث قرضہ یا محصول سب طرح سے ان کو محفوظ رکھیں اور جس طرح کا دینا ان کو منظور ہو اسی قدر دیویں۔ تاکہ کوئی ان سے مزاحمت نہ کرنے پاوے۔

جو شخص بشپ۔ یعنی پادریوں کا پیشہ رکھتا ہو وہ اپنے علاقہ سے جدا نہیں ہونے پاوے گا اور نہ کوئی عیسائی جبرا اپنے مذہب کو ترک کرنے پاوے گا۔ اور نہ کوئی منک یعنی درویش اپنے پیشہ سے جدا ہوگا اور نہ کوئی حاجی اپنے حج کے کام میں مزاحمت پاوے گا اور نہ کوئی فقیر اپنے حجرہ میں ایذا پاوے گا اور نہ کوئی مکان عبادت گاہ کا مسمار کر کے مسجد بنائی جاوے اور واضح رہے کہ جو کوئی شخص اس عہد نامہ سے برخلاف کرے گا تو وہ پیغمبر خدا سے مخالف ہوگا اور کسی طرح کا محصول اوپر درویش اور پادریوں کے پیشواؤں سے نہ لیا جاوے گا اور نہ کسی سے جس پر واجب الطلب نہ ہو ہاں اگر وہ خود دیوے تو مضائقہ نہیں اور نجار و جوہری و فروشندہ طلا و نقرہ وغیرہ دیگر متمول عیسائیوں سے صرف بقدر مقدار مناسب محصول لیا جاوے گا۔ زیادہ حیثیت سے نہ لیا جاوے گا اور بارہ شلنگ یعنی چھ روپے سکہ کلدار سے زیادہ سال تمام میں نہ لیا جاوے گا اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ محصول ان لوگوں سے واجب الطلب ہوگا جو باشندہ شہر کے ہوں اور نہ مسافروں اور نہ پردیسیوں سے۔ صرف اس حالت میں لیا جاوے گا جو جائداد اور ملک رکھتے ہیں کہ جس پر بادشاہ کو خراج دینا لازم ہو۔ مگر حیثیت سے زیادہ نہیں۔

اور رفیقوں پر یہ ضرور نہیں ہوگا کہ ہمراہ مسلمان کے ان کے دشمنوں سے جنگ کرے۔ کس واسطے یہ کام رفیقوں پر لازم نہیں ہے کہ جنگ کے معاملہ میں شریک ہوں۔ بلکہ خاص

کر مطلب اس عہد نامہ کا یہ ہے کہ ان لوگوں پر ظلم نہ ہووے اور مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان کی حفاظت کریں اور امن میں رکھیں۔ لہذا ان لوگوں سے امداد واسطہ مقابلہ غنیم کے واسطے بیادہ یا سواران کے طلب نہیں کی جاوے گی لیکن جو وہ از خود مدد میں شریک ہوں تو مضائقہ نہیں اور جو ایسا کریں گے ان کے واسطے انعام ہوگا اور لازم ہے کہ کوئی مسلمان عیسائی کو تنگ نہ کرے۔ کسی طرح کی ان کو ایذا نہ پہنچاوے بہر کیف مہربانی اور درستی کے پیش آوے۔

اگر کسی عیسائی سے کوئی قصور سرزد ہووے تو مسلمان پر واجب ہوگا کہ اس کی مدد میں شریک ہوں اور سفارش کریں اور ضامن ہوں و بہ صورت مناسب اس کی خطا معاف کرا دیں و بعوض خون کے بھی جان بخشی ہو کر اس سے تاوان لیا جاوے۔ نہ ہو کہ اس سے جدا ہو کر بلا درد چھوڑ دیویں کس واسطے ان لوگوں کے ساتھ عہد نامہ خدا کا ہوا ہے۔ پس مناسب ہے کہ ہر ایک مصیبت اور آرام میں شریک رہیں۔

بہر حال بموجب اس عہد نامہ کے واجب ہے کہ ہر طرح کے رنج سے ان لوگوں یعنی عیسائیوں کو امن میں رکھو اور نیک کام ان کے ساتھ کرو اور شفقت سے پیش آؤ۔ کس واسطے کہ یہ عہد نامہ اگرچہ بدرخواست عیسائیوں کے قرار پایا ہے مگر بہر کیف مناسب اور واجب ہے لہذا اس کو برقرار رکھنا سب پر لازم ہے۔ ہر حالت میں مسلمان لوگ ان کے ساتھ رہیں اور رنج اور راحت میں شریک رہیں۔

اس بات پر کمال لحاظ رکھنا چاہیے کہ در باب شادی کے کس طرح کی زیادتی ان لوگوں کے ساتھ عمل میں نہ آوے۔ یعنی مسلمان کو نہ چاہیے کہ جبراً ان کی دختر ان سے شادی کریں۔ اگر ایسا پیغام ہووے بھی واسطے شادی دختر یا پسر۔ اور وہ انکار کرے تو یہ باعث اس انکار کے کچھ سختی ان کے ساتھ نہ کرے۔ کس واسطے کہ یہ امر اختیاری ہے اور رضامندی پر

منحصر ہے۔

اگر ایسا ہووے کہ عورت عیسائی مسلمان کو خاوند کر لیوے تو اس خاوند کو لازم ہے کہ ہرگز اس کے مذہب میں خلل نہ ہو۔ بلکہ اس عورت کو اختیار رہوگا کہ موافق اپنے مذہب اور حسب تعلیم اپنے پادری کے کار منصبی مذہبی میں کاربند رہے۔ بلا ہرج ومزاحمت کسی طرح کے۔

پس خاوند کو نہ چاہیے کہ یہ باعث طلاق دے دینے یا خوشامد کے اس کو واسطہ چھوڑ دینے مذہب ترغیب کرے۔ اگر برخلاف حکم کے کرے گا۔ تو عہد پیمان پیغمبر خدا سے دشمنائی کرے گا اور کلام خدا کو ناچیز سمجھے گا تو کافر ہوگا۔

علاوہ اس کے جس وقت عیسائی لوگ اپنے مکانات عبادت گاہ کو مرمت کیا چاہیں اور ضرورت امداد مسلمانوں کی ہو تو مسلمان کو چاہیے کہ حسب حیثیت ان کے مدد میں شریک ہوں۔ اس نیت سے نہ ہوں کہ جو دیویں پھر وہ واپس پاویں گے۔ بلکہ نذر اللہ تا کہ ثابت ہو۔ کہ وہ ان کے مذہب کے برخلاف نہیں ہے اور نیز اس خیال سے کہ اس طرح کے کرنے میں بجا آوری احکام خدا ورسول ہے۔ اگر عیسائی مسلمانوں کے بیچ میں رہتے ہوں تو ان کو ایذا پہنچاویں اور جبرا کسی طرح کا بیکاری کار ان سے نہ لیویں مثلا خط پہنچانا۔ یا راہ بتلانا اور واضح رہے اگر کوئی اس طرح پر ان سے پیش آوے گا۔ تو وہ ظالم متصور ہوگا اور دشمن پیغمبر خدا۔

غرض کہ یہ عہد نامہ جب شرائط بالا کے قرار پایا ہے۔ مابین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر خدا عیسائیوں کے اور عیسائیوں کی جانب سے تعمیل شرائط مفصلہ ذیل ان پر مناسب ہے۔ کوئی سپاہی جو مسلمانوں کا غنیم ہووے عیسائی اسے اپنے مکان میں خفیہ یا علانیہ آنے نہ دیویں اور نہ اس کی خاطر کریں۔ نہ ان لوگوں کو جو مسلمانوں کے دشمن ہوں۔ بہ حالت

مسافری اپنے مکان میں نہ ٹھہراویں۔ نہ اپنی عبادت گاہ میں اور نہ خفیہ ان کے دشمنوں کو مدد دیویں۔ ہتیار یا گھوڑے یا اور سامان جنگ سے اور نہ ان کے پاس کسی طرح کی آمد و رفت رکھیں۔ از روئے تحریر یا اقرار نامہ۔ مگر ایام جنگ میں لازم ہوگا۔ عیسائیوں کو امن میں جا رہیں اور حفاظت کریں اپنی اور اپنے مذہب کی۔

اور ان کو لازم ہوگا کہ مسلمان مسافر اور ان کے جانور کو تین روز تک اپنے پاس ٹھہراویں اور خورد و نوش سے خاطر کریں اور ان کو مصیبت اور تکلیف سے پناہ دیویں۔ اگر کسی مسلمان پر ایسی مصیبت پڑے کہ اس کو روپوش ہونا ضرور ہو تو اس کو اپنے مکان میں پناہ دیویں اور آرام سے رکھیں۔ نہ اس کے دشمن کے پاس اس کو پہنچاویں یا اس کی مخبری کریں۔

غرض کہ اسی طور پر دیانت اور امانت سے چاہیے کہ عیسائی مطابق ان شرائط کے عمل درآمد کرتے رہیں۔ اگر کوئی امر برخلاف اس کے وہ کریں گے تو جس قدر آرام ان کے واسطے از روے اس عہد نامہ کے تجویز کیا گیا ہے وہ ضبط کر لیا جاوے گا پھر مستحق نہ ہوویںگے حاصل کرنے ان باتوں کے جو نسبت ان کے پادریوں کے لکھا گیا ہے اور نیز ان لوگوں کو جو اہل قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔

لہذا ہم اپنے ایمان داروں کو از روئے ایمان یہ بات قرار دیتے ہیں۔ باسم خدا اور اس کے پیغمبر کے کہ اس عہد نامہ کی شرائط کو بہر کیف برقرار رکھیں گے اور تعمیل اس کی کریں گے۔ جب تک دنیا قائم ہے اور اس فرماں برداری کے عوض پیغمبر خدا سے ثمرہ پاویں گے اور عاقبت تک اس قول اقرار پر قائم رہیں۔

واضح رہے کہ یہ عہد پیمان بہ گواہی اشخاص مفصلہ ذیل کے تحریر پائی۔

ابوبکر بن قحافہؓ۔ عمر بن خطابؓ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ علی بن ابو طالب کرم اللہ وجہ۔ معاویہ بن سفیان۔ اصحاب پیغمبر خدا۔ تحریر کنندہ اول روز چاند کے چوتھے مہینہ ہجری

مقام مدینہ خدا خوش رکھے ان لوگوں کو جن کی گواہی اس پر تحریر ہوئی اور سایہ رہے خدا کا ان پر جو اس کے مطیع ہیں۔ یہ عہد نامہ منتخب کیا گیا ہے اس کتاب سے جس کا نام ہے تواریخ حال شروعات قوم محمدی۔

اور راقم ہے اس کا وہ شخص جنہوں نے یہودی کے حال کی تواریخ لکھی ہے اور نام ان کا لانس لٹ اڈیسن صاحب ۱۶۹۷ء میں مسٹر جارج تھارپ صاحب نے اس کتاب کو مطبع کیا تھا

شیخ تاج الدین

یہ وہ صاحب ہیں جن کا ذکر مسٹر ساڈرس صاحب نے اپنے سٹیفکیٹ موسومہ منشی امام الدین تحصیلدار مراد آباد میں لکھا ہے اور جس کی نقل ہمارے رسالہ نمبر دو کے صفحہ ۴۸ میں مندرج ہے۔

جب غدر ہوا تو یہ صاحب مراد میں رام گنگا کے پل کے داروغہ تھے۔ جب رام پور کے پٹھان بدمعاشوں کے غول نے فساد مچانے کے ارادہ سے مراد آباد میں آنا چاہا اور رام گنگا کے بائیں کنارے تک آپہنچے تو جان کری کرافٹ ولسن صاحب ان کے مقابلہ کو روانہ ہوئے۔ یہ صاحب گھاٹ پر سے ان کے ساتھ ہوئے اور ان بدمعاشوں سے بہ مقابلہ پیش آئے۔ بہادر خاں جو سرکردہ ان بدمعاشوں کا تھا۔ اس نے مسٹر ولسن صاحب پر حملہ کیا۔ عین حملہ کرنے میں شیخ تاج الدین نے نہایت دلاوری سے دو زخم کاری تلوار کے اس کو مارے اور اس کو گرا دیا۔ ان بدمعاشوں کے سردار کا یہ حال ہوتے ہی وہ سب بھاگ نکلے۔ پانچ آدمی ان کے گرفتار ہوئے اور اس افسر کی دلاوری سے جو فساد کہ ان مفسدوں نے کرنا چاہا

تھا۔ نہ ہونے پایا۔

سٹیفکیٹ جو اس افسر کو دیے گئے۔ ان میں یہ بات لکھی ہے کہ اس افسر نے بہادر خاں کے تلوار اس وقت ماری جب کہ اس پر ایک سپاہی رجمنٹ ۲۹ حربہ کر چکا تھا۔ مگر اصلیت اس معاملہ کی یہ ہے کہ اسی افسر نے اس کو زخمی کر گرایا۔ کسی سپاہی کا اس میں شمول نہ تھا۔ سپاہی کا ذکر ایک اور سبب سے لکھا گیا ہے۔ جس کو مسٹر ولسن صاحب بہادر خوب جانتے ہیں۔

یہ وہی ہنگامہ ہے۔ جو مراد آباد میں جہاد قائم ہونے کے نام سے مشہور ہے۔ مگر جو لوگ عقلمند ہیں وہ دیکھیں گے کہ خود مسلمان اس ہنگامہ کے برخلاف مقابلہ اور مقاتلہ اور محاربہ پر موجود تھے اور اس بات سے خود سمجھ لیں گے کہ آیا انصاف اجازت دیتا ہے کہ اس قسم کے بدمعاشوں کے ہنگاموں کو مسلمانوں کا مذہبی جہاد کہا جاوے۔

بہ عوض اس خیر خواہی کے گورنمنٹ نے اس افسر کی بہت عزت کی اور اس قدر کی اور داروغگی پل سے اوپر عہدہ تھانیداری کاشی پور کے ترقی کی اور دو ہزار روپیہ نقد انعام میں مرحمت فرمایا۔

اب اس مقام پر ہم اس افسر کے سرٹیفکیٹوں اور رپورٹوں کی جو حکام نے مرحمت فرمائے بعینہ نقل کرتے ہیں۔

ترجمہ سٹیفکیٹ سانڈرس صاحب بہادر

مورخہ ۱۸ مارچ ۱۸۵۹ء۔

مقام دہلی۔

مجھ کو کمال خوشی ہے در باب تصدیق اس امر کے کہ آخر ماہ مئی اور ابتدائے ماہ جون ۱۸۵۷ء میں جب غدر شروع ہوا۔ پہلے بگڑ جانے پلٹن ۲۹ کے امام الدین کوتوال مراد آباد کے تھے اور کمال ہی جواں مردی اور جاں فشانی سے باوجود مسلمان ہوئے کے خیر خواہی سرکار کرتے ہے۔ اور جس وقت بدمعاشان مراد آباد مع دیگر مسلمانان بہ سرگروہی مولوی منو مستعد فساد اور آمادہ قتل وخوں ریزی صاحبان انگریز کے ہوئے اس وقت بھی اس شخص نے بلا استدعا معاونت تدبیر قرار واقعی واسطہ انسداد فساد کے کری۔ اور معرفت اہالیان پولیس کے ان لوگوں کو گھیر لیا چنانچہ مولوی منو مع دو تین آدمی ہمراہی اپنے کے مارے گئے۔ اور ہو ہنگامہ کم ہوا ہو گاہ کہ حکام ملکی وجنگی مراد آباد سے تشریف لے گے۔ اس وقت کوتوال مذکور بھی فرار ہو کر مخفی ہو گیا۔ اس نظر سے کہ یہ شخص خیر خواہ سرکار مشہور ومعروف تھا اور مسلمان اس ضلع کے مخالف اس کے تھے۔ تاج الدین داروغہ پل جوان کا بھائی ہے انہوں نے بھی اچھی خیر خواہی کری۔ چنانچہ رام پور سے پٹھان لوگ جو یہاں آئے اور رام گنگا کے کنارے محاذی شہر مراد آباد کے محمدی جھنڈا کھڑا کرنا ٹھہرایا۔ اسی تاج الدین نے ان کے سرداروں کو روکا تھا ۔غرض کہ ہم نے امام الدین سے بہتر کوئی افسر پولیس نہیں دیکھا۔ اور ہمارے نزدیک مستحق سرفرازی اور لائق عطائے انعام کے ہے۔

دستخط۔ سی۔ ی سانڈرس صاحب

قائمقام کمشنر دہلیل ۔سابق مجسٹریٹ کلکٹر ضلع مرادآباد
نقل مطابق اصل

دستخط جی رکٹ صاحب مجسٹریٹ

ترجمہ چٹھی خوشنودی عطا کردہ ولسن صاحب بہادر

تاج الدین بعہدہ داروغہ پل کشتی واقع مرادآباد کے ماموار تھا اور تاریخ بست یکم مئی ۱۸۵۷ء کو بقید دو ہزار غازی مرادآباد پر چڑھ آئے ۔ یہ سرداری بہادر خاں جو کوتوالی رام پور کا برق انداز ہ تھا۔اس شخص نے ہم کو گولی مارنے کا ارادہ کیا۔مگر کالکا سنگھ سپاہی پلٹن ۲۹ کمپنی نے ان کو گرالیا۔ بعد تاج الدین نے اس کے گلے پر دو ضرب تلوار کی لگائی ۔مگر ہم نے سنا ہے کہ یہ بہادر خان اپنی مجروہی سے اچھا ہو گیا اور اب رام پور میں موجود ہے مگر البتہ تاج الدین نے اس وقت بڑی دلاوری کی اور مناسب ہے جملہ حکام انگریز اس شخص کی پرورش کریں ۔کس واسطے کہ اگر غازی دریا سے عبور کر پاتے تو غالب ہے کہ شہر مرادآباد لٹ جاتا اور صاحبان انگریز ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے ۔

دستخط جی ۔سی ولسن صاحب اسپیشل کمشنر

مورخہ بست پنجم اکتوبر ۵۸ کیمپ مرادآباد

چٹھی ڈاکٹر کین صاحب بہ نام ولیم صاحب کمشنر

یہ صاحب جو آپ کے پاس پہنچتے ہیں شیخ امام الدین صاحب ہیں ۔ جو سابق میں

مراد آباد کے کوتوال رہے۔ اگر کسی شخص قوم مسلمان نے ایام غدر میں سرکار کے ساتھ خیر خواہی کری۔ تو اسی نے کری۔ اوران صاحب کو مع اپنے بھائی تاج الدین کے آپ کے سلام کا اشتیاق ہے اور چار روز قبل چھوڑنے مراد آباد کے امام الدین نے شہر میں مولوی کو گولی سے مارا اور تاج الدین جو رام گنگا کے پل کے داروغہ تھے۔ انہوں نے ایک غازی کو قتل کیا جو ارادہ مار ڈالنے ولسن صاحب کا رکھتا ھتا۔

دستخط۔ اینچ۔ ایم کین صاحب

ترجمہ چٹھی صاحب مجسٹریٹ مراد آباد، بہ نام کمشنر صاحب روہیل کھنڈ۔

مورخہ ۱۵ اپریل ۱۸۵۹ء نمبر ۱۱۶۔

جو استفسار سرکار گورنمنٹ نے کیا ہے۔ بیچ چٹھی سیکرٹری مورخہ ۱۹ جنوری ۱۸۵۹ء دفعہ ۱۶ معرفت چٹھی صاحب کمشنر نمبر ۱۳۴ مورخہ ہشتم ماہ مارچ ۵۹ کی ہمارے پاس پہنچی اس کا جواب اب ہم گذارش کرتے ہیں۔

مسمی تاج الدین داراغہ پل کشتی مراد آباد کے تھے۔ اس ایام میں جب انتظام ضلع کا سپرد نواب رام پور کے کیا گیا تھا اور سابق میں ہمارے سامنے بھی بہت دنوں سے اسی عہدہ پر مامور رہے تھے اور اسی داروغائی میں بروز بست یکم مئی ۱۸۵۷ء انہوں نے وہ عمدہ کار گذاری دکھلائی جس کی رپورٹ سابق میں ہو چکی اور برابر ایام غدر میں یہ خیر خواہ رہے اور جب از سر نو انتظام سرکار کا ہوا اچھا کام کرتے رہے۔

دستخط جان اسٹریچی صاحب مجسٹریٹ

انتخاب فہرست خیر خواہاں ضلع مراد آباد

کیفیت یہ نسبت تاج الدین۔ یہ شخص رام گنگا کے پل کے داروغہ تھا اور تاریخ بست یکم مئی ۱۸۵۷ء کو جب کہ دو ہزار آدمی غازی بہ سرداری بہادر خاں کے چڑھ آئے۔ جنہوں نے ارادہ مارنے گولی ولسن صاحب کا کیا تھا۔ تو اس وقت میں تاج الدین نے دو ضرب تلوار کی اس کے گلے پر کھینچ ماری۔ جب ایک سپاہی پلٹن ۲۹ نے اس کو گرا لیا تھا۔ غرض کہ ایسی دلیری اس ایام میں بہر حال قابل پسندیدگی تھی اور ولسن صاحب بھی اس کے بہت مشکور ہوئے اور یہ کام بہت عمدہ سمجھا اور اس شخص کو ۴۵ روپیہ مشاہرہ داروغائی کا ملتا ہے اور یہ بھی ان کے واسطے تجویز ہوئی ہے کہ ۲۵ روپیہ بہ طور پنشن کے سرکار سے اس کو مرحمت ہوں تو برابر اپنی زندگی تک پائے جاوے۔ خواہ کسی جگہ نوکر ہو یا نہ ہو اور بہر حال یہ شخص مستحق ہے پانے اس انعام کا جو اس کے واسطے تجویز کیا گیا ہے۔ اور حکام ضلع سے لائق رعایت کے ہے ان کو چاہیے کہ ان کے دشمنوں سے ان کو امن دیویں کس واسطے کہ بہ باعث ان کی خیر خواہی کے کئی لوگ ان کے دشمن بن رہے ہیں۔

انتخاب چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی

بہ نام صاحب کمشنر روہیل کھنڈ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۸۵۹ء

دفعہ شانزدھم

نواب لفٹنٹ گورنر بہادر ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ رپورٹ کیجیے نسبت کارگذاری و چل طریقہ تاج الدین داروغہ بعد بست

یکم مئی ۱۸۵۷ء۔

نقل مطابق اصل

دستخط جان سین صاحب ڈپٹی کلکٹر

ترجمہ چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ مورخہ یازدھم جولائی ۱۸۵۹ ءنمبر ۹۱۰۔

بہ نام کمشنر صاحب روہیل کھنڈ۔

چٹھی آپ کی مورخہ بست یکم جون نمبر ۲۴۷ نسبت چلن رویہ تاج الدین داروغہ بعد بست یکم مئی ۱۸۵۷ء کے ورود ہوئی اور یہ جواب اس کے آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ بعد ملاحظہ جملہ روئداد کے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر انعام مبلغ دو ہزار روپیہ اس شخص کے واسطے مقرر فرماتے ہیں۔حسب تجویز صاحب کمشنر سابق۔

دستخط۔جی۔کوپر صاحب سیکرٹری گورنمنٹ

نقل اسی چٹھی کی پاس صاحب مجسٹریٹ مردا آباد کے بھیجی گئی تھی بہ ذریعہ ڈاکٹ

صاحب کمشنر مورخہ بستم جولائی ۱۸۵۹ء۔

نقل مطابق اصل

دستخط۔ جان سین صاحب ڈپٹی کلکٹر

سید تراب علی۔ ڈپٹی کلکٹر بہادر ضلع بجنور۔

جب غدر ہوا یہ صاحب خاص بجنور کے تحصیلدار تھے ابتدائے غدر سی انتہا تک خیر خواہی سرکار پر بہت چست و چالاک رہے۔ یہ لوگ انہی لوگوں میں سے ہیں جن کی نسبت مسٹر شکسپئر صاحب بہادر ارقام فرماتے ہیں کہ کسی وقت ان صاحبوں کو اس بات کا وسوسہ نہیں ہوا کہ انجام کار سرکار غالب نہ رہے۔ جب مسلمان افسروں نے بروقت زیادہ شورش ہونے کے ضلع بجنور میں دن رات صاحب کلکٹر بہادر کی کوٹھی پر رہنا اختیار کیا۔ اور رات کو گشت کرتے اور پہرہ دیتے اور حکام کی اور جناب میم صاحبہ اور بچوں کی حفاظت کا خاص اپنے ذمے اہتمام لیا۔ انہی افسروں میں کے ایک یہ افسر ہیں جب جیل خانہ ٹوٹا اور قیدیوں نے تلواریں اور بندوقیں لے کر حربہ کرنا شروع کیا۔ اور جناب مسٹر شیکسپئر صاحب بہادر نے دلیرانہ جیل خانہ میں گھسنا میرا فرض ہے۔

جب کہ پرگنہ منڈاور میں اور گوجروں نے بہت زیادہ شورش کی اور اکتیس مئی ۱۸۵۷ء کو جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر ان کے دفعیہ کے لیے تشریف فرما ہوئے تو یہ افسران کے ساتھ تھے اور برابر میدان میں مقابلہ کرتے رہے اور بندوقوں کے فائر سے بدمعاشوں کو مجروح و مقتول کیا اور اس شورش کے دفعیہ میں بہت کوشش مردانہ کام میں لائے۔

بعد تشریف فرما ہوئے حکام کے اور پڑنے متواتر صدموں اور آفتوں کے جب یہ افسر نگینہ میں باغیوں کے چنگل میں پھنس گئے تو باوصف سختی حفاظت کے سرکار کی خیر خواہی سے ہاتھ نہ اٹھا اور دلی خیر خواہی وہاں بھی کام میں لاتے رہے اور نہایت مشکل سے خفیہ

وہاں کی خبریں تحریری اور بذریعہ پیغام زبانی جناب صاحب کلکٹر بہادر پاس بمقام میرٹھ بھیجتے رہے اور جب قابو ملا فی الفو لشکر میں حاضر ہوئے۔ اس زمانہ میں سرکاری لشکر بہ مقام روڑکی تھا۔

ان کے آنے سے تمام لشکر اور خصوصا جناب مسٹر شیکسپئر صاحب بہادر اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کو نہایت خوشی ہوئی کیوں کہ باغیوں کے ہاتھ سے ان کا زندہ رہنا بہت کم توقع کیا گیا تھا۔ جب سے برابر لشکر کے ساتھ رہے اور نگینہ کی لڑائی میں جو اکیسویں اپریل ۱۸۵۸ء کو واقع ہوئی۔ ہم رکاب جناب صاحب کلکٹر بہادر لشکر مقدم کے ساتھ بفتح و فیروزی نگینہ میں داخل ہوئے جناب صاحب کلکٹر بہادر نے اس نازک وقت میں تمام نگینہ کا انتظام ان کے سپرد کیا اور انہوں نے نہایت ہوشیاری اور خیر خواہی سے اس کو انجام دیا۔

یہ عوض اس خیر خواہی کے سرکار دولت مدار نے جیسا کہ چاہیے ان افسر کی قدر و منزلت کی۔ فی الفور آنریری ڈپٹی کلکٹر مقرر کیا اور پچاس روپیہ ماہواری تنخواہ میں اضافہ فرمایا اور خلعت پانچ پارچہ مع کلاہ چارقب اور تین رقم جواہر اور شمشیر زرنگار قیمتی ایک ہزار روپیہ کا اور پچیس سو روپیہ سالانہ جمع کی دیہات زمینداری عطا فرمائی اور پھر اسی ضلع کا مستقل ڈپٹی کلکٹر مقرر فرمایا، چنانچہ سٹرفکیٹ اور رپورٹ ہائے مفصلہ ذیل سے ہماری اس تحریر کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔

ترجمہ چٹھی شیکسپئر صاحب مجسٹریٹ ضلع بجنور

بہ نام صاحب کمشنر بہادر روہیل کھنڈ۔ مرقومہ ۵ جون ۱۸۵۸ء۔
مقام بریلی نمبر ۵۶۔

دفعہ دوم۔ جس تحقیقات کے واسطے آپ نے لکھا ہے اس کی تلاش میں البتہ کچھ عرصہ گزرے گا۔ لہذا ہم آپ کی خدمت میں بلا توقف گزارش کرتے ہیں درباب ان اہل کاروں کے جنہوں نے غدر میں عمدہ کام کیے اور اپنی ناموری حاصل کی۔

دفعہ سوم۔ نقشہ معمولی ارسال کرتے ہیں۔ نسبت رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر ضلع بجنور اور سید احمد خاں صاحب صدر امین اور میر تراب علی صاحب تحصیلدار ضلع بجنور کے اور حالات تفصیل ذیل تحریر کیے جاتے ہیں کہ موید اس کے ہیں۔

دفعہ چہارم۔ جو صورت اس ضلع کی وقت شروع غدر کے تھی آپ کو بخوبی روشن ہے۔ فوج سرکاری یہاں کچھ نہ تھی اس سبب سے کچھ اندیشہ ایسے امر کا نہ ہوا۔ اور نہ کچھ تدبیر کرنی پڑی صرف دو مرتبہ البتہ اندیشہ ہوا تھا۔ جب چند نفر تلنگہ تھوڑے دنوں کے واسطے یہاں آئے تھے۔ بہت ضروری یہ تدبیر تھی کہ بندوبست ضلع کا بدستور قائم رہے۔ اور کسی وجہ کی بدعت اور دنگہ نواب صاحب اور ان کے لواحقین کی جانب سے نہ ہونے پاوے تو ایسا سامان جس سے یہ تدبیر کامل ہوسکتی اس وقت بہت مشکل تھا اور ضرورت اشد تھی کہ خبر معتبر نسبت ارادہ اور حال ہر قسم کے لوگوں کی ہم کو پہنچا کرے چنانچہ افسران موصوف سے مشورہ اس امر کا کیا اور ان افسروں نے اس مشقت کے وقت میں ایسی عمدہ خدمت ہماری کی کہ جس کا بیان مفصل نہیں ہوسکتا ہم کو یقین کامل ہے کہ اگر افسران موصوف ہماری خدمت نہ کرتے تو اتنی مدت تک صاحبان انگریز کا اس ضلع میں ٹھہرنا بہت دشوار تھا اور انہی تین صاحب سے واسطہ تدبیر مناسب کی اس وقت بھی مشاورت کی گئی تھی جب ضلع کا حال بگڑنے لگا۔ اور معلوم ہوا کہ نواب صاحب مسلح سپاہیوں کو بھرتی کرتے ہیں کیونکہ اس صورت میں خبرداری بہت ہی لازم تھی اور نیز جس وقت سپاہیان رجمنٹ ۲۹ سہارن پور سے مراد آباد کو اس ضلع کی راہ سے آئے اور جیل خانہ ٹوٹ گیا اور خزانہ سرکاری کنویں میں ڈالنا مناسب معلوم ہوا اور

چند تلنگہ اس پلٹن کے ہماری مدد کے واسطے بھیجے گئے۔ غرض ان ہر ایک وقت میں یہ تینوں صاحب بہت ہوشیاری و جواں مردی کر کے ہمارے ساتھ مستعد رہے۔ آخرش جس رات کو ہم نے کمپو چھوڑنا مناسب جانا اگر صدر امین صاحب درمیان میں نہ ہوتے تو یقین تھا کہ نواب صاحب اپنے اہل کاران کو ہدایت کرنے کی اجازت دیتے اور اغلب تھا کہ ہماری جان پر ضرور صدمہ پہنچتا۔

دفعہ پنجم۔ جب کہ ہم نے کمپو چھوڑ دیا تو ان تین صاحب نے بھی چھوڑ دیا۔ چنانچہ ڈپٹی صاحب ہلدور کو جہاں راجپوت رہتے ہیں تشریف لے گئے اور صدر امین صاحب و تحصیلدار صاحب نے موضع بسر گڑھ میں پناہ لی۔ دو صاحب ان میں سے عیال دار بن بھی تھے۔ اس سبب سے سردست ہمارے ساتھ نہ چل سکے تھے۔ بلکہ ان کا چلنا مناسب نہ تھا کس واسطے کہ ان دنوں میں خبر گرم تھی کہ صبح شام میں دہلی فتح ہونے والی ہے اور ہم نے اس ضلع کو نواب صاحب کے سپرد اس امید پر کیا تھا کہ وہ کسی طرح کی حرکت نہ کریں۔ غرض اس صورت میں مناسب بھی تھا کہ حکام اہل ہند جو معتمد ہوں اس ضلع میں موجود رہیں۔

دفعہ ششم۔ جب کہ دہلی فتح ہوئی۔ تو اس ضلع کے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھ گیا اور ان افسروں کا وہاں رہنا بھی مشکل ہوا۔ بلکہ بست نہم جون کو جب قریب چار سو آدمی جہادی میر خاں سرگروہ کے ساتھ واسطے جانے دہلی کے اس ضلع میں آئے تھے۔ اس وقت ان صاحبوں کو جان کا بھی خوف تھا اور ۶ اگست تک جب نواب بجنور بھاگا۔ تب تک یہ افسر علانیہ خیر خواہی سرکار کہ نہ کر سکے۔ مگر بہت مشکل کے ساتھ حکام ضلع کو خبر دیتے رہے۔ کسی وقت میں ان صاحبوں کو وسوسہ نہیں ہوا۔ کہ انجام کار سرکار غالب نہ رہے۔

باقی جو اس دفعہ کا مضمون ہے وہ متعلق ڈپٹی صاحب و صدر امین صاحب کے ہے۔

دفعہ ہشتم۔ قبل از جنگ ہلدور کے تراب علی تحصیلدار نگینہ کو واسطے لانے عیال و اطفال

کے چلے گئے تھے جن کو انھوں نے پیشتر سے وہاں روانہ کر دیا تھا۔ جب حکام انگریز کمپو سے چلے گئے تھے۔ مگر اس مقام پر اس طور سے زیر نظر رہے کہ آنا ان کا دشوار ہوا۔ مگر شروع مہینے مارچ میں موقعہ پا کر مراد آباد کو فرار ہو گئے۔ وہاں سے ہمارے پاس روڑکی میں آ گئے۔

دفعہ ۱۷۔ اس افسر نے مدرسہ آگرہ میں تعلیم پائی اول نوکری سرکار ۱۸۴۲ء میں کری اور جلدی ان کی ترقی ہوتی رہی اور سررشتہ دار فوجداری و نظامت کے ضلع متھرا میں رہے وہاں سے ۵۵ء میں بجنور کے تحصیلدار ہوئے اور اسناد خوشنودی مزاج حکام سے حاصل کرتے رہے۔

دفعہ ۱۹۔ تراب علی کا حقیقی بھائی سید ضامن علی وقت شروع غدر ضلع بڑائچ ملک اودھ میں تحصیلدار تھے۔ وہاں سے جب فرار ہونا مناسب ہوا تو مسٹر ونگ فیلڈ صاحب کمشنر بڑائچ کے ہمراہ رہے۔ یہ اضلاع اعظم گڑھ و گورکھ پور اور چچا تراب علی کے صابت علی مدھیل گڑھ ضلع میں تحصیلدار تھے۔ ہاتھ سے باغیوں کے قتل ہوئے اور ارشاد علی چچا زاد ایک صاحب ان کے یگانوں میں سے ناگ پور میں ڈپٹی کلکٹر اور ایک صاحب محکمہ کمشنری جبل پور میں سررشتہ دار اور ایک صاحب پرگنہ مہابن ضلع متھرا میں تحصیلدار ہیں اور یہ سب صاحب ایام غدر میں خیر خواہ سرکار رہے۔

دفعہ ۲۰۔ قبل غدر کے تراب علی صاحب کا امتحان واسطے عہدہ ڈپٹی کلکٹری کے ہوا تھا اور جوابات بند سوال پر جوان کے ہوئے تھے۔ وہ شروع ماہ مئی ۵۷ء میں واسطے ملاحظہ حکام صدر بورڈ کے روانہ ہوئے۔ ہم کو یقین ہے کہ اگر وہ کاغذات برآمد ہو جاویں۔ تو اسکے ملاحظہ سے لیاقت اس شخص کے واسطے اس عہد جلیل کے ثابت ہو جاوے۔ کس واسطے کہ وہ جوابات ہمارے ملاحظہ سے گذرے تھے۔ ہم کو خوب یاد پڑتا ہے کہ جوابات ان کے بہت معقول تھے اور ان سے مترشح ہوتا تھا کہ ان کو واقفیت کار سرکار میں بدرجہ کمال ہے اور واقعی

میں کچھ شک نہیں کہ بڑے مستعد افسر ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ان کی ترقی بہ عہدہ ڈپٹی کلکٹری ہوجاوے اور ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ضلع متھرا یا آگرہ میں ان کوزمینداری عطا کی جاوے کہ جس سے سوروپیہ ماہواری کی ان کو منفعت ہوتی رہے اگر یہ امر غیر ممکن ہو اور اس قسم کی زمینداری میسر نہ ہوتو ہمارے نزدیک مناسب ہے کہ بہ عوض خیر خواہی وحسن کار گذاری ایام غدر سوروپیہ ماہواری بطور پنشن تاحین حیات ان کو دیا جایا کرے۔

دستخط۔ای۔شیکسپئر صاحب مجسٹریٹ کلکٹر انتخاب دفعہ دوم۔چٹھی صاحب کلکٹر ضلع بجنور بنام صاحب کمشنر روہیل کھنڈ۔مورخہ ۱۳ جون ۵۸ ء نمبر ۷۵۔

دفعہ دوم۔یقین ہے کہ جو ہم نے تجویز کیا ہے وہ بخوبی صاف ہے اور واسطے رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر وتراب علی تحصیلدار کے جو انعام تجویز کیا ہے وہ بہ حساب نصف تنخواہ کے ہے۔

ترجمہ چٹھی سیکرٹری صدر بورڈ۔بنام صاحب کلکٹر بجنور نمبر ۱۶۹

مورخہ دوسری جولائی ۵۷ ء۔

دفعہ اول۔چٹھی تمہاری مورخہ یازدھم جون نمبر ۱۰۶ ملاحظہ میں گذری صاحبان بورڈ کو کمال خوشی ہوئی۔کہ اس طرح کی کارگذاری جانب افسران مفصلہ ذیل سے ظہور میں آئی۔یعنی محمد رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صاحب آئی۔یعنی محمد رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صاحب صدر امین ضلع بجنور و میر تراب علی صاحب

تحصیلدار بجنور۔

دفعہ دوم ۔ بہ ملاحظہ انتخاب روبکار محکمہ صدر بورڈ مورخہ ۱۹ مئی ۵۷ ء جولف چٹھی ہذا کی ہے آپ کو واضح ہو کہ امتحان تراب علی کا تسلیم ہوا۔

دستخط ۔ ڈبلیو ۔ ایچ ۔ لو صاحب سیکرٹری انتخاب روبکاری صدر بورڈ در باب ترقی تراب علی تحصیلدار ۱۶۶۔

چٹھی صاحب کلکٹر بجنور کی آئی ۔ مورخہ ۲۸ اپریل ۵۷ ء یہ جواب چٹھی صدر بورڈ مورخہ ۲ ماہ مذکور مع نقل بند سوال و جوابات تراب علی نمبر ۱۶۷ چٹھی بنام صاحب کمشنر روہیل کھنڈ کے لکھی گئی کہ امتحان تراب علی کا درست آیا اور قابل ترقی درجہ دوم تحصیلداری کے ہیں۔ صاحب کمشنر اگر مناسب سمجھیں تو درخواست حسب ضابطہ واسطے عطائے اختیار خاص کے بھیجیں۔

تصدیق انتخاب دستخطی ۔ ای ۔ جی فریز رصاحب نائب سیکرٹری۔

ترجمہ۔ چٹھی صاحب کلکٹر بجنور۔ بنام صاحب کمشنر روہیل کھنڈ

مورخہ ۱۴ جولائی ۵۸ ء ۔ نمبر ۹۰۔

بہ لحاظ انتخاب روبکاری محکمہ صدر بورڈ کے ہم ضابطہ آپ سے استدعا کرتے ہیں کہ میر تراب علی صاحب تحصیلدار بجنور کو اختیار خاص مطابق ضمن ۳ دفعہ ۲ قانون ہشتم ۱۸۴۱ ء کے دیا جاوے اور جس قدر خیر خواہی اس شخص کی ایام غدر میں ہوئی تھی ۔ وہ آپ کو روشن

ہے۔ چنانچہ اس کا حال ہم نے اپنی چٹھی مورخہ ۵ جون ۵۸ء میں مفصل تحریر کیا ہے۔ اب زیادہ تذکرہ کرنا فضول ہے۔

دستخط۔ ای۔ شیکسپئر صاحب

انتخاب چٹھی صاحب کمشنر روہیل کھنڈ۔ بنام۔ سیکرٹری گورنمنٹ الہ آباد،

مورخہ ۱۴ جولائی ۱۸۵۸ء مقام بریلی۔

دفعہ سوم۔ اگرچہ ان تینوں صاحبوں کے حال سے ہم کو بذات خود ایسا علم نہیں ہے جیسا شیکسپئر صاحب کو ہے۔ مگر جب ہم نینی تال پہاڑ پر تھے تو البتہ ہم کو دریافت ہوا تھا۔ کہ یہ تینوں صاحب برابر خیر خواہ سرکار کے رہے۔ کسی طرح ان پر حرف نہ آنے پایا۔ حالاں کہ کئی مرتبہ ان کی جان پر بھی نوبت صدمہ کی پہنچی اور جو کچھ ان کا اسباب اس ضلع میں تھا لٹ گیا۔

دفعہ چہارم۔ مجھ کو ملاقات تینوں صاحبوں سے ہے اور جو ان کی تعریف میں شیکسپئر صاحب نے لکھا ہے وہ ہم بھی تصدیق کر سکتے ہیں۔ چنانچہ میر تراب علی نے ترقی ہمارے ہاتھ سے پائی۔ جب ہم متھرا میں کلکٹر تھے۔

دفعہ پنجم۔ جو انعام شیکسپئر صاحب نے ان کے واسطے تجویز کیا ہے ہمارے نزدیک بھی مناسب ہے اور واسطے منظوری کے ہم رپورٹ کرتے ہیں۔

ترجمہ چٹھی صاحب کمشنر روہیل کھنڈ۔ بہ نام سیکرٹری صاحب گورنمنٹ مقام الہ آباد۔

مورخہ ٦ جولائی ۵۸ءمقام بریلی۔

اس مہینے کی پہلی تاریخ میں نے آپ کو چٹھی لکھی تھی۔ درباب انعام چند افسران کے بہ عوض خیر خواہی وحسن کارگذاری ایام غدر۔ سواب ہم انتخاب روبکار محکمہ صدر بورڈ کے بھی بھیجتے ہیں۔ جس سے واضح ہوگا کہ میر تراب علی تحصیلدار ضلع بجنور کے عہدہ جلیل القدر کے لائق متصور ہوئے۔

دستخط۔ آر۔ الیگزینڈر صاحب کمشنر۔

چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ۔ بہ نام کمشنر روہیل کھنڈ۔

مورخہ ۲۹ جولائی ۵۸ء نمبر ۲۷۵۳۔

دوقطعہ چٹھی آپ کی مورخہ پہلی و چھٹی جولائی نمبر ۹۴ و ۱۰۰ نسبت عمدہ کارگذاری سید احمد خاں صدرامین و محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر و میر تراب علی تحصیلدار بجنور کے ملاحظہ میں گذری۔

دفعہ دوم۔ امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر کی رائے مطابق رائے آپ کی وکلکٹر بجنور کی ہے اور واقعی میں حسن کارگذاری ان تینوں صاحبوں کی لائق پسند کے ہے۔ دفعہ ۳، ۴ اس چٹھی کے متعلق ڈپٹی کلکٹر وصدرامین کے ہے۔

دفعہ پنجم۔ انتخاب رپورٹ صاحب مجسٹریٹ کے پاس صاحب کمشنر آگرہ کے بھیج دی گئی ہے۔ اس مراد سے کہ متھرا یا آگرہ کے ضلع میں ملکیت بھی دو ہزار پانچ سو روپیہ سالانہ واسطے میر تراب علی کے تجویز کی جاوے۔

دفعہ ششم۔ علاوہ اس کے گورنر جنرل بہادر تراب علی کو لقب ڈپٹی کلکٹری کا دیتے ہیں

اور صاحبان بورڈ کو فہمائش کی جاوے گی کہ بروقت خالی ہونے کے یہ صاحب بالاستقلال مقرر کیے جاویں، بالفعل ان کو اجازت ہوتی ہے کہ تحصیلدار بھی رہیں اور اختیار ڈپٹی کلٹر و ڈپٹی مجسٹریٹ کا بھی حاصل رکھیں اور واسطے اس فاضل کام کے پچاس روپیہ ماہواری ان کی تنخواہ کا اضافہ کا گیا۔

دستخط۔ ڈبلیو۔ میور صاحب۔ سیکرٹری گورنمنٹ

نقل مطابق اصل

دستخط۔ جے۔ کلارک ہیڈ کلرک

نقل النقل

دستخط شیکسپئر صاحب کلکٹر۔

نقل سند عطائے خلعت

میر صاحب مشفق مہربان مخلصان سید تراب علی ڈپٹی کلکٹر بجنور سلمہ اللہ تعالیٰ۔

بعد اشتیاق بہجت آیات واضح رہے۔ خاطر باد بموجب حکم جناب متطاب معلیٰ القاب نواب گورنر جنرل بہادر بہ تاریخ ۱۶ مارچ ۱۸۵۹ء جناب صدر کمشنر بہادر روہیل کھنڈ نے باجلاس عام خلعت پانچ پارچہ و تین رقم جواہر مفصلہ ذیل بنظر خیر خواہی آپ کو عطا کیا۔ اس واسطے یہ خط حسب ضابطہ سند بنام آپ کے تسطیر ہوا۔ بطور سند اپنے پاس رکھو۔

تفصیل خلعت

پارچہ	جواہر	کلاہ چارقب	گوشوار
جیغہ			

۵ ۳ ۱ ۱ ۱

سرپیچ نیم آستین دوشالہ دوشالہ مالائے مروارید پٹکہ

۱ ۱ ۱ ۱ ۱

شمشیر مع پرتلہ

۱

مرقومہ ۱۵ اپریل ۱۸۵۹

(Copy)

G. Palmer

Magistrate and Collector.

شیخ امیر علی۔ تحصیلدار پیلی بھیت

جب غدر ہوا۔ یہ صاحب پیلی بھیت کے تحصیلدار تھے۔ میرٹھ کے بلوہ کی خبر پہنچتے ہی یہ افسر دل و جان سے انتظام پیلی بھیت پر مصروف ہوئے اور رات کا گشت اور صاحب جائنٹ مجسٹریٹ بہادر کی کوٹھی کی حفاظت کرتے رہے۔ ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کو رات کے وقت بریلی کے بلوہ کی خبر پیلی بھیت میں پہنچی اور وہاں بھی بدانتظامی شروع ہوئی اور حاصب جائنٹ مجسٹریٹ بہادر نے نینی تال تشریف لے جانے کا ارادہ کیا، باوجود اس کے کہ ان افسر کے زن و فرزند سب پیلی بھیت میں تھے۔ ان کو تنہا خدا پر چھوڑا اور صاحب ممدوح کے ساتھ ہو کر روانہ نینی تال ہوئے اور موضع بڑا مجھلیا میں میم صاحبہ کے ساتھ جا ملے۔ جو محمد ذکریا خاں کے ہمراہ وہاں تک جا پہنچیں تھیں اور وہاں سے بخیر و عافیت ۳ جون ۱۸۵۷ء کو طرح طرح کے تردداب اٹھا کر نینی تال پہنچے اور ابتداء سے انتہا تک بخدمت حکام نینی تال پر حاضر رہے اور پھر ہمراہ فوج بریگیڈیر کوک صاحب بہادر پیلی بھیت تشریف لے گئے اور باوجو یکہ فوج باغی وہاں سے بہت قریب تھی۔ یہ افسر تنہا وہاں چھوڑے گئے اور وہاں سے بہت قریب تھی۔ یہ افسر تنہا وہاں چھوڑے گئے اور وہاں کا انتظام ان افسر کے اور محمد عبداللہ خاں صاحب کے سپرد ہوا اور تمام حکام ان کی دلی خیر خواہی اور حسن کارگذاری کے مشکور رہے۔

بہ عوض اس خیر خواہی کے ان افسر کو بہ موجب رپورٹ مسٹر کارمیکل صاحب بہادر کے زمینداری جمعی دو ہزار روپیہ سالانہ کی اور ہزار روپیہ کا خلعت بابت حسن کارگذاری قبل

غدر اور پانچ سو روپیہ کا خلعت عین دربار گورنری میں بمقام فرخ آباد اور تین ہزار روپیہ جمع کی زمینداری، بموجب رپورٹ مسٹر لو صاحب بہادر جائنٹ مجسٹریٹ پیلی بھیت مرحمت ہوئی اور نام نامی ان کا فہرست امیدواران ڈپٹی کلکٹری میں مندرج ہوا۔

نقول ان کے سرٹیفکیٹوں کی ذیل میں درج ہیں۔

انتخاب رپورٹ صاحب کمشنر روہیل کھنڈ

دفعہ ۲۴۔ اول درجہ میں افسران مفصلہ ذیل کا نام داخل ہوا۔ یعنی بدرالدین کوتوال بریلی۔ امیر علی تحصیلدار پیلی بھیت عبداللہ خاں، کوتوال پیلی بھیت۔ ذکریا خاں پیشکار جہاں آباد سوائے ان کے چند آدمی سوار پیادگان جو مسٹر کارمیکل صاحب کے ساتھ نینی تال کو گئے اور وہاں ٹھہرے رہے۔

دفعہ ۲۵۔ یہ جملہ افسران قابل تعریف کے ہیں۔ کس واسطے کہ ان کو اجازت دی گئی تھی کہ نینی تال سے لوٹ جاویں۔ مگر انھوں نے لوٹ جانا قبول نہ کیا اور اپنے تئیں حاضر رکھتا خدمت میں حکام انگریز کے پسند کیا اور بہت تکلیف اٹھائی چنانچہ سب کے واسطے انعام تجویز کیا ہوا ہے۔ لازم ہے کہ یادگاری ان کی حسن کارگذاری اور دلی خیرخواہی کے قائم رہے۔

ترجمہ سرٹیفکیٹ مسٹر الیگزینڈر صاحب کمشنر کھنڈ

مورخہ ۳۰ مارچ ۵۰ء مقام بریلی۔

شیخ امین علی تحصیلدار پیلی بھیت کے رہے۔ ہمارے عہد کمشنری میں اور ہم کو کمال خوشی ہوتی ہے۔ اسی چٹھی کے لکھنے میں تاکہ صاحب کشنر آئندہ سے ان پر نظر عنایت کی رکھیں اور کاغذات سررشتہ سرکاری سے حسن کارگذاری ان کی ایام غدر میں بہ خوبی واضح ہوگئی اور بعد اس کے کئی مرتبہ حکام ضلع نے ان کی تعریف کری۔ بہ نسبت چست چالاکی اور لیاقت اور تدبیر مناسب کہ جس کی رو سے انتظام شہر پیلی بھیت کا اور نیز سرحد ضلع کا کیا گیا اور جب کبھی ہماری ان سے گفتگو و مشورہ ہوتا رہا۔ تو ان کو صاحب عزت و لئیق و معتبر پایا۔ نہ کچھ خوشا مدی اگر بہ دستور انگریز کو راضی رکھیں گے اور ترقی پاویں تو ہم کو کمال خوشی ہوگی۔

دستخط الیگزینڈر صاحب کمشنر

سرٹیفکیٹ کرنیل اسمٹ صاحب، مورخہ ۲ جون ۵۹ء۔

جس وقت ہماری کمان سرحد ضلع پر تھی تو شیخ امیر علی تحصیلدار پیلی بھیت سے ہم نے بہت مدد پائی اور اس بات کی صداقت میں کمال خوشی ہوتی ہے۔

دستخط۔ جے ڈبلیو اسمٹ کرنیل کمان پیلی بھیت

ترجمہ سرٹیفکیٹ میجر ٹیلن صاحب کمانیر ۱۷۔ پلٹن پنجابی

مورخہ ۳۱ اگست ۱۸۵۹ء۔ مقام پیلی بھیت۔

واضح رہے کہ امیر علی تحصیلدار پیلی بھیت سے چودہ مہینے سے ہماری ملاقات ہے۔ بہت نیک چلن اور لئیق ہیں۔ ہمارے نزدیک ہوشیار افسر ہیں اور ایام غدر میں اچھا کام کیا۔

دستخط۔ رابرٹ سپنس صاحب

سرٹیفکیٹ میجر کراسمین کمان رسالہ روہیل کھنڈ۔ مورخہ ۳۰ جنوری۔ ۱۸۶۰ء۔ مقام پیلی بھیت۔

شیخ امیر علی کو ہم تین برس سے زیادہ سے پہنچانتے ہیں اور اکثر ان سے آمد و رفت خطوط کی ہوتی رہتی ہے اور کمال خیر خواہی کے ساتھ انہوں نے حسن کارگذاری دکھلائی اور کارمیکل صاحب کی جان بچائی اور ان کے پاس نینی تال میں موجود رہے۔ جب تک از سر نو عملداری سرکار پیلی بھیت میں ہوئی۔ چنانچہ بہ عوض اس کے انعام بھی سرکار نے عطا فرمایا اور فی الحقیقت کمال صاحب اخلاق ہیں اور مہربانی توجہ کے ساتھ پیش آتے رہے

دستخط۔ میجر کراس مین

ترجمہ سٹیفکیٹ مسٹر لوصاحب، مقام، پیلی بھیت

مورخہ ۲۷ فروری ۶۰ء۔

جو کہ ہم عنقریب ولایت جانے والے ہیں۔ ہم سے شیخ امیر علی نے جو تحصیلدار و ڈپٹی مجسٹریٹ پیی بھیت کے ہیں۔ استدعا سٹیفکیٹ کی کری۔ چنانچہ ہم ان کی نسبت لکھتے ہیں۔ کہ ان کو ہم نے مددگار اپنا ایسا پایا کہ جو صاحب دانا اور عقیل اور ایمان دار اور معتبر اور ان کی ہوشیاری اور لیاقت کے باعث سے از سر نو قائم کرنی عملداری اس ضلع میں بہت فائدہ حاصل ہوا۔ ڈیڑھ سال کے عرصہ سے ہم کو یہاں تک ان کی کارگذاری پسند ہوئی۔ کہ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پھر ان کے واسطے تجویز انعام کی کریں۔ ماسوائے اس انعام کے جو بابت کارگذاری ایام غدر منظور ہو چکا ہے۔ یعنی ہم نے تین ہزار چار سو روپیہ کی زمینداری کے واسطے لکھا تھا اور اگر چہ ہنوز منظوری نہیں آئی ہے۔ مگر بطور مستاجری کے ان کو دخل لا دیا گیا ہے غرض کہ اس مقام پر ہم کو زیادہ لکھنا درباب خیر خواہی اور جاں فشانی ایام غدر کے فضول ہے۔ کس واسطے کہ یہ باتیں مشہور ہیں اور کارمیگل صاحب جائنٹ مجسٹریٹ سابق ،حال مفصل لکھ چکے ہیں۔ اتنا البتہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ درباب محنت اور دیانت کے اس کا ثانی نہیں دیکھا اور جو کہ اس کے باعث سے اس ضلع کو منفعت ہوئی ہے اس کا ذکر کرنا مشکل ہے۔ ان کے واسطے رپورٹ ڈپٹی کلکٹری کی بھی بھیجی گئی اور اور یقین ہے کہ ان کی جلد ترقی ہوگی اور پیلی بھیت سے دوسرے ضلع کو روانہ ہوں گے۔ چنانچہ ہم بھی جاتے ہیں شاید پھر کبھی اس دنیا میں ہماری ان کی ملاقات نہ ہو، مگر جہاں ان کی قسمت میں رہنا ہوگا ان کی

ملاقات نہ ہو، مگر جہاں ان کی قسمت میں رہنا ہوگا ہم انکو اچھا سمجھیں گے اور جیسے انہوں نے اس ضلع کے انتظام میں ہم کو مدد دی۔ دل سے ہم بھی ان کے مشکور ہیں جہاں یہ جائیں ہماری یہ بھی دعا ہے کہ خوشی اور آرام میں رہیں

دستخط ایم۔ لو صاحب

ترجمہ سرٹیفکیٹ کپتان بیکر صاحب، کمانیر پلٹن گورکھ مقام پیلی بھیت

مورخہ ۲۵ جولائی ۱۸۶۰ء

کئی مہینے سے ہماری ملاقات امیر علی تحصیلدار سے ہے اور ہم انکو صاحب اخلاق اور نیک سمجھتے ہیں اور ان کی اسناد سے واضح ہوتا ہے کہ ۵۷ء و ۵۸ء میں بڑے کارگذار رہے اور جو کچھ کار سرکار میں ہم ان سے سروکار بڑا تو کام میں ہم کو مدد دینے کے لیے ہر وقت مستعد رہے اور کمال ہوشیاری سے انجام دیتے رہے

دستخط کپتان ڈبلیو۔ ٹی بیکر

انتخاب فہرست خیر خواہان ضلع پیلی بھیت۔ مقام بدایوں

مورخہ ۱۲۸ اگست ۱۸۵۸ء۔

کئی برس سے شیخ امیر علی پیلی بھیت کے تحصیلدار رہے۔ اول ان کی ترقی اور پر عہدہ

جلیل القدر کے مسٹر کنتھ برٹ تھارن ہل صاحب انسپکٹر جنرل مجس نے کی تھی اور صاحب ممدوح بڑی قدر ان کی سمجھتے ہیں اور ۱۸۵۷ء میں جب اندیشہ بگڑنے ضلع پیدا ہوا تو ابتدا سے بکمال مستعدی حالانکہ عمر میں زیادہ ہیں مصروف بہ کارگذاری رہے۔ چونکہ ضلع کے حال سے بخوبی واقف تھے۔ لہذا ان سے مشورہ کرتے رہے۔ کس واسطے کہ ان ایام میں مجھ کو پیلی بھیت میں آئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا تھا اور ان کی صلاح سے ایسا بندوبست عمل میں آیا کہ کسی طرح کی حرکت بے جا اس ضلع میں تا بگڑ جانے پلٹن مقیم کے وقوع میں نہ آئی۔ چنانچہ اس وقت کوئی خبر رساں ہمارے پاس نہ پہنچا۔ تو ہم نے امیر علی سے ایک خط کا جو جواب آیا ۔اس سے ہم کو بگڑ جانے بریلی کا حال سب کو دریافت ہوا۔ اس کے چھ گھنٹہ بعد پیلی بھیت کے مسلمانوں نے مسلح ہو کر تحصیل کو گھیر لیا۔ مگر امیر علی بد مدد کوتوال کے اپنی جگہ پر مستعد رہے۔ جب ہم نے دیکھا کہ ان کی جان پر صدمہ آنے والا ہے۔ تو ہم نے ان سے کہا کہ نکل آؤ اور ہمارے ساتھ نینی تال کو گئے وہاں رہے اور دس مہینے وہاں اور ہلدور میں رہے اور خیر خواہی سے انجام کام کرتے رہے اور بہت تکلیف اٹھائی ۔ کیونکہ وہاں آرام کہاں تھا اور جو کچھ اسباب ان کا تھا لٹ گیا۔ گھوڑا اسواری کا باقی رہا اور جب خاں بہادر خاں ان کی خیر خواہی کا حال سنا تب ان کا مکان و جائداد جو شاہجانپور میں تھا ضبط کر لیا اور ان کے گھر والے ملک اودھ میں فرار ہو گئے اور گرفتاری سے پناہ پائی۔ لیکن کئی مہینے تک بہت اندیشہ سے ان کی بسر اوقات ہوئی۔ تب ہم نے شاہ آباد کے زمیندار کی معرفت خط بھیجنے شروع کیے۔ انہوں نے ہماری خاطر سے ان کے وابستگان کو اپنے پاس رکھ لیا اور ہم جرنیل جون صاحب کی فوج کے ساتھ شاہ جہان پور کو گئے تھے۔ تب ان لوگوں کو یعنی وابستگان شیخ امیر علی کو اپنے پاس بلا لیا۔ جب صاحب کمشنر اور ہم مراد آباد سے کوچ کر کے بریلی کو چلے تو امیر علی بھی ہمراہ ہو لیا اور جب بریگیڈیر کوک صاحب کی فوج پیلی بھیت کو گئی۔ تب یہ بھی فوج کے

ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ مگر دفعتاً فوج واپس آئی تو امیر علی و عبداللہ خاں کو تو ال پیلی بھیت میں واسطے انتظام کے چھوڑ دیے گئے تھے اور کچھ فوج اس وقت نہ تھی اور واقعی اندیشہ کا مقام تھا۔ کس واسطے کہ فوج انگریزی تیس میل کے فاصلہ پر تھی اور باغیوں کے غول گرد و نواح میں پھیل رہے تھے اور تھانہ رنو بہ ضلع پیلی بھیت میں بدعت مچا رہے تھے۔ یہاں تک کہ آخر کار بریلی سے فوج بھیجی گئی۔ ان کے دفعیہ کے واسطے اور ایک بڑا غول باغیوں کا ارادہ چڑھ جانے شاہ جہان پور پر رکھتا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو پیلی بھیت پر بھی چڑھ آتا۔ غرض کہ ایسے وقت میں امیر علی اپنے کام پر بلا دہشت مستعد رہا۔ مگر اس باب میں زیادہ لکھنا مناسب نہیں۔ کس واسطے کہ ایسے امر کی تحریر تعلق صاحب کلکٹر بریلی کے ہے۔ اتنا البتہ ہم کو لکھنا لازم ہے کہ مسٹر لو صاحب جو پیلی بھیت میں جائنٹ مجسٹریٹ ہیں انکا خط ہمارے پاس پہنچا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ فی الحقیقت امیر علی بڑا محسن و کارگذار آدمی ہے اور ہم ان سے راضی ہیں۔

پس ہم کو یقین ہے کہ جو حکام اس ضلع میں ہوں گے۔ اس سے رضامند رہیں گے۔

بالفعل بہ عوض اس خیر خواہی کے امیر علی کو کچھ انعام نہیں ملا ہے۔ اور ما قبل غدر کے رپورٹ نسبت خدم اور عمدہ کارگذاری اس شخص کی نواب لفٹنٹ گورنر بہادر مسٹر کالون صاحب کے بھیجی گئی ہے اور صاحب ممدوح نے ارشاد فرمایا کہ ایک گھڑی طلائی ان کے واسطے منگوائی جاوے جس پر یہ عبارت لکھی ہو کہ سرکار سے ان کو یہ شے مرحمت ہوئی۔ بہ عوض عمدہ کارگذاری۔ علاوہ اس کے صاحب ممدوح نے دوشالہ دینے کا بھی ارادہ کیا تھا۔ دونوں شے مالیت پانچ سو روپیہ اور منشاء یہی تھا کہ صاحب کمشنر کے دربار میں یہ دونوں چیز ان کو دی جاویں۔ بلکہ ہم نے سنا ہے کہ گھڑی منگانے کے واسطے ولایت کو لکھا بھی گیا۔ لہذا ہم چاہتے ہیں کہ یہ دونوں چیز اب ان کو دی جاویں۔ علاوہ اس کے خلعت بھی چھ پارچہ کا سرکار

مناسب جانے مرحمت ہواور دربار میں دیا جاوے۔علاوہ اس کے ہم یہ بھی تجویز کرتے ہیں کہ ایک ہزار روپیہ نقد بہ عوض نقصان اسباب کے دیا جاوے اور بہ عوض خیر خواہی اور نیک کار گذار قدیم کے زمینداری بہ جمع دو ہزار روپیہ سالانہ بطور نشانی سرکار کے ان کو دی جاوے اور وطن ان کا شاہ جان پور میں ہے۔اسی ضلع میں زمینداری ہو۔ہم بھی کچھ ایام شاہ جہان پور میں رہ آئے ہیں اور وہاں کے گاؤں کا حال ہم کو معلوم ہے تو ہماری یہ تجویز ہے کہ بعد دریافت صاحب کلکٹر اس ضلع کے اگر کوئی امر مانع نہ ہو۔تو عزیز گنج جو قریب شہر کے ہے وہ ان کو دیا جاوے۔اگر اس کی جمع دو ہزار سے کم ہو تو ایک گاؤں اور بھی دیا جاوے۔علاوہ اس کے معرفت صاحبان بورڈ کے نام شیخ امیر علی کا فہرست امیدواران ڈپٹی کلکٹری کے داخل کیا جاوے۔

دستخط۔سی۔بی۔کارمیکل صاحب مجسٹریٹ کلکٹر۔

ترجمہ چٹھی صاحب کلکٹر بدایوں، بہ نام صاحب کلکٹر شاہ جہان پور

مورخہ ۱۱ فروری ۱۸۵۹ء۔نمبر ۳۹۔

میں نے آپ کے پاس نقول کاغذات مفصلہ ذیل بھیجتا ہوں اور درخواست یہ بھی ہے کہ براہ مہربانی آپ ملکیت تجویز فرمایئے۔بقدر جمع منظوری کے جو سرکار نے شیخ امیر علی کو عطا فرمایا ہے۔

دستخط۔سی۔پی کارمیکل۔کلکٹر۔

انتخاب نقشہ انعام بعوض خیر خواہی ایام غدر نمبر ایک
شیخ امیر علی تحصیلدار

دوشالہ	گھڑی طلائی
ایک	ایک

ہر دو اشیاء قیمتی پانچ سو روپیہ حسب تجویز لفٹنٹ گورنر مرحوم۔

خلعت

نقد	زمینداری واقع شاہ جہان پور
ایک ہزار	بہ قدر دو ہزار روپیہ

تحریر نام اوپر فہرست امیدواران ڈپٹی کلکٹری۔ چنانچہ یہ سب تجویز صاحب کمشنر نے بھی پسند کی۔

انتخاب چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ

مورخہ بست نہم اکتوبر ۱۸۵۸ء بنام صاحب کمشنر روہیل کھنڈ۔
چٹھی تمہاری نمبر ۲۰۰۔ مورخہ ۶ ستمبر مع نقشہ انعام مجوزہ بابت چند اشخاص متعلقہ ضلع

پیلی بھیت جن سے ایام غدر میں خیر خواہی و عمدہ کارگذاری ظہور میں آئی۔ ملاحظہ سے گذری۔

دفعہ ۲۔ اس کے جواب میں آپ کو اطلاع دی جاتی ہے ککہ بہ استثناء تجویز پنشن حین حیات کے امیر کبیر نواب گورنر نرل نہادر دے کر تفصیل انعام مناسب متصور فرما کر منظور کرتے ہیں اور آپ کو اجازت ہوتی ہے۔ کہ اس کو جاری کریں۔

دستخط۔ سی۔ بی۔ کارمیکل صاحب کلکٹر

شیخ بدرالدین صاحب تحصیلدار انو بہ ضلع بریلی۔

ان افسر نے نہایت مستعدی اور عجب چالاکی سے ایام غدر میں خیر خواہی اور وفاداری کی کہ اس زمانہ میں یہ صاحب بریلی کے کوتوال تھے۔ غرض کہ ۱۴ مئی ۱۸۵۷ء کو جب خبر بلوہ میرٹھ کی بریلی میں پہنچی۔ اسی وقت سے انتظام پر مستعد ہوئے اور ملازمان جدید سوار و پیادہ بہ اجازت حکام ملازم رکھ کر چوکیات پر متعین کیے اور ایک عمدہ انتظام یہ کیا کہ تلنگان باغی جو میرٹھ سے مفرور ہوئے ان کو بریلی آنے نہ دیا۔ جو ملا بالا بالا رودر پور روانہ کر دیا۔ تاکہ پلٹن موجودہ بریلی بگڑنے نہ پاوے۔ روز و شب گشت و گرداوری میں مصروف رہے۔ کبھی کوتوالی پر اور کبھی چوکیات پر اور کبھی صاحب مجسٹریٹ بہادر کے پاس اور کبھی صاحب کمشنر بہادر کے پاس حاضر رہتے۔ یہاں تک کہ ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کو بریلی میں فوج بگڑ گئی اور قتل و غارت شروع ہوا۔ حکام والا مقام نے ضلع چھوڑ دیا اور روانہ نینی تال ہوئے۔ یہ افسر اس وقت شہر کے انتظام میں مصروف تھے۔ چوکی نگریا کی طرف جب گئے تو حکام کو تشریف لے جاتے ہوئے دیکھا۔ فی الفور صاحب مجسٹریٹ بہادر کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے کیا حکم ہے۔ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ نینی تال چلو۔ یہ مستعد و فادار افسر اسی طرح گھوڑے پر سوار حکام کے ساتھ ہو لیے اور تمام اپنے خاندان کو خدا پر چھوڑا اور سب سے

مقدوم وفاداری اور نمک حلالی کو جانا اور ہمراہ مسٹر گیتھوی صاحب بہادر مجسٹریٹ اور مسٹر الیگزینڈر صاحب بہادر کمشنر اور حکام اور افسران فوج کے برابر نینی تال پہنچے اور اخیر تک وہاں رہے۔ بریلی میں باغیوں نے ان اک گھر بار سب لوٹ لیا۔ جبکہ فوج واسطے فتح بریلی کے روانہ ہوئی۔ تو یہ وفادار افسر ہمراہ فوج ظفر موج براء مرادآباد داخل بریلی ہوئے اور اپنے عہدہ کا کام کیا اور انتظام ضلع میں بدل و جان نہایت کوشش سے مصروف ہوئے۔

سرکار دولت مند نے بعوض اس وفاداری کے ان افسر کی بڑی قدر کی کوتوالی سے عہدہ تحصیداری پر ترقی فرمائی اور سند نیک نامی دفتر گورنمنٹی سے عطا ہوئی اور پہلی دفعہ دو ہزار روپیہ کی جمع کی زمینداری اور پھر دوبارہ بارہ سو روپیہ جمع کی اور زمینداری عنایت فرمائی اور بمقام فرخ آباد دربار عام میں پیش گاہ وائسرائے لارڈ کینگ سے خلعت پانچ سو روپیہ کا مرحمت ہوا۔

رپورٹ اور سٹیفکیٹ ہائے مندرجہ ذیل اس وفادار افسر کے مصدق ہیں۔

ترجمہ سٹیفکیٹ عطائے گیتھری صاحب مجسٹریٹ کلکٹر ضلع بریلی

مورخہ ۳ فروری ۱۸۵۹ء مقام نینی تال۔

مسمی بدرالدین کوتوال بریلی کا تھا۔ درمیان دسویں مئی ۵۸ء اور غرہ جون کے ان کی جانت سے ہم نے بہت مدد پائی۔ چنانچہ اس تاریخ غرہ جون کو بباعث بگڑ جانے فوج کے جن احبان انگریز کی زندگی تھی وہ کمپوں سے تشریف لے گئے اور ان صاحب کے چہرے پر

کبھی میل اندیشہ کا ہم نے نہ دیکھا اور جو احکامات ہمارے محکمہ سے واسطے انتظام شہر کے جاری ہوئے وہ بمشورہ کوتوال کے اور اکثر بایمائے کوتوال کے جاری ہوتے تھے۔ چنانچہ بباعث مستعدی اور دانائی کوتوال صاحب کے شہر میں خیریت رہی۔ تاوقتیکہ تلنگان باغی آتش زنی کرنے لگے اور اپنے افسروں پر گولی چلانے لگے۔ تب البتہ غدر مچ گیا۔ غرض کے جس وقت ہمارے چلنے کی تیاری تھی۔ ہمارے پاس کوتوال حاضر ہوئے۔ الا جو کہ مجھ کو معلوم تھا کہ بعد رہائی قیدیان کے ان کا رہنا بریلی میں بمنزلہ قوت کے تھا۔ لہذا ہم نے ان سے واسطے ساتھ چلنے کے کہا اور ہم کو تمنا ہے کہ آپ کی خیر خواہی کا ثمرہ سرکار سے آپ کو بخوبی حاصل ہوگا اور واقعی میں ان کے برابر ہم نے کوئی شخص صاحب ہمت و تیز فہم نہیں دیکھا۔

دستخط گیتھری صاحب

ترجمہ چٹھی صاحب کمشنر روہیل کھنڈ۔

بنام صاحب مجسٹریٹ بریلی مورخہ سی یکم اگست ۱۸۵۸ء نمبر ۲۸۔

آپ کے پاس چٹھیاں ملفوف ہذا کی بھیجی جاتی ہیں۔ درباب حسن کارگذاری بدر الدین کوتوال وعطائے انعام۔ لہذا آپ کو لکھا جاتا ہے کہ واسطے اطلاع گورنمنٹ کے رپورٹ کیجیے کہ جس ایام سے کوتوال موصوف آپ کے زیر حکومت ہیں۔ آپ کی رائے میں

انکی کارگذاری کیسی ہے۔

دستخط۔الیگزینڈر صاحب کمشنر

ترجمہ چٹھی صاحب مجسٹریٹ ضلع بریلی۔ بنام صاحب کمشنر روہیل کھنڈ نمبر ۵۱

مورخہ ۱۶ ستمبر ۵۸ء۔

دفعہ اول۔چٹھی آپ کی بطلب کیفیت درباب کارگذاری بدرالین کوتوال کے ورود ہوئی۔

دفعہ دوم۔اس کے جواب میں مجھ کو کمال خوشی ہوتی ہے تحریر کرنے اس باب میں کہ جب سے ہم اس ضلع میں عہدہ مجسٹریٹی پر قائم ہیں۔تو بہر حال خیر خواہی و کارگذاری بطور افسر پولیس کمال پسند آئی۔

دستخط انگلش صاحب مجسٹریٹ

ترجمہ چٹھی صاحب کمشنر روہیل کھنڈ۔ بنام مجسٹریٹ

بریلی

مورخہ ۹ نمبر ۱۸۵۸ء۔ نمبر ۸۲۔

دفعہ اول۔ بموجب چٹھی آپ کے مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۸۵۸ء نمبر ۱۵ میں آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ نقل چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ نمبری ۹۹۴ مرقومہ ۴ نومبر ۱۸۵۸ء۔ مشعر عطائے انعام بدرالدین کوتوال سابق ضلع بریلی۔ بعوض حسن کارگذاری ایام غدر اور بعد اس کے۔

دفعہ دوم۔ لہذا آپ کو اجازت ہوتی ہے کہ حسب منشا گورنمنٹ کے آپ گاؤں ک زمینداری کا اور مکان رہنے کا تجویز کیجئے۔ واسطے منظوری سرکار کے اور جو پروانہ خوشنودی کا سرکار سے مرحمت ہوا ہے اور وہ میں نے کوتوال صاحب کو دے دیا اور باقی جو انعام ہے۔ مثل شمشیر و تمنچہ و خلعت وہ پیچھے سے تجویز کیا جاوے گا۔

دستخط۔ الیگزینڈر صاحب کمشنر

ترجمہ چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ بنام صاحب کمشنر روہیل کھنڈ مقام الہ آباد

مرقومہ ۴ نومبر ۱۸۵۸ء۔ نواب امیر کبیر گورنر جنرل بہادر نے عطائے انعام مفصلہ ذیل۔ بنام بدرالدین کوتوال کے منظور فرمایا۔ یعنی ایک شمشیر اور ایک تمنچہ قیمتی پانچ سو روپیہ ایک مکان ضبطی واقع شہر بریلی اور خلعت۔

دفعہ دوم۔ علاوہ اس کے حق زمینداری پنچ گاؤں جمع دو ہزار روپیہ ان کو عطا ہوتا ہے۔

مگر واضح رہے کہ جمع میں تخفیف نہیں ہوگی۔

دفعہ سوم۔ چٹھیات اصل آپ کی واپس کی جاتی ہیں۔ بعد رکھنے نقل ان کی سرشتہ میں۔

دستخط۔لوصاحب۔نائب سیکرٹری

نقل مطابق اصل۔دستخطی کلارک صاحب

نقل پروانہ بدستخط صاحب سکرٹر نواب معلیٰ القاب وائسرائے گورنر جنرل بہادر۔ دام اقبالہ۔

تہور دستگاہ بدرالدین کوتوال شہر بریلی۔مورد مراحم والا باشند۔

دریں وال از روئے رپورٹ حکام ضلع بریلی بحضور فیض گنجور۔ بندگان ذیشان نواب مستطاب معلیٰ القاب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہم ۔مرابت خیر خواہی و جان فشانی ما ایشان با یام بلوہ باغیان کوتہ اندیش بوضوح پیوستہ خاطر فیض مظاہر بندگان نواب صاحب محتشم الیہم رضا مند وخوشنود گردید۔لہذا حسب الحکم بندگان نواب صاحب معظم الیہم جہت اعلان و اظہار خوشنودی خاطر اقدس واعلیٰ پروانہ کرامت نشانہ ہذا بایشاں مرحمت میشود تا موجب سرخروئے وافتخار بین الا ماثل والاقران گردد و بجلدوئے ایں خیر خواہی و جاں فشانی برائے عطائے خلعت وقطعہ مکان و قبضہ شمشیر و پستول واراضی زمینداری کہ منافع آں دو ہزار روپیہ سالانہ باشد بحکام موصوفین ایمارفتہ مرقوم ۲۸ا کتوبر ۱۸۵۸ء۔

منشی عبدالغنی صاحب

یہ صاحب آہنی سڑک میں جو سلیپر درکار ہوئے ہیں اس کے ٹھیکیدار ہیں۔ جب غدر

ہوا تو یہ صاحب پیلی بھیت میں تھے مسٹر کارمیل صاحب بہادر جب یکم جون ۱۸۵۸ء کو ہمراہی شیخ امیر علی صاحب اور ذکریا خاں صاحب اور عبداللہ خاں صاحب کے تشریف فرمائے نینی تال ہوئے ہیں۔ ان صاحب نے گھوڑے کی زین حاضر کرنے میں مدد کی۔ صاحب موصوف کے تشریف لیجانے کے بعد وہاں زیادہ غدر ہوا اور مسٹر برنی صاحب نے مع عیال واطفال کے وزیر خاں اور امیر خاں کے گھر میں آ کر پناہ لی۔ اس وقت ان کی حفاظت میں رہے اور عبدالرحمٰن خاں رئیس جو انجام تک خیر خواہ رہے وہ بھی حقیقت میں ہمارے شریک رہے۔ اور زمانہ غدر میں حکام سے خط وکتابت کرتے رہے اور ابتدائے ۱۸۵۸ء میں حسب الطلب مسٹر ریڈ صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ جنگل نینی تال گئے اور جو کام صاحب ممدوح نے سپرد کیا۔ اس کو انجام دیا۔ ان کا جو نقصان ممدوح نے سپرد کیا۔ اس کو انجام دیا۔ ان کا جو نقصان باغیوں کے ہاتھ سے ہوا تھا۔ اس کے عوض ستاون ہزار سات سو انچاس روپیہ بطور معاوضہ نقصان محکمہ بنارس سے مرحمت ہوا۔ چنانچہ سرٹیفکیٹ ہائے مفصلہ ذیل سے ان کا حال بخوبی واضح ہوتا ہے۔

ترجمہ سرٹیفکیٹ دستخطی پرسر صاحب۔ چیف انجنیئر سڑک آہنی مقام الہ آباد

مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۸ء۔

میں اس بات کو تصدیق کرتا ہوں کہ مسمی عبدالغنی جو فی الحال نینی تال میں مقیم ہے۔ آہنی سڑک کے ٹھیکیدار ہیں۔ واسطے پہنچانے لکڑی جس کو سلیپر کہتے اور ان کی جانب سے

اس کارسڑک آہنی میں بہت مدد ہوئی اور واسطے شرائط ٹھیکہ کے ایفائے عہد کرتے رہے تھے۔ چنانچہ اسی کام پر مصروف تھے۔ جب غدر ہوا۔ اسکے باعث خسارہ کثیر ان پر ہوا اور یہ بھی وجہ ہے کہ کام اسی سڑک کا بھی رک گیا اور مسمی عبدالغنی آدمی اشراف ہیں اور سرکار کے ساتھ انہوں نے خیرخواہی کی ہے۔ چنانچہ لازم ہے کہ جو دعویٰ ان کا باعث ہرجہ نقصان کے ہے وہ جلد تسلیم کیا جاوے تا کہ کارسڑک آہنی میں زیادہ ہرج نہ ہونے پاوے۔

دستخط۔ پرسر صاحب

ترجمہ سرٹیفکیٹ صاحب سپرنٹنڈنٹ۔ بن کمانو۔ مقام نینی تال

مورخہ ۱۱ اگست ۱۸۵۸ء۔

ہم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ عبدالغنی کے پاس سے خیر ہمارے پاس ابتدائے غدر سے برابر چلی آتی تھی اور بر وقت شروع غدر کے ہمارے ساتھ جنگل میں موجود تھے۔ چنانچہ ان کو طلب کر لیا تھا۔ کئی مہینے پہلے تسلط روہیل کھنڈ سے اور واسطے بندوبست کرنے بار برداری لٹھہ ہم نینی تال میں گئے۔ تب سے ہمارے ساتھ برابر موجود رہے۔

دستخط۔ ریڈ صاحب

ترجمہ سرٹیفکیٹ دستخطی کپتان گون صاحب اسٹنٹ سپیشل

کمشنر مقام مراد آباد

مورخہ ۱۸۵۸ء

واضح رہے کہ حسب ارشاد صاحب اسپشل کمشنر کے میں اس بات کو تصدیق کرتا ہوں کہ مسمی عبدالغنی ٹھیکہ دار لٹھہ واسطے آہنی سڑک کے ایام غدر میں خیر خواہ سرکار رہے اور نینی تال اور کانشی پور میں موجود رہے۔ کسی طرح باغیوں سے سروکار نہ رکھا۔

دستخط۔ کپتان گون صاحب

ترجمہ سٹرٹفکیٹ مسٹر برنی صاحب۔ سابق نائب سپرنٹنڈنٹ شہر روہیل کھنڈ۔ فی الحال سپرنٹنڈنٹ سڑک شہر پناہ کلکتہ

مورخہ ۱۲ جنوری ۱۸۶۰ء۔

میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں۔ کہ جب میں مع عیال واطفال کے بمقام پیلی بھیت بزمرہ باغیان زیر نظر تھا۔ اس وقت عبدالغنی ٹھیکہ دار سڑک آہنی اس شہر میں موجود تھا اور وہاں سے ضروری اسباب لے کر بھاگا۔ بھاگنے کا یہ سبب ہوا کہ عبدالرحمٰن خاں رئیس مذکور پیلی بھیت نے ان کی حفاظت کر لی۔ ورنہ بھاگنا بھی دشوار تھا اور رئیس مذکور نے مع اپنے شاگرد پیشہ کے کئی کوس سڑک بریلی پر پہنچا دیا اور یہ بھی سنا تھا۔ کہ جو کچھ اسباب ان کا

پیلی بھیت میں رہ گیا تھا۔ وہ بدمعاشوں نے لوٹ لیا اور ہم ۶ جون ۱۸۵۷ء کو باغیوں کے پنجے سے رہائی پائی۔ تو معلوم نہیں کہ اس میں عبدالغنی کی بھی مدد تھی یا نہیں۔ مگر البتہ عبدالرحمٰن خاں کی حویلی میں چندمرتبہ ان سے ملاقات ہوئی اور بروقت گفتگو کے ہم کو یقین ہوا کہ فی الحقیقت یہ آدمی خیرخواہ سرکار رہے اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ حکام انگریز کو نینی تال میں یہ خبر پہنچاتے رہے اور مقام میرٹھ سے ہمارے پاس بھی خبر بھیجتے رہے۔ واقعی یہ شخص بہت اچھا ہے۔ اگر سرکار سے عوضانہ نقصان اس کو مرحمت ہو جاوے بہت مناسب ہے۔

دستخط برنی صاحب

ترجمہ چٹھی مسٹر ریڈ صاح بنام۔ عبدالغنی ٹھیکہ دار

مورخہ ۲۸ مارچ ۱۸۶۰ مقام نینی تال۔

واضح ہو کہ خط آپ کا مورخہ ۲۳ ماہ حال مشعر عطائے سٹرٹفکیٹ در باب خیرخواہی بمراد تائید دعوی عوضانہ نقصان کے ہمارے پاس پہنچا۔ اس کے جواب میں تین امر کی البتہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں ایک تو یہ کہ چند روز قبل بگڑنے فوج بریلی کے آپ کی مدد سے ہم

بخیریت کمپو میں پہنچ گئے تھے۔ کس واسطے کہ آپ نے چند گھوڑے ہمارے واسطے جڑ وہ ندی تک بھیج دیے تھے۔ اگر ایسی مدد نہ ہوتی تو غالب ہے کہ قبل بگڑنے فوج کے میں بریلی تک نہ پہنچ سکتا۔ دویم یہ کہ جو ہمارا اسباب پیلی بھیت میں تھا۔ اس کو آپ نے اپنی حفاظت میں رکھا اور بعد تسلط ہو جانے اس شہر میں وہ بحفاظت تمام ہمارے پاس پہنچا دیا۔ سوم یہ کہ شروع غدر میں آپ کی چھٹیات نینی تال میں برابر ہمارے پاس پہنچتی رہیں اور ان ایام میں کوئی آدمی مستعد اس بات پر نہ ہوا کہ لٹھوں کی بار برداری میرٹھ اور مراد آباد اور دیگر کمپو تک قبول کرے۔ الا آپ نے اس بات کو قبول کر لیا اور آپ کی امداد سے لٹھ جا بجا واسطے کار سرکار کے پہنچ گئے اور جہاں تک ہم کو علم ہے اور سنا ہے البتہ یقین اس بات کا ہوتا ہے کہ آپ برابر خیر خواہی سرکار کی کرتے رہے۔

دستخط۔ ریڈ صاحب

محمد ابراہیم خاں

تحصیلدار شاملی۔ ضلع مظفر نگر

یہ ایسا نامی افسر خیر خواہ سرکار ہے جس کی نیک نامی اور وفاداری اور جاں نثاری کی شہرت تمام شمال مغربی اضلاع میں پھیل رہی ہے۔ ابتدائے غدر سے اس افسر نے گورنمنٹ کی خیر خواہی اور قیام عملداری سرکار پر بہت چست کمر باندھی۔ چوتھے رسالہ کے سواروں

نے جب بغاوت کی اور تحصیل شاملی پر قبضہ کرنا چاہا۔ تو یہ افسر کمال بہادری سے بمقابلہ پیش آیا اور اپنی تحصیل کو باغیوں کے ہاتھ سے بچایا بہت ہی کم حاکم اضلاع متصلہ مظفر نگر کے باقی رہے ہوں گے۔ جن سے ایام غدر میں اس افسر نے خط و کتابت نہیں رکھی۔ جہاں تک ممکن ہوا انتظام گورنمنٹ میں مدد کی اور جس قدر لٹا ہوا مال گورنمنٹ اور حکام یورپین کا دستیاب ہوا سب کو برآمد کیا اور پہنچایا۔ آخر کار جب مقسدہ زیادہ ہو گیا اور انتظام کے لیے معتمد آدمی زیادہ درکار ہوئے تو اس افسر نے رام پور سے اپنے تمام خاندان کو شاملی میں بلوایا اور سب کو سرکار سرکار میں مصروف کیا۔ پچاس آدمی اس افسر کے خاندان کے مع اکبر خاں اس افسر کے شاملی میں تھے۔ جن میں سے اکثر بمقابلہ باغیان سرکار کی خیر خواہی میں مارے گئے۔ اور خود اس افسر نے بھی خیر خواہی سرکار میں اپنی جاں نثار کی۔

زمانہ غدر میں انتظام ڈاک کا جاتا رہا تھا اور پھر اس کا قائم کرنا اس زمانہ میں کچھ آسان امر نہ تھا۔ اس افسر۔ بموجب حکم کمانڈر ان چیف صاحب بہادر کے کمال سعی و کوشش سے شاملی سے کرنال تک ڈاک قائم کی اور انتہا تک بخوبی جاری رکھی۔ جس سے نہایت فائدہ انتظام گورنمنٹ میں حاصل ہوا۔ چنانچہ اس کا حال پروانہ کمانڈر انچیف صاحب بہادر مورخہ ۱۳ اگست ۱۸۵۷ء سے جس کی نقل آگے آوے گی۔ واضح ہوگا۔

ستمبر ۱۸۵۷ء میں دفعہ مسلمانان ساکنان تھانہ بھون نے جن کا افسر قاضی عنایت علی تھا۔ فساد برپا کیا اور ایک بڑے گروہ نے تحصیل شاملی پر حملہ کیا۔ اس وقت تحصیل شاملی میں تخمیناً دس سوار پنجابی رسالہ کے اور اٹھائیس سپاہی جیل خانہ کے اور پچاس سے زائد سپاہی متعینہ تھانہ و تحصیل کے اور باقی آدمی اس افسر کے خاندان کے تھے۔ مع اکبر خاں اس کے بھائی جو رام پور سے گئے تھے اور وہاں موجود تھے۔ یہ افسر بکمال دلاوری و بہادری بمقابلہ پیش آیا اور تحصیل شاملی کو مستحکم کر کرا اور اس میں محصور ہو کر بخوبی لڑا اور ہر دفعہ مفسدوں کے

حملہ کو ہٹا دیا اور بہت سے آدمی ان میں کے مارے گئے۔ اخیر کو گولی و باروت تحصیل میں ہو چکی اور نہایت مجبوری کا وقت آیا اور مفسدوں ج کو قابو ہو گیا اور وہ لوگ تحصیل کے قریب آ گئے۔ یہاں تک کہ تحصیل میں گھس آئے وہاں ک بھی مقابلہ ہوا اور یہ افسر نہایت بہادری سے مع اکثر آدمیوں اپنے خاندان کے کام آیا اور شرط نمک حلالی کو پورا کر دیا۔ یہ قتل وخون ریزی شاملی میں ۱۴ استمبر ۱۸۵۷ء کو واقع ہوئی جو دن کہ فتح دہلی کا تھا۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ اس افسر کا کان تک مثر دہ فتح دہلی جس کا وہ ہر دم مشتاق تھا۔ پہنچنے تھے کام آئے اور ہر ایک تحفہ خیر خواہی سرکار کا اپنے نام کے ساتھ لے گیا۔

یہ ہنگامہ جو تحصیل شاملی میں تھانہ بھون کے مفسدوں کے ساتھ ہوا وہ ہنگامہ بھی جس کو مفسدان تھانہ بھون نے جہاد نام رکھا تھا۔ مگر اس تمام حالات کے دیکھنے سے واضح ہو گا جو لوگ ان مفسدوں کے مقابلہ میں آئے اور در بدر ہو کر لڑے اور بہتوں کو جان سے مارا اور مرتے دم تک مقابلہ و مقاتلہ سے باز نہ رہے وہ بھی مسلمان تھے اور نیک بخت اور اپنے مذہب کے پکے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مفسدوں نے صرف فساد مچانے اور غلغلہ ڈالنے اور ہنگامہ کرنے کو اپنے فسادوں کو جھوٹا جہاد کے نام سے مشہور کیا تھا۔ درحقیقت کوئی مسلمان ان بغاوتوں کو جہاد خیال نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ جس حاکم کی علمداری میں جو بطور رعیت ہو کر اس امن میں رہتے ہیں ان حاکموں سے مقابلہ کرنا بغاوت ہے۔ نہ کہ جہاد۔

میں نے سنا ہے کہ جب یہ مفسد تھانہ بھون کی تحصیل میں گھس آئے اور ابراہیم خاں نے بہت بہادری سے ہتیار کرنے میں جان دی تو باقی ماندہ آدمی پریشان ہوئے اور مسجد میں اور ایک درگاہ میں جو تحصیل میں ہے پناہ لی۔ تاکہ مفسدان مقاموں کو مقدس سمجھ کر ان کی جان معاف کریں۔ مگر ان کمبختوں نے وہاں بھی نہ چھوڑا اور سب کو جان سے مار ڈالا۔ کہ

مسجد اور درگاہ کی سب دیواریں خون سے بھر گئی تھیں۔

اکبر خاں ابراہیم خاں کا بھائی بھی کام آیا۔ یہ شخص بہت دلاور تھا اور جب رام پور سے شاملی گیا ہے تو بجنور کے راستہ سے گیا تھا اور جناب مسٹر الیگزینڈر شیکسپئر صاحب بہادر سے ملازمت کی تھی جب میں نے بھی اس بہادر کو دیکھا تھا اور شاملی پہنچ کر وہاں کے حالات کی عرضی بھی حضور صاحب ممدوح میں بھیجی تھی۔

اب اس مقام پر ان چٹھیات اور رپورٹ کی میں نقل کرتا ہوں جس سے ابراہیم خاں اور اکبر خاں کی خیر خواہی اور جو انعام کہ ان کے پس ماندگان کو گورنمنٹ سے مرحمت ہوا واضح ہوتا ہے۔

نقل پروانہ جناب چارلس صاحب بہادر کمانڈر ان چیف۔

رفعت عالی مرتبت محمد ابراہیم خاں تحصیلدار شاملی حفظہ عرضی تمہاری معروضہ ۲۷

جولائی سن حال در باب اطلاع انتظام سرشتہ ڈاک از ابتدائے شاملی تا کرنال حسب الحکم حضور ابن جانب و نیز انجام دینے کار مفوضہ اکبر علی خاں باہتمام اس کے اور دریافت حال نمک حرامان بد اعمال اور استفسار کیمپ فوج موجودہ کیمپ چھاؤنی دہلی اور خبر افواج قاہرہ سرکاری عنقریب آنے والی ہیں۔ مع مراتب کے پہنچی ملاحظہ میں آئی۔ اس واسطے لکھا جاتا ہے کہ حضور ایں جانب اور جنرل صاحب بہادر اور صاحب ایجنٹ دہلی سب تمہاری کار گذاری سے واقف ہیں اور بہت خوش ہیں اور جب کچھ ذکر آتا ہے تو حضور تمہاری تعریف حکام کے روبرو بیان کرتے ہیں۔ تم خاطر جمع رکھو اور اسی طرح سے کار سرکار بکوشش و جان فشانی کرتے رہو۔ اور حضور کو اپنے حال پر متوجہ جانو کہ عنقریب ثمرہ نیک اس جاں فشانی اور خدمات سرکاری کا تم کو ملے گا۔ فقط اور حال مفسدان نمک حرام کا یہ ہے کہ جب باہر نکل کر دوچار افواج ظفر امواج انگریزی کے ہوتے ہیں۔ کشتہ خستہ افتاں و خیزاں اپنی جان بچا کر بھاگ جاتے ہیں۔ اب نہ ان کو مقابلہ کی جرات نہ دہلی میں رہنے کی ہمت نہ کسی طرف بھاگنے کی طاقت ہے۔ مثل چراغ سحری کوئی دم کے مہمان ہیں۔ عنقریب لقمہ تیغ بے دریغ بہادران میدان شجاعت کے ہوں گے اور افواج قاہرہ سرکار بہت کلکتہ کی طرف اور ملتان کی طرف روانہ ہو چکے ہیں بامروز فردا اس کیمپ میں داخل ہوا چاہتے ہیں فقط اور حضور کے نام جب عرضی لکھو تو کیمپ چھاؤنی دہلی میں بھیجا کرو حضور کا مقام اسی چھاؤنی میں ہے کسی طرف دورہ کا اتفاق نہیں ہوتا ہے۔ فقط المرقوم سوم اگست ۱۸۵۷ء چھاؤنی دہلی۔

نقل سٹرفکیٹ عطیہ مسٹر گرانٹ صاحب بہادر جائنٹ میجسٹریٹ مظفر نگر

محمد ابراہیم خاں تحصیلدار شاملی سے ہماری ملاقات بخوبی تھی اور ابتدائے مارچ ۱۸۵۶ء سے ہمارا اس ضلع میں ہوا۔ پس ان کو ہم اکثر دیکھا کرتے ہیں۔ خصوصا شروع اس غدر میرٹھ سے ہم شاملی کی تشریف لے گئے تھے اور دو روز ماہ جون اور بارہ روز ماہ جولائی اور چودہ روز ماہ ستمبر ہم وہاں مقیم رہے۔ غرض کہ جیسی ان کی قدر ہمارے نزدیک تھی اس کا بیان ہم نہیں کر سکتے اور ان کی جان بحق تسلیم ہونے سے ہم کو کمال افسوس ہوا اور جیسے انہوں نے اس غدر میں خیر خواہی سرکار کری ہے وہ بقابلہ بے وفاداری اور بدکاری منجانب دیگر اہالیان سرکار کے بخوبی چمکتی تھی۔ اگر چہ شاملی کچھ دہلی سے دور نہ تھی اور سپاہیان باغی کی آمد و رفت برابر جاری تھی۔ خصوصا جب چوتھے رسالہ کے سواروں کا غول جو شاملی میں موجود تھا بگڑا اور یہ ہمراہی دیگر سواران اپنے کے بارادہ قبضہ گری کے تحصیل پر چڑھ آئے۔ مگر جب دیکھا کہ تحصیلدار مستعد مقابلہ ہیں تو ہٹ کر دہلی کو روانہ ہوئے۔ غرضیکہ اس طرح چار مہینے تک برابر تحصیلدار نے اپنی تحصیل کو قائم رکھا۔ اس میں ان کی بہت نیک نامی ہوئی۔ کیونکہ اضلاع شاملی و کرانی و کاندھلی وغیرہ کے سب باغی ہو رہے تھے۔ آخر کار جب گروہ باغیوں کا جس میں غازی و رانگڑھ وغیرہ قصبہ جات کے کثرت سے تھے سرداری قاضی عنایت علی خاں کی تحصیل پر چڑھ آیا اور محمد جھنڈا کھڑا کیا۔ باوجود اس کے تحصیلدار نے ان کا مقابلہ کیا اور کمال شجاعت سے لڑے۔ جو کہ غنیم کا ہجوم زیادہ تھا۔ انجام کار تحصیلدار بقید ہشتاد جوان ہمراہیان اپنے کے اس لڑائی میں شہید ہوئے اور یہ جو خبر فرضی پھیل گئی تھی۔ کہ تحصیلدار نے قبل مارے جانے کے اپنے ہتیار مفسدوں کو دے قابل اعتبار نہیں ہم امید رکھتے ہیں کہ ان کے پسران اسماعیل خاں وغیرہ کی سرکار میں سرفرازی ہوگی اور زمینداری باغیان کی ان کو عطا کی جاوے گی اور ان کے داماد محمد رضا پر بھی کہ بے معاش ہو گیا ہے لحاظ کیا جاوے گا۔

دستخط۔ سی گرانٹ جائنٹ مجسٹریٹ

نقل سرٹیفکیٹ درباب محمد اکبر خاں۔ عطائے مسٹر گرانٹ صاحب جائنٹ مجسٹریٹ۔ مظفر نگر،

مرقوم ۳ نومبر ۱۸۵۷ء۔

سرٹیفکیٹ نسبت کارگذاری میرے والد محمد اکبر خاں کی جو نواب رام پور کے یہاں نوکر تھے اور چودھویں ستمبر ۱۸۵۷ء کو مع ابراہیم خاں اپنے بھائی کے عندالمقابلہ ہاتھ سے باغیان تھانہ بھوں کے جو شاملی پر چڑھ آئے۔ مارے گئے۔ عنایت کیجئے اور ایک بیٹا ان کا عبدالقادر خاں وہ بھی والئی رام پور کے یہاں نوکر ہے اور دولڑکے صغیر سن ہیں۔

دستخط۔ سی۔ گرانٹ صاحب جائنٹ مجسٹریٹ۔ مظفر نگر۔

ترجمہ رپورٹ صاحب کمشنر بہادر میرٹھ۔ بنام۔ سیکرٹری گورنمنٹ اضلاع غربی

مورخہ ہشتم جنوری ۱۸۵۹ء۔ نمبر ۱۹۔

دفعہ اول۔ میں کاغذات مشمولہ چٹھی ہٰذا مجوزہ پنشن و انعام واسطہ قرابت داروں و لواحقان ان افسران کے جو تھانہ اور تحصیل شاملی میں مامور تھے اور عندالمقابلہ باغیان کے ہاتھ سے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو تہ تیغ ہوئے۔ بخدمت امیر کبیر جناب نواب گورنر جنرل صاحب بہادر کے گزارتا ہوں۔

دفعہ دوم۔ شروع غدر سے لغایت دم واپسیں تک کارگذاری محمد ابراہیم خان کی بہت عمدہ اور قابل تعریف کے ہے۔ جس نے مہر خون کی اپنی وفاداری پر ثبت کردی۔

دفعہ سوم۔ میں درخواست عمدہ پنشن کی کرتا ہوں۔ واسطے ان کے وارثان اور وابستگان کے۔

دفعہ چہارم۔ واضح ہو کہ اس جنگ و جدل میں اور بھی کئی شخص جو نوکر نہ تھے مگر بہ طلب ابراہیم خاں متوفی کے وطن سے ان کی مدد کے واسطے چلے آئے تھے ہلاک ہوئے۔ مگر جو لوگ خاص ان کے یگانہ تھے ان کے نام پر واسطے شناخت کے اس قدر نشانی کردی گئی۔

دفعہ پنجم۔ اب بر حال وفاداری دم اخیر تک ان مردمان کی جو تحصیل شاملی میں کام آئے اس لائق تھی کہ جس قدر پنشن ان کے واسطے تجویز ہوئی عطا فرمائی جاوے۔

دفعہ ہشتم۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر ابراہیم خاں حملہ باغیان سے جانبر ہوتے تو بجلد دیے اس حسن کارگذاری اور خیر خواہی کے مستحق پانے انعام عمدہ کا ہوتے۔

دستخط۔ ولیم صاحب کمشنر بہادر میرٹھ۔

انتخاب چٹھی سیکرٹری گورنمنٹ۔ مرقوم ۷ اپریل ۱۸۵۹ء

نمبر ۳۱۵۔ بنام صاحب کمشنر میرٹھ۔

دفعہ دوم۔ جس قدر انعام اپنی نسبت ورثائے محمد ابراہیم خاں تحصیلدار کے تجویز کیا

ہے وہ بدانست لفٹنٹ گورنر بہادر کے بہت ہی مناسب ہے۔لہذا گورنر صاحب ممدوح نے ا سکومنظور فرمایا۔ بایں تصریح کہ پنجاہ روپیہ ماہواری بنام والدہ اور زوجہ تحصیلدار متوفی کے اور مبلغ دو رروپیہ فی اسم بنام دوکس دختران و نیز عطائے زمینداری جائداد مضبطہ بجمع دو ہزار روپیہ واقع روہیل کھنڈ۔ چنانچہ بمشورہ حاکم روہیل کھنڈ کے اس کی تجویز کردی جاوے۔

دفعہ سوم۔علاوہ اس کے روزینہ بطور حین حیات حسب تفصیل ذیل عطا فرمایا گیا ہے ۔ بنام والدہ مسمی عنایت علی متوفی دو روپیہ۔ بنام والدین خدا بخش دو روپیہ اور روزینہ تا ہونے شادی مستورات اور بالغ ہونے لڑکوں یعنی بعمر ہشت دہ سالہ کے مطابق تفصیل ذیل منظور ہوا ہے۔تفصیل:

شش شش روپیہ بنام اعظم بیگم ہمشیران وزیدا بیگم مجو خاں۔ بنام زوجہ نصیر خاں متوفی دو روپیہ۔ واسطے اس کی دختر کے ایک روپیہ۔ برائے زوجہ شیر محمد خاں دو روپیہ اور واسطے برخوردار خورد اس کے ایک روپیہ بنام والدہ و برادر محمد حسین متوفی دو دو روپیہ۔

دفعہ ہشتم۔روزینہ بقید مبلغ دو روپیہ ماہواری واسطے زوجہ غلام حیدر خاں متوفی کے و نیز ایک ایک روپیہ ماہواری فی اسم واسطے چہار کس دختران متوفی مذکور کے منظور ہوتا ہے۔ اشرف بیگم۔اولیا بیگم خانم بیگم اور بہ نسبت جمعت بیگم کے کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ عمر اس کی چوبیس سال بلفظ قبیلہ عبداللہ خاں کے لکھی ہے اور دوسرے مقام پر عمر پینتالیس برس اور زوجہ اکبر خاں لکھا ہے۔

دفعہ نہم۔علاہو اس کے روزینہ سہ روپیہ ماہوار واسطے زوجہ نیاز اللہ متوفی کے تا حیات و تا شادی ثانی منظور ہوا۔ مگر اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اگر زوجہ مذکور فوت ہو جاوے قبل پہنچنے عمر لڑکوں کے اٹھارہ برس تک۔تو اس وقت صاحب کمشنر کو اختیار ہوگا کہ نسبت فرزندان اس کے از سر نو رپورٹ کریں۔

دفعہ دہم۔ حق زمینداری بجمع ایک ہزار روپیہ سالانہ بنام چہار طفلاں محمد اکبر خاں برادر محمد ابراہیم خاں تحصیلدار کے بحصہ مساوی علاوہ پنشن تیس روپیہ ماہواری بنام زوجہ محمد اکبر خاں متوفی اور دس روپیہ ماہواری واسطے دختر خاں متوفی مذکور کے تا ہونے شادی ان کی کے عطا کی جاوے۔

دستخط ایڈورڈ صاحب۔ مجسٹریٹ وکلکٹر پر تصدیق۔

نقل مطابق اصل

ترجمہ سٹرٹفکیٹ عطا کردہ مسٹر ہوم صاحب کلکٹر ضلع اٹاوہ

مرقوم ۱۸ جولائی ۱۸۶۰ء

محمد عبداللہ خان برادرزادہ محمد ابراہیم خاں تحصیلدار شاملی ضلع مظفرنگر کے نے ہم سے استدعا کری کے چند کلمہ بطریق سٹرٹفکیٹ نسبت میرے چچا کے عنایت کیجئے۔ چنانچہ مطابق اس کی درخواست کے جو کچھ حال ان کا ہم کو معلوم ہے۔ لکھتے ہیں کہ محمد ابراہیم خاں ضلع مراد آباد میں بعہدہ تھانہ داری مامور تھے اور آوردہ مسٹر ولسن صاحب کے تھے۔ خود ہم نے صاحب موصوف کی زبان سے سنا کہ بہت لئیق اور ہوشیار اہل کار ہیں۔ بعدہ مجلس علی گڑھی کے داروغہ ہوئے۔ چنانچہ دو سال تک کارگذاری اور دیانت داری ان کی ہمارے دیکھنے میں آئی۔ اس قدر ان کی نیک نامی اور دیانت داری کی تعریف ہے کہ جب ۱۸۵۵ء میں سرکار نے ہم کو واسطے تحقیقات ڈاکہ زنی کے جو اس ایام میں بہ کثرت ہونے لگی تھی اور کاٹ میل سرکاری لوٹ گئے تھے۔ متعین کیا تو ہم نے محمد ابراہیم خاں کو بزمرہ اہالیان اس ضلع کے چھانٹ کر بعہدہ افسری اپنے سرشتہ میں مقرر کیا تھا۔ ان کی مدد سے کمال ہوشیاری سے بیشتر

مجرمان جو خورجہ کی واردات میں شامل تھے۔ گرفتار ہو کر سزایاب ہوئے۔ چنانچہ بعوض اس کارگذاری کے ان کو پیشکاری ضلع میرٹھ پر تعینات کیا اور وعدہ کیا کہ بروقت خالی ہونے کسی جگہ تحصیلداری پر مامور کیا جاوے گا۔ اس عہدہ پر یہ زیر نگاہ مسٹر ہاکس صاحب اور مسٹر ترنیل صاحب کے جو الحال جج میرٹھ کے ہیں۔ ان صاحبان کی زبان سے اکثر تعریف محمد ابراہیم خان کی سنی گئی۔ بعد چندے ضلع مظفر نگر میں بعہدہ تحصیلداری کہ وہاں مشاہرہ دو سو روپیہ ماہواری کا ہے تبدیل ہو کر آئے۔ جب غدر ہوا اور میرٹھ و دہلی میں فساد برپا ہوا۔ ہم نے بارہا تاکید ان کو خط لکھا کہ ہم نے تمہارے لیے سفارش کی ہے۔ اب اس وقت ثمرہ وفاداری کا ظہور میں لاؤ اور جان تک کا دریغ نہ کرو۔ یہ نہ ہو کہ ہماری سفارش میں داغ آوے۔ پس جیسا انہوں نے کیا وہ سب پر اظہر من الشّمس ہے۔ کیا معنی کہ اپنے یگانوں کو بلوا کر حفاظت تحصیل میں مستعد رہے جب باغیان نے دہلی سے حملہ کیا تب مع چند کسان ہمراہیان اپنے کے جاں بحق تسلیم ہوئے۔ خوب نمک حلالی کی۔ اس شخص سے زیادہ شجاع مرد خواہ ہندوستانی خواہ انگریزی ہم نے نہیں دیکھا۔ غرض جب تک وہ زندہ رہے ہم ان کو عزیز سمجھتے تھے۔ اب بعد مرنے کے ہم کو اس بات کے سننے سے کمال خوشی ہوگی۔ کہ ان کے قبیلہ اور فرزنداں سے جس سے وے بڑی محبت اور پیار رکھتے تھے۔ خوش ہیں اور ان کی خوب پرورش ہوئی شاید دوسرا شخص ہندوستان میں نہ ہوگا۔ کہ جس کا قبیلہ وقت جدائی اپنے خاوند کے نامہ و پیام بھیجتا رہے۔ اگرچہ یہ ایک چھوٹی بات ہے۔ تاہم قابل تحریر ہے کہ ابراہیم خاں نے اپنی بی بی کہ ہندی پڑھایا تھا اور پڑھنے لکھنے میں اس کو خوب مشاقی ہوگئی تھی اور ہندی اس واسطے سکھایا تھا کہ ہندی پڑھنا آدمی سے جلد باسانی آجاتا ہے۔ خصوصا اس واسطے سکھایا تھا کہ وقت مفارقت اور دوری کے باہم خط و کتابت رہے۔

دستخط۔ ہوم صاحب

مصلحانِ معاشرت مسلمانان

(تہذیب الاخلاق بابت یکم جمادی الثانی ۱۲۸۸ھ)

ہم سے پہلے بھی ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی طرز معاشرت و طریقہ تمدن میں ترقی کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوئے ہیں ان کا کچھ مختصر حال لکھنا مسلمانوں کی واقفیت کے لیے بہتر ہوگا (سید احمد)۔

اول :: سلطان محمود خاں مرحوم سلطان روم

یہ بادشاہ ۱۸۰۳ء میں تخت پر بیٹھا اور ۱۸۳۹ء میں فوت ہوا

ہماری رائے میں مسلمانوں میں سب سے اول یہ سلطان ہے جس کے اخلاق اور طریق معاشرت میں تہذیب شروع کی۔ تعصّبات مذہبی کو جو درحقیقت اخلاق محمدی کے برخلاف تھے بالکل چھوڑ دیا۔ اپنے تمام مختلف مذہب کی رعایا کو اجازت دی کہ مطابق اپنے مذہب کے اپنی اپنی رسومات مذہبی ادا کریں۔ خود عیسائی گرجاؤں کی جو اس کے ملک میں تھے مرمت کرا دی۔ جبکہ اس نے رفاہ عام کے کاموں میں ایک لاکھ پیاستر (یہ ایک ترکی سکہ چاندی کا ہے) بانٹے تو گریک اور ارمنی چرچوں کو بھی برابر حصہ دیا۔

اپنے ملک میں سکول مقرر کیے اور کل مذہب کے لوگوں یہودی، عیسائی، مسلمان سب کو برابر بلا تعصب تعلیم دینی شروع کی۔

سیتلا کی بیماری موقوف ہونے کے لیے ٹیکہ لگانے کی نہایت خوبی سے رواج دیا۔ شفا خانے مقرر کیے جس میں فرنچ ڈاکٹر کام کرتے تھے۔ ڈاکٹر ڈس گالیر صاحب لکچر دیا کرتے تھے اور سلطانی حکیموں کو حکم تھا کہ وہ بھی ان کا لکچر سننے کو حاضر ہوا کریں۔

۱۸۳۰ء میں اس سلطان نے غلامی کے رواج کو جو خلاف شرع جاری تھا موقوف کر دیا اور تمام گریک کو جو بطور غلامی پکڑے گئے تھے چھوڑ دیا اور غلام آزاد کر دیے کیونکہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق اور خصوصا آیت انما المومنونہ اخوۃ فاصلحو ابین اخویکم اور آیت فامنا بعد وامافداء کے حکم کے مطابق کوئی شخص کسی کا غلام نہیں ہوسکتا۔

اسی بادشاہ کے عہد میں ترکی زبان میں اخبار شروع ہوا اور پانچویں نومبر ۱۸۳۱ء کو پہلا اخبار چھپا جس کا نام تفویم وقائع رکھا گیا تھا۔

ترک ایسے جاہل اور بیجا تعصب مذہبی میں مبتلا تھے کہ علم تشریح انسان سیکھنے کو بھی تصویر کا بنانا جائز نہ سمجھتے تھے۔ سلطان نے خود اپنی تصویر بنوائی اور سرجری اسکول قائم کیا جو دوسری جنوری ۱۸۳۲ء کو کھولا گیا تھا اور حکم دیا کہ کتب تشریح مع تصاویر تصنیف کی جاویں اور چھاپی جاویں اور پڑھائی جاویں۔

اس سلطان نے ترکوں کا لباس اور طریق زندگی درست کرنے میں بڑی کوشش کی وہ خوب جانتا تھا کہ مہذب قوموں کے سامنے عزت حاصل کرنی اور حقارت سے نکلنا اور برابر کی ملاقات اور دوستی رکھنی بغیر اس کے لباس اور طریقہ زندگی نہ درست کیا جاوے بالکل ناممکن ہے۔

اس نے دفعتا اپنی سپاہ کی وردی بدل دی اور بالکل انگریزوں کی سی کر دی صرف ٹوپی کا فرق تھا۔ ڈاکٹر ولش صاحب لکھتے ہیں نہ ٹرکی کی زمین پر قدم رکھتے ہی پہلی چیز جو میں نے دیکھی اور جس نے مجھ کو حیران کر دیا وہ تعلیم تافتہ اور خوبصورت وردی پہنی ہوئی شکل سپاہیوں کی تھی اور افسر فوج کے ولنگٹن کوٹ اور پتلون اور بوٹ پہنے ہوئے تھے۔

اس سلطان نے خود بھی ترکی لباس اور دستر خوان پر یا پائدادخوان پر کھانا رکھ کر ہاتھ سے کھانا ترک کر دیا اور لباس میں کوٹ پتلون اور سرخ جو فیس کہلاتی ہے پہننی شروع کی۔

میز و کرسی پر چمچہ اور چھری اور کانٹے سے کھانا شروع کیا ڈاکٹر ولش صاحب نے سلطان محمود کو دیکھا تھا کہ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان کی یورپین طریقہ تناول طعام اور خوبی، اوصاف اور شائستگی عادات میں اور ترکوں کی قدیم جہالت اور ناشائستگی میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

اس بادشاہ نے جو نصیحت اور تدبیر مملکت اپنے جانشینوں کے لیے چھوڑی تھی وہ یہ ہے ک سب کو برابر پناہ اور حقوق ہوں مسلمان پہچانے جاویں اور لوگوں سے صرف مسجدوں میں اور عیسائی صرف گرجاؤں میں اور یہودی صرف سینگا میں۔

یہ تھے اصلی اصول اسلام کے جس پر سلطان محمود نے عمل کرنا شروع کیا تھا اور ہم ہندوستان کے عالموں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ سلطان نے یہ سب کام علماء پایہ تخت کے فتووں سے کیے تھے مگر وہ لوگ ہندوستان کے لوگوں کی طرح جاہل اور متعصب نہ تھے اس سلطان کی پورے قد کی تصویر میں نے وارسیل کے بیلس میں دیکھی تھی جو پیرس دارلسلطنت فرانس میں ہے۔ اس کی یورپین لباس اور سرخ ٹوپی نہایت ہی سوہاتی تھی۔ خدا اس پر رحمت کرے کہ اس نے مسلمانوں کو مہذب و شائستہ بنانے کے لیے سب سے اول کوشش کی۔

سلطان عبدالمجید خاں مرحوم سلطان روم :: دوم

یہ سلطان پہلی جولائی ۱۸۳۹ء کو تخت پر بیٹھا اور ۱۸۶۲ء میں فوت ہوا

اس سلطان نے بالکل سلطان محمود کے طریقہ کی پیروی کی۔ بالکل یورپین کوٹ و پتلون اوتمام یورپین لباس پہنتا تھا۔صرف ٹوپی سرخ ترکی کی ہوتی تھی میز پر چھری کانٹے چمچے سے کھانا کھاتا تھا اور تمام تعصّبات کو جو مذہب اسلام کی رو سے لغو تھے چھوڑ دیا تھا اور روز بروز عیسائی قوموں سے محبت اور دوستی بڑھاتا تھا۔

سب سے اول اور عمدہ کام جو اس بادشاہ سے بن آیا اور جس کے سبب مسلمان ہمیشہ اس کے احسان مند رہیں گے تمام یورپ کی اعلی سلطنتوں سے اور خصوص انگریزوں سے خالص محبت اور اخلاص پیدا کرنا تھا جس کے سبب سلطنت روم کی منجملہ یورپ کی سلطنتوں کے شمار ہوئی اور جو عہد نامہ ۱۸۴۰ء میں یورپ کی سلطنتوں میں ہوا اس عہد نامہ میں یہ مسلمانی سلطنت بھی شامل ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کریمیا کی لڑائی میں جو اس بادشاہ سے اور

روسیوں سے ہوئی تھی انگریز اور فرنچ نے سلطان کی مدد کی اور اس مسلمانی سلطنت کو بچا لیا ورنہ آج دنیا میں مسلمانی سلطنت کا نام بھی نہ ہوتا۔ پس حقیقت میں تمام دنیا کے مسلمانوں پر انگریزوں اور فرنچوں کا مگر بالتخصیص انگریزوں کا اس قدر احسان ہے کہ جب تک مسلمانی سلطنت قائم ہے بلکہ جب تک مسلمان دنیا میں ہیں اس کے شکر اور مراسم احسان مندی کو ادا نہیں کر سکیں گے۔

سلطان کی خوش قسمتی سے سلطان کو ایک نہایت لائق اور جامع جمیع صفات وزیر ہاتھ آیا تھا جس کا نام رشید پاشا تھا۔ اگر ہم سلطان عبدالمجید خاں کے ادب کا پاس نہ کرتے تو ان لوگوں کی فہرست میں جنہوں نے مسلمانوں کے حالات معاشرت میں اصلاح و ترقی کی سلطان محمود خاں کے بعد رشید پاشا کا نام نامی اور لقب گرامہ لکھتے۔ اس نے ترکوں کو تمام لغو اور بیہودہ تعصّبات کو جن کو انہوں نے غلط دینداری کے رنگ میں رنگا تھا۔ اور جو دراصل مذہب اسلام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے تھے اور جو درحقیقت مسلمانوں کے تربیت یافتہ اور مہذب ہونے کے مانع تھے بخوبی غور کیا اور قرآن مجید کے استدلال اور سند سے اور نہ زید و عمرو کی تقلید سے ان تمام تعصّبات کی تردید کی اور یورپ کے طریقوں کے اختیار کرنے کا جواز لکھا اور سلطان عبدالمجید خاں نے اس کو پسند کیا اور تمام علماء اور مسلمانوں میں اور تمام رعایا میں اس کے مشتہر کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ تمام تحریر بطور فرمان لکھی گئی جو ٹرکی زبان میں ''ہت شریف'' کے نام سے ملقب ہے۔

۳ نومبر ۱۸۴۱ء کو ایک بہت بڑے عالی شان مکان ہیں خود سلطان اور اس کے تمام وزاراء اور علماء اور سول و فوج کے افسر اور تمام سلطنتوں کے سفیر جو انباسڑ کہلاتے ہیں اور شیخ و مشایخ کبار اور ہر درجہ کے امام اور گریک اور ارمنی چرچ کے بشپ جو پیٹریارک کہلاتے ہیں اور علماء یہود جو ربی کہلاتے ہیں اور تمام اہل حل وعقد جمع ہوئے اور رشید پاشا نے وہ

ہت شریف پڑھا اور سب نے آمنا و صدقنا کہا۔ یہ دن سلطان عبدالمجید خان کی سلطنت میں ایسا مبارک دن تھا جس پر سے ہزار عید قربان ہوتی چاہییں ۔ یہ دن نہیں تھا بلکہ مسلمانون کی قوم کی جان تھا اور حقیقت میں رشید پاشا مسلمانوں کی قوم کی زندگی کا سبب تھا۔ خدا اس پر رحمت کرے۔

سلطان عبدالمجید خان نے جو اس زور شور سے مسلمانوں کے حالات کی بہتری چاہی اور ان کے لغو تعصّبات کو جو غلط دینداری کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے دفعتا توڑ دیا تو عام جاہل لوگوں اور ان کٹ ملاؤں نے جن کی مثال ایسی تھی کہ ۔ چار پائے بروکتا بے چند۔ انہوں نے بہت غل مچایا اور عوام میں ایک ناراضی پیدا ہوئی اور اس کو کرسٹان کہنے لگے۔ مگر جب رفتہ رفتہ لوگوں کو معلوم ہوتا گیا کہ سلطان نے کیا کچھ بھلائی اور بہتری اسلام کی اور مسلمانوں کے ساتھ کی ہے تو سب لوگ دل سے سلطان کو چاہنے لگے۔

ایک مورخ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ سلطان کوٹ پتلون پہنے ہوئے اور لال ترکی ٹوپی اوڑھے ہوئے گھوڑے پر سوار نماز کے لیے بایزید کی مسجد کو جاتا تھا راستہ میں عورتوں کے غول نے بادشاہ کو گھیر لیا اور دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور آپس میں کہنے لگیں کہ کیا ہمارا بیٹا خوبصورت نہیں ہے۔ اب اس بات سے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ سلطان کو کس قدر لوگ عزیز سمجھنے لگے تھے۔

اس سلطان نے اپنی سلطنت میں نہایت عمدہ کام کیے۔ انگریزوں اور فرنچ سے نہایت استحکام اور سچائی سے دوستی قائم کی۔ عدالتوں کے لیے قوانین بنائے اور فرانس کے طریقہ پر تمام انتظام سلطنت قائم کے ۱۸۴۶ء میں پبلک انسٹرکشن کی کونسل بنائی ۔ نئی یونیورسٹی قائم کی۔ نارمل اسکول قائم کیے اور اس کے وقت میں اتنی ترقی ہوئی کہ قسطنطنیہ میں تیرہ اخبار فرنچ اور ترکی اور گریک زبان میں چھپنے لگے تھے۔

ماشرابی سینی صاحب ایک فرنچ مورخ نے اس سلطان کے زمانہ کے حال میں لکھا ہے کہ ترک نہایت بہادر اور زہین آدمی ہیں اور نہایت ایماندار مسلمان جو نہایت عجیب طرز پر اپنے مذہب کے ذریعہ سے اپنے چال چلن درست کرنے پر متوجہ ہیں۔

سوم :: سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم

یہ اس عہد کا بادشاہ ہے جس کی ذات مبارک سے روم کا تخت سلطنت مزین ہے خدا اس کو اور اس کی سلطنت کو سلامت رکھے یہ سلطان بھائی ہے سلطان عبدالمجید خاں کا ۱۸۶۲ء میں اپنے بھائی کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا۔

اس سلطان نے سب سے زیادہ مسلمانوں میں تربیت و شائستگی پھیلانے میں قدم بڑھایا ہے اور انگریزوں اور فرنچ اور آسٹریا سے اور بھی زیادہ دوستی و اخلاص پیدا کیا ہے۔

لباس میں اس طریقہ زندگی میں اپنے سابقین کی صرف پیروی ہی نہیں کی بلک رو زبروز اس میں ترقی کرتا گیا۔ بے تعصبی اور سچی دوستی اور محبت کا جو اس نے فرنچ اور انگریزوں سے پیدا کی ہے ۱۸۶۷ء میں بخوبی ثبوت ہو گیا جب کہ سلطان پیرس دارالسلطنت فرانس میں بطور مہمان کے آیا اور امپرر نپولین کے ساتھ کھانے اور تمام جلسوں میں شریک رہا اور وہاں کی سیر و سیاحت کر کر لنڈن میں صرف دوستی اور اخلاص کے سبب ملک معظّمہ وکٹوریا دام ظلہا سے ملاقات کر آیا اور کھانوں اور دعوتوں اور جلسوں میں شریک رہا۔

سب سے زیادہ عزت جو سلطان نے لنڈن میں کمائی بلکہ مسلمانوں کی قوم کو بلکہ ان کے اخلاق مذہبی کو دی وہ صرف یاد رکھنا اس احسان کا تھا جو لارڈ پالمرسٹن نے کریمیا کی لڑائی میں ترکوں کو مدد دینے سے کیا تھا وہ عالی ہمت فیاض لارڈ جو زمانہ جنگ کریمیا میں وزیر اعظم سلطنت ملکہ معظّمہ وکٹوریا کا تھا مر گیا تھا مگر ان کی بی بی لیڈی پالمرسٹن زندہ تھی سلطان خود لیڈی پالمرسٹن کے پاس کے شوہر عالی وقار کا شکر ادا کرنے گیا اور جتنی بڑی عزت کا یہ کام

سلطان سے ہوا شاید آئندہ تمام عمر اس کو ایسا دوسرا کام کرنا نصیب نہیں ہونے کا۔

اس مقام پر ہم ہندوستان کے مسلمانوں کے سر اسٹافورڈ نارتھ کوٹ اس زمانہ کے سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا یعنی وزیر ہندوستان کے اس احسان کا ضرور ذکر کریں گے کہ جب سلطان لنڈن میں تشریف رکھتے تھے تو انہوں نے ہندوستان کی طرف سے سلطان کو انڈیا آفس میں بلایا اور ہماری طرف سے دعوت کی۔ جب میں لنڈن میں گیا تھا تو میں نے انڈیا آفس کے اس خوبصورت بڑے ہال کو جس میں ہماری طرف سے سلطان کی دعوت ہوئی تھی دیکھا تھا اور سر اسٹافورڈ نارتھ کوٹ کا بہت بہت شکر کیا تھا۔

پھر اسی دوستی اور اخلاص کا استحکام ۱۸۶۸ء میں اور زیادہ روشن ہوا کہ پرنس آف ویلز اور پرنس آف ویلز ولیعہد ملکہ معظّمہ اور ولیعہد بیگم قسطنطنیہ میں سلطان کے ہاں مہمان تشریف لے گئے اور باہم دوستی اور محبت سے جلسوں اور دعوتوں میں شریک ہوئے۔

اس کے بعد امپرس آف فرانس یعنی فرانس کے بادشاہ بیگم سلطان کے ہاں مہماں تشریف لے گئیں اور اس طرح کھانے اور پینے اور دعوتوں کے جلسے رہے۔

پھر امپرز جوزف یعنی شہنشاہ آسٹریا سلطان کے ہاں مہمان تشریف لے گئے اور جو کہ سلطان کے ملک کی اور آسٹریا کی حد بالکل پیوستہ ہے اور جار ملاصق ہے اس لیے سلطان نے حق ہمسایہ کو جس کا ادب بموجب مذہب اسلام زیادہ تر ہے زیادہ عزیز سمجھا اور خاص اسی محل میں جس میں خود رہتا تھا اپنے ساتھ شہنشاہ آسٹریا کو اتارا۔ دن رات باہم صحبت رہی۔ کھانے پینے میں شریک رہے۔ سب ایک میز پر بیٹھ کر کھاتے تھے۔ صرف سلطان کا نماز پڑھنا اور شہنشاہ آسٹریا کا چرچ میں جانا مسلمان اور عیسائی ہونا بتاتا تھا اور اس کے سوا کچھ فرق نہ تھا۔

گریک اور ارمنی چوچوں کے لیے بشپ اور پیٹریارک اسی طرح سلطان مقرر کرتا

ہے جس طرح کہ اگر خود انہی مذہبوں کا کوی بادشاہ ہوتا اور وہ مقرر کرتا اس کے ہاں تمام عہدہ دار اعلی سے اعلی بھی بلحاظ مذہب کے عہدوں پر مقرر ہیں اور آپس میں ایسا اطمینان اور اعتماد ہے کہ سفارت کے عہدوں تک جس میں ہزاروں راز کی باتیں ہوتی ہیں عیسائی اور مسلمان سب مقرر ہیں۔ یہ کسی عمدہ اور خوشی کی بات ہے کہ مسلمان سلطان کی طرف کے دربار حضور ملکہ معظّمہ میں جو سب سے بڑا دربار ہے اور سلطان کو سب سے زیادہ تعلق اور غرض اس عالی شان دربار سے ہے مسورس پاشا جو گریک ہے انباسڑ یعنی سفیر مقرر ہے۔

ترکوں کی تربیت اور شائستگی اور تہذیب کا اب یہ حال ہے کہ ان کا تمام لباس کوٹ و پتلون اور قمیض و واسکٹ بالکل یورپ کی مانند ہے ایک قسم کا فراک کوٹ جو استعمال کرتے ہیں اور تمام امراء اور شریف لوگوں کا یہی لباس ہے صرف ترکی ٹوپی جدا ہے سب نے زمین پر کا بیٹھنا چھوڑ دیا ہے میز و کرسی پر بیٹھتے ہیں۔ میز پر چھری کانٹوں سے کھانا کھاتے ہیں ان کے مکان کی آراستگی اور طریقہ زندگی بالکل یورپین کا سا ہو گیا ہے۔

علی پاشا وزیر سلطنت نہایت عمدہ انگریزی پڑھا ہوا ہے لنڈن میں اس نے تعلیم پائی ترکوں کا لباس نہایت عمدہ اور خوبصورت ہو گیا ہے۔ خوش وضع پتلونیں اور پاؤں میں سیاہ نفیس انگریزی بوٹ اور سیاہ سیاہ نفیس بانات کے کوٹ اور سر پر لال ٹوپی جو فیس کہلاتی ہے نہایت خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ صفائی اور نفاست اور آراستگی مکانات بالکل یورپ کی مانند ہے۔ جب وہ لوگ اپنی ہمسایہ قوموں فرنچ اور انگریزوں میں مل ک بیٹھتے ہیں تو ہجولی معلوم ہوتے ہیں اور امید ہے کہ روز بروز اور زیادہ مہذب ہوتے جاویں گے۔ پس ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی ہم یہی چاہتے ہیں کہ اپنے تعصّبات اور خیالات خام کو چھوڑ دیں اور تربیت اور شائستگی میں قدم بڑھائیں۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مورخہ ۲۴ اپریل ۱۸۸۰ء)

افسوس ہے کہ جناب ممدوح مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء کوضیق النفس کی بیماری میں بمقام دیوبند انتقال فرمایا۔زمانہ بہتوں کورویا ہےاور آئندہ بھی بہتوں کوروئے گا۔لیکن ایسے شخص کے لیے رونا جس کے بعد اس کا کوئی جانشین نظر نہ آوے۔ نہایت رنج وغم اور افسوس کا باعث ہوتا ہے۔ایک زمانہ تھا کہ دلی کے علماء میں سے بعض لوگ جیسے کہ اپنے علم وفضل اور تقویٰ اور ورع میں مصروف ومشہور تھے۔ایسے ہی نیک مزاجہ اور سادہ وضعی اور مسکینی میں بے مثل تھے۔لوگوں کا خیال تھا کہ بعد جناب مولوی اسحاق کے کوئی شخص ان کی مثل ان تمام صفات میں پیدا ہونے والانہیں ہے۔مگر مولوی محمد قاسم مرحوم نے اپنی کمال نیکی اور دینداری اور تقویٰ اور ورع اور مسکینی سے ثابت کر دیا کہ اس دلی کی تعلیم وتربیت کی بدولت مولوی محمد اسحاق صاحب کی مثل ایک اور شخص کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ چند باتوں میں ان سے زیادہ ہے۔

ابھی بہت سے لوگ زندہ ہیں جنہوں نے مولوی محمد قاسم صاحب کونہایت کم عمری میں دلی میں تعلیم پاتے دیکھا ہے۔انہوں نے جناب مولوی مملوک علی صاحب سے تمام باتیں پڑھی تھیں۔ابتدا ہی سے آثار تقویٰ اور ورع اور نیک بختی اور خدا پرستی کے ان کے

اوضاع اوراطوار سے نمایاں تھے اور یہ شعران کے حق میں بالکل صادق تھا۔

بالائے سرش ز ہوش مندی

می تافت ستارہ بلندی

زمانہ تحصیل علم میں جیسے کہ وہ ذہانت اور عالی دماغی اور فہم وفراست میں مصروف و مشہور تھے ویسے ہی نیکی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہل فضل وکمال تھے۔ ان کو جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندہلوی کی صحبت نے اتباع سنت پر بہت زیادہ راغب کردیا تھا اور حاجی امداد اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے بہت زیادہ راغب کردیا تھا اوحاجی امداد اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے فیض صحبت نے ان کے دل کو ایک نہایت علی رتبہ کا دل بنادیا تھا۔ خود بھی پابند اور شریعت تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی پابند سنت وشریعت کرنے میں زائد از حد کوشش کرتے تھے۔ بایں ہمہ عام مسلمانوں کی بھلائی کا ان کو خیال تھا ان ہی کی کوشش سے علوم دینیہ کی تعلیم کے لیے نہایت مفید مدرسہ دیو بند میں قائم ہوا اور ایک نہایت عمدہ مسجد بنائی گئی علاوہ اس کے اور چند مقامات میں بھی ان کی سعی اور کوشش سے مسلمانی مدرسے قائم ہوئے۔ وہ کچھ خواہش پیر ومرشد بننے کی نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہندوستان میں اور خصوصا اضلاع شمال ومغرب میں ہزار ہا آدمی ان کے معتقد تھے اور ان کو اپنا پیشوا ومقتدا جانتے تھے۔

مسائل خلافیہ میں بعض لوگ ان سے ناراض تھے اور بعضوں سے وہ ناراض تھے۔ مگر جہاں تک ہماری سمجھ ہے ہم مولوی محمد قاسم مرحوم کے کسی فعل کو خواہ کسی سے ناراضی کا ہو۔ خواہ کسی سے خوشی کا ہو۔ کس طرح ہوائے نفس یا ضد یا عداوت پر محمول نہیں کرسکتے۔ ان کے تمام کام اور افعال جس قدر کہ تھے بلاشبہ للّٰہیت اور ثواب آخرت کی نظر سے تھے اور جس بات کو وہ حق اور سچ سمجھتے تھے اس کی پیروی کرتے تھے۔ ان کا کسی سے ناراض ہونا صرف خدا کے لیے تھا اور کسی سے خوش ہونا بھی صرف خدا کے واسطے تھا۔ کسی شخص کو مولوی محمد قاسم

صاحب اپنے زاتی تعلقات کے سبب اچھا یا برا نہیں جانتے تھے۔ مسئلہ حب اللہ اور بغض للہ خاص ان کے برتاؤ میں تھا۔ ان کی تمام خصلتیں فرشتوں کی سی خصلتیں تھیں۔ ہم اپنے دل سے ان کے ساتھ محبت رکھتے تھے اور ایسا شخص جس نے ایسی نیکی سے اپنی زندگی بسر کی ہو بلاشبہ نہایت محبت کے لائق ہے۔

اس زمانہ میں سب لوگ تسلیم کرتے ہوں گے کہ مولوی محمد قاسم اس دنیا میں بے مثل تھے۔ انکا پایہ اس زمانہ میں شاید معلوماتی علم میں شاہ عبدالعزیز کے کچھ کم ہو۔ الا اور تمام باتوں میں ان سے بڑھ کر تھا۔ مسکینی، نیکی اور سادہ مزاجی میں اگر ان کا پایہ مولوی اسحاق سے بڑھ کر نہ تھا تو کم بھی نہ تھا۔ وہ درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے شخص تھے اور ایسے آدمی کے وجود سے زمانے کا خالی ہو جانا ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد زندہ ہیں نہایت رنج اور افسوس کا باعث ہے۔

افسوس ہے کہ ہماری قوم بہ نسبت اس کے کہ عملی طور پر کوئی کام کرے زبانی عقیدت اور ارادت بہت زیادہ ظاہر کرتی ہے۔ ہماری قوم کے لوگوں کا یہ کام نہیں ہے کہ ایسے شخص کے دنیا سے آٹھ جانے کے بعد صرف چند کلمے حسرت اور افسوس کے کہہ کر خاموش ہو جائیں۔ یا چند آنسو آنکھ سے بہا کر اور رومال سے پونچھ کر چہرہ صاف کرلیں۔ بلکہ ان ک فرض ہے کہ ایسے شخص کی یادگار کو قائم رکھیں۔

دیوبند کا مدرسہ ان کی ایک نہایت عمدہ یادگار ہے اور سب لوگوں کا فرض ہے کہ ایسی کوشش کریں کہ وہ سارے ہمیشہ قائم اور مستقل رہے اور اس کے ذریعے سے تمام قوم کے دل پر ان کی یادگاری کا نقش جما رہے۔

(۲)

مضامین ادبی

علوم جدیدہ

(تہذیب الاخلاق یکم ذی الحجہ ۱۲۸۸ھ)

ہماری تحریروں میں اکثر لفظ ''علوم جدیدہ'' آتا ہے غالباً اس کی مراد میں لوگوں کو شبہ رہتا ہوگا۔اس لیے اس کی تفسیر کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ علوم جدیدہ سے تین قسم کے علوم مراد ہیں:

(۱) ایک وہ جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں مطلق نہ تھے اور اب حال میں ایجاد ہوئے ہیں مثلاً جیالوجی اور ایلکٹر سٹی وغیرہ۔

(۲) دوسرے وہ علوم جن کا نام تو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ میں تھا مگر جن اصول پر وہ علوم مبنی تھے وہ اصول غلط ثابت ہو کر متروک ہو گئے اور اب نئے اصول قائم ہوئے۔جن کو اصول قدیمہ سے کچھ مناسبت نہیں اور بجز اتحاد نام کے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ مثلاً علم ہیئت اور کیمسٹری وغیرہ۔

(۳) تیسرے وہ علوم جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے زمانہ میں بھی تھے اور ان کے اصولوں میں بھی کچھ اختلاف نہیں ہوا۔مگر اب ان کو کمال وسعت ہوگئی ہے کہ زمانہ حال میں بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں مثلاً میکنکس یعنی علم آلات جو ہمارے ہاں بلفظ علم جو ثقیل مستعمل ہے اور علم حساب، جبر و مقابلہ ہندسہ وغیرہ۔

پس ہم اپنے ناظرین پرچہ ہذا (یعنی تہذیب الاخلاق) سے امید رکھتے ہیں کہ وہ جہاں ہماری تحریر میں علوم جدیدہ کا لفظ دیکھیں اس سے ہماری مراد ان تینوں قسموں سے کسی قسم کو یا کل کو مجموعا و منفردا تصور فرمائیں

ترقی علوم

(تہذیب الاخلاق بابت ۱۵ ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ)

مسلمانوں میں ترقی علوم کی ایک عجیب سلسلہ سے ہوئی ہے۔ سب سے اول بنیاد ترقی علوم کی جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں ہوئی کہ انہوں نے زید ابن ثابت کو متعین کیا کہ قرآن مجید کو اول سے آخر تک یک جا جمع کر کر بطور ایک کتاب کے لکھ دیں چناں چہ انہوں نے لکھا جیسا کہ اب موجود ہے۔

دوسری دفعہ مسلمانوں کے علوم کو اس وقت ترقی ہوئی جب کہ لوگوں نے حدیث کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اگر چہ اول اول لوگ اس کو برا جانتے تھے (اور شاید ان کی رائے صحیح ہو) مگر دوسری صدی میں سب نے اس کی ضرورت کو قبول کے اور حدیثوں کو جمع کرنے اور حدیث کی کتابوں کے لکھنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ سب سے اول کس نے اس کام کو شروع کیا بعضے کہتے ہیں کہ سب سے اول امام عبدالما لک بن عبدالعزیز ابن جریج بصری نے جنہوں نے ۱۵۵ ہجری میں وفات پائی کتاب تصنیف کی۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ ابونصر سعید ابن عروبہ نے جنہوں نے ۱۵۶ ہجری میں انتقال کیا، کتاب تصنیف کی اور بعضے کہتے ہیں کہ ربیع ابن صبیح نے جو ۱۶۰ ہجری میں مر گئے سب سے اول کتاب لکھی اور اسی زمانہ کے قریب میں سفیان

بن عینیہ اور مالک ابن انس کی تصنیفات مدینہ میں، اور عبداللہ ابن وھب کی تصنیفات مصر میں، اور معمر اور عبدالرزاق کی تصانیف یمن میں اور سفیان ثوری اور محمد ابن فضیل ابن غزوان کی کوفہ میں اور حماد ابن سلمہ اور روح ابن عبادہ کی بصرہ میں اور ہشیم واسط اور عبداللہ ابن مبارک کی خراسان میں شائع ہوئیں۔

تیسری دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی اس وقت ہوئی کہ بعض لوگوں نے عقاید مذہبی میں اختلاف کیا اور فرق بدع واہواء کا شیوع ہوا اور علم کلام میں کتابیں تصنیف ہوئی شروع ہوئیں پھر اسی علم کلام کو اور زیادہ ترقی ہوگئیں جبکہ تردید مسائل فلسفہ یونانیہ بھی جو عقاید اسلام کے برخلاف تھے اس میں شامل کیے گئے۔ سب سے اول اسی علم میں حارث محاسبی نے کتاب تصنیف کی جو حضرت امام احمد حنبلؒ کا ہمعصر تھا۔ اول اول علماء ورانقیاء اس علم کو زندقہ والحاد سمجھتے تھے پھر رفتہ رفتہ اس کی ایسی ضرورت معلوم ہوئی کہ فرض کفایہ تک نوبت پہنچ گئی۔

چوتھی دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی خلفاء عباسیہ کے عہد میں ہوئی کہ یونانیوں کے علوم یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوئے اور مسلمانوں میں رائج ہوئے۔ اول اول ان علوم پڑھنے والوں پر بھی کفر وارتداد کے فتوے ہوئے مگر چند روز بعد یہی علوم مدار فضیلت و کمال قرار پائے۔

پانچویں دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی اس وقت ہوئی جب کہ مسلمان عالموں نے معقول و منقول کی تطبیق کو ایک امر لازمی اور ضروری سمجھا اور یقین کیا کہ بغیر اس کے انسان کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

اس فن میں سب سے زیادہ کمال امام غزالیؒ نے حاصل کیا۔ ان کی کتاب احیاء العلوم گویا سرچشمہ اس فن کا ہے۔ اگرچہ ابتداء میں امام غزالیؒ کی نسبت بھی کفر کے فتوے ہوئے

اوران کی کتاب ک جلا دینے کے اشتہار کیے گئے مگر آخر کو حجۃ الاسلام ان کا لقب ہوا اوران کی کتاب کو تمام عالم نے تسلیم کیا۔

اس کے بعد بہت کم کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں مگر اخیر زمانہ میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ اس طرف متوجہ ہوئے اور کتاب حجۃ اللہ البالغہ لکھی جو بلحاظ اس زمانہ کے درحقیقت نہایت عمدہ اور عجیب لطیف کتاب تھ۔

مگراب یہ تمام وقت جن کی کہانی ہم نے بیان کی گذر گئے اوراب بڑی ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں دو طرح پر علوم کی ترقی ہو۔

اول۔ جس طرح کہ قدیم یونانی فلسفہ اور حکمت ہم مسلمانوں نے حاصل کی تھی اب فلسفہ وحکمت جدیدہ کے حاصل کرنے میں ترقی کریں کیونکہ علوم یونانیہ کی غلطی اب علانیہ ظاہر ہوگئی ہے اور علوم جدیدہ نہایت عمدہ اور مستحکم بنیاد پر قائم ہوئے ہیں۔

دوسرے یہ کہ جس طرح علماء سابق نے معقول یونانیہ اور منقول اسلامیہ کی مطابقت میں کوشش کی تھی اسی طرح حال کے معقول جدیدہ اور منقول اسلامیہ قدیمہ کی تطیق میں کوشش کی جاوے تا کہ جو نتائج ہم کو پہلے حاصل ہوئے تھے وہ اب بھی حاصل ہوں۔

اس کام کے کرنے میں بلاشبہ بہت سے ناداں برا کہیں گے اور زبان طعنہ دراز کریں گے مگر ہم کو اس پر کچھ خیال کرنا نہیں چاہیے کیونکہ جن اگلے لوگوں نے ایسا کیا تھا ان کا بھی یہی حال ہوا تھا مگر آخر کو سب لوگ اس کی قدر کریں گے۔

....

علامات قرات

(تہذیب الاخلاق ۵ بابت یکم رمضان ۱۲۹۱ھ صفحہ ۱۶۵ تا ۱۶۹)

اس مقام پر لفظ قرات سے ہماری مراد قرات مصطلحہ قرآن مجید نہیں ہے بلکہ اس کے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی پڑھنے کے نشان، انگریزی میں چند علامتیں مقرر ہیں جن کو پنکچو ئیشن کہتے ہیں۔ انگریزی عبارت میں وہ نشان ہمیشہ لگائے جاتے ہیں۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ عبارت کو فصیح طور پر پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ان نشانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ کہاں ختم ہوا۔ کہاں سے دوسرا مطلب شروع ہوا۔ کون سے لفظ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، کونسے علیحدہ ہیں عبارت پڑھنے میں کس جگہ ٹھہرنا چاہیے، کس جگہ ملا کر پڑھنا چاہیے۔ تاکہ مطلب پڑھنے والے اور سننے والے کی سمجھ میں بخوبی آتا جاوے۔ اس کے سوا ان نشانوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت میں کون سا جملہ معترضہ ہے اور کون سا استفہامیہ؟ کون سا اقتباسیہ اور کون سا ندائیہ؟ کس مقام پر مصنف نے کوئی بات تعجب انگیز لکھی ہے؟ اور کس مطلب پر مصنف نے پڑھنے والے کی زیادہ توجہ چاہی ہے؟ علیٰ ہذا القیاس اس میں کچھ شک نہیں کہ علامات قرات نہایت عمدہ چیز ہیں اور علم ادب کی ترقی کے

لیے نہایت مفید ہیں۔ تمام ملکوں میں جہاں علم وفنون، علم ادب وانشاء تہذیب اور شائستگی کی ترقی ہے۔ ان علامت کا استعمال ہوتا ہے۔ ہم مسلمانوں نے اپنی تحریروں میں کوئی علامتیں اس قسم کی معین نہیں کیں۔ صرف قرآن مجید میں جس کو ہم نہایت عزیز اور قابل ادب سمجھتے ہیں اور جس کی تلاوت میں ہم کو بڑا اہتمام ہے۔ بعض ایسی علامتیں جو قرات مجید سے مخصوص ہیں، مقرر کی تھیں۔

سنسکرت زبان کی تحریر میں بھی کچھ علامتیں اس قسم کی مقرر نہ تھیں لیکن اس زمانہ میں جن لوگوں نے اپنی زبان کی ترقی اور درستی کی فکر کی ہے انہوں نے اپنی اپنی تحریروں میں ان علامتوں کا رواج شروع کیا ہے۔ بنگالی زبان کی تحریر میں تو یہ علامتیں نہایت خوبی سے مروج ہوگئی ہیں اوراوریا اور گجراتی اورناگری میں بھی مروج ہوتی جاتی ہیں، مگر اردو زبان کی تحریر میں اس کا بہت کم رواج ہے۔ کبھی کبھی ہم اپنے تہذیب الاخلاق میں کوئی کوئی علامت اس قسم کی لگا دیتے ہیں۔ یا آگرہ اخبار کے ایک صاحب معاون اپنے آرٹیکلوں میں نہایت خوبی اورخوش اسلوبی سے ان علامتوں کا استعمال کرتے ہیں۔

کچھ کم دو برس کا عرصہ ہوا ہوگا کہ جناب منشی غلام محمد صاحب متوطن بمبئ نے اس پر بہت توجہ کی اور اردو زبان کی تحریر میں بھی ان علامتوں کا مروج ہونا ضروری سمجھا اور اس باب میں ایک رسالہ، موسوبہ ''نجوم العلامات'' تحریر فرمایا جو درحقیقت اپنی خوبی اور حسن بیان میں بے نظیر ہے۔ اس رسالہ میں جناب موصوف نے ہر قسم کی علامتیں مقرر کی ہیں جو علامات قرات قرآن مجید سے اخذ کی گئی ہیں۔ اور اکثر حروف مفردہ تہجی باضافہ ایک لکیر مثل زیر کے ان علامتوں کے لیے مقرر کیے ہیں۔ اور ہر ایک علامت کا بیان خوبی اور خوش بیانی اور وضاحت سے کیا ہے۔

ہم کو جناب ممدوح کی تمام تجویزوں سے دل سے اتفاق ہے، مگر جو علامتیں انہوں

نے مقرر کی ہیں ان سے بوجوہات مفصلہ ذیل ہم کو اختلاف ہے:۔

اول: ہم نہیں پسند کرتے کہ جو علامتیں مدت سے قرآن مجید کی تحریر میں مخصوص ہو گئی ہیں وہ اور تحریروں میں مروج کی جاویں اور آیت اور مطلق جو خاص قرآن مجید کی اصلاحات ہیں۔ اور تحریروں پر بولی جاویں۔ گو شرعاً و عقلاً اس میں کچھ قباحت نہ ہو۔ الا تعظیماً للقرآن المجید ایسا کرنا پسند نہیں کرتے۔

دویم: علامتیں جو حروف مفردہ پہنچی سے مقرر کی گئی ہیں وہ اردو زبان کی تحریر میں حروف عبارت سے مشتبہ ہو جاتی ہیں اور پڑھنے میں شبہ پڑتا ہے کہ وہ حرف بھی منجملہ حروف عبارت ہے، اس لیے ضرور ہے کہ علامات مذکورہ صرف نقوش ہوں، حروف نہ ہوں۔

سویم: علامات مذکورہ ایسی ہونی چاہیئں کہ جو پتھر اور ٹیپ (ٹائپ) دونوں قسم کے چھاپہ میں مستمل ہو سکیں۔ پس اگر ہم ایسی علامتیں مقرر کریں جو ٹیپ (ٹائپ) میں بنی ہوئی مروج ن ہ ہوں تو بالفعل ہم کو نہایت مشکل پڑے گی اور کسی طرح ہم کو نہ ان علامتوں کا ہاتھ آنا میسر ہوگا نہ ان کو بتا سکیں گے؟ اس لیے نہایت مناسب ہے کہ جو علامتیں انگریزی میں مروج ہیں وہی ہم اردو تحریر میں بھی اختیار کریں، ان علامتوں کا ٹیپ (ٹائپ) ہر قسم کا بنا ہوا دستیاب ہوتا ہے۔ پ تھر کے چھاپہ میں نہایت آسانی سے تحریر میں آ سکتی ہیں اور ان کی شکل ایسی ہے کہ کسی حرف کے ساتھ مشابہ نہیں ہے۔ صرف ایک علامت ہے جو حرف واؤ کے مشابہ ہے۔ لیکن اس کو الٹ دینے سے وہ التباس بالکل زایل ہو جاتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم تہذیب الاخلاق میں ان علامتوں کا رواج دیں۔ اگر اور لوگ بھی اس کو پسند کریں گے تو امید ہے کہ اردو زبان میں بھی اس کا رواج ہو جاوے گا۔ اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ جناب منشی غلام محمد صاحب کے رسالہ کی خوشہ چینی سے ان علامتوں کا اس مقام پر کچھ بیان کریں۔

مفصلہ ذیل علامتیں ہیں جو اردو زبان کی تحریر میں مستعمل ہوسکتی ہیں

(،) کاما یعنی علامت سکتہ۔ انگریزی میں اسکی یہ شکل ہے (,) حرف مگر یہ۔ واؤ کے مشابہ تھا اس لیے اس کو الٹ دیا تا کہ مفرد تہجی سے مشابہت نہ رہے۔

(؛) سمیکولن یعنی علامت سکون۔ انگریزی میں اس کی صورت یوں (;) ہے۔ اس کو بھی الٹ دیا ہے۔

(:) کولن یعنی علامت وقفہ۔

جہاں علامت سکتہ ہو اس لفظ پر پڑھنے میں ذرا ٹھہرنا چاہیے۔ اور جہاں علامت سکون ہو وہاں ذرا اس سے زیادہ اور جہاں علامت وقفہ ہو وہاں ذرا اس سے بھی زیادہ۔

() فل سٹاپ یعنی علامت وقفہ کامل۔ یہ علامت اس بات کی ہے کہ یہاں فقرہ پورا ہو گیا۔

(؟) نوٹ آف اکسکلا میشن یعنی علامت تعجب و حیرت و فرحت۔ اگر یہی نشان برابر دو (!!) کر دیے جاویں یا تین (!!!) کر دیے جاویں تو زیادہ تعجب و حیرت یا مسرت پر دلالت کرتے ہیں۔

(۔) ہائی فن یعنی علامت ترکیب۔

(۔) ڈیش یعنی خط یا لکیر۔

() پرنتھسز یعنی علامت جملہ معترضہ۔

() کوٹیشن۔ یعنی علامت اقتباس، انگریزی تحریر میں یہ علامت اس طرح پر لکھی جاتی

ہے۔( ) مگر ہم نے دونوں کو الٹا رہنے دیا ہے۔

لفظوں کے اوپر لکیر کر دینا۔ یہ قدیم علامت نقل یا اقتباس کی ہے: جیسے کہ شرح میں متن کی عبارت پر لکیر کر دی جاتی ہے۔

( ) انڈر لائن یعنی علامت توجہ۔ جن لفظوں کے نیچے لکیر کر دی جاتی ہے۔ وہ اس بات کا نشان ہے کہ بڑھنے والا اس پر زیادہ توجہ کرے۔

("#+*") اسٹار یعنی نجم۔ کسی جملہ یا عبارت منقولہ کے بیچ میں دو یا تین نجم لگا دینا اس بات کا نشان ہے کہ اس مقام پر سے کچھ لفظ یا عبارت جو مطلب سے متعلق نہ تھا یا اسکی نقل ضروری نہ تھی چھوڑ دی گئی ہے۔،اور ایک نجم علامت حاشیہ کی ہے۔

( )ان میں سے ہر ایک حاشیہ کی علامت ہے

علامت سکتہ

اس علامت سے جملہ کے ایسے حصے علیحدہ علیحدہ معلوم ہوتے ہیں جو مطلب میں تو ملے ہوئے ہیں مگر پڑھنے میں ان مقاموں پر ذرا سکتہ کر کر پڑھنا چاہیے۔

ا۔ جب کسی مفرد جملہ میں مبتدا اور خبر مرکب ہوں۔

تو ان کے بیچ میں علامت سکتہ لگانی چاہیے۔

مثال: کسی چیز کی طرف مستقل اور پوری توجہ، اعلیٰ طبیعت کی نشانی ہے۔

۲۔ جملہ مرکبہ کے اجزاءِ مفردہ بذریعہ علامت سکتہ علیحدہ کرنے چاہییں۔ تاکہ پڑھنے میں الگ الگ پڑھے جاویں۔

مثال: جب اچھائی نہیں رہتی۔ تو لوگوں کی توجہ بھی نہیں رہتی۔

بہادروں نے جب دشمنوں کا حال سنا۔تو ان پر نہایت دلیری سے حملہ کیا۔

مگر جب جملہ کے اجزاء ایسے ہوں کہ خود انہی سے ان میں ترکیب پائی جاتی ہو۔تو وہاں سکتہ کا لگانا کچھ ضرور نہیں ہے۔

مثال: خود ہمارا دل ہم کو بتاتا ہے کہ اصلی نیکی کیا ہے۔

۳۔معطوف و معطوف علیہ میں جب حرف عطف موجود ہو۔تو وہاں بھی علامت سکتہ لگانی ضرور نہیں۔

مثال: زمین اور چاند دونوں سیارے ہیں۔

عقلمند آدمی وقت کی قدر کرتا ہے اور اس کو ضائع نہیں کرتا۔

کامیابی اکثر ہوشیاری اور ہمت سے کام کرنے پر منحصر ہوتی ہے۔

مگر جب معطوف و معطوف علیہ میں حرف عطف موجود نہ ہو،تو وہاں علامت سکتہ لگانی ضرور ہے۔

مثال: عقل، ہوش، علم، ہنر سب وقت پر کام آتے ہیں۔وہ تو سیدھا، سادھا ایمان دار، آدمی ہے۔

مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کے درمیان میں بھی علامت سکتہ کا لگانا ضرور ہے۔

مثال: وہ شخص ایماندار ہے،مگر سست۔

بہت بڑا عالم ہے۔مگر بے عمل۔

پرہیز گار ہے،مگر ظاہری باتوں میں۔

جب متعدد صفتیں کسی اسم کی بغیر حرف عطف کے بیان کی جاویں تو وہاں علامت سکتہ لگانی ضرور ہے۔

مثال: زید نہایت دانا، ہشیار، عالم، فاضل ہے۔

مگر جب دو یا دو سے زیادہ ایسی بیان ک ی جاویں کہ ایک صفت دوسری صفت کی تشریح کرتی ہو۔تو ان میں علامت سکتہ لگانی نہیں چاہیے۔

مثال: بھوراسیاہی کپڑا۔ ہلکا زردی مائل سبز رنگ۔ اگر حرف عطف موجود ہو۔مگر جملہ کے اجزا لمبے لمبے ہوں، تو بھی ان میں علامت سکتہ لگانی چاہیے۔

مثال: بے اعتدالی ہمارے جسم کی قوت کو ضائع کرتی ہے۔اور ہمارے دل کی جرات کو۔

۴۔ جب کہ تین یا تین سے زیادہ الفاظ ایک ہی جز و کلام میں ہوں۔ اور اس میں صرف عطف ہو خواہ نہ ہو۔ ان لفظوں کے اخیر میں بھی۔ سوائے اس لفظ کے جو سب سے اخیر ہو۔علامت سکتہ لگانی چاہیے، لیکن اگر ہوا خیر کا لفظ اسم ہو تو اس کے بعد بھی علامت سکتہ ہونی چاہیے۔

مثال: نظم ، موسیقی ، مصوری ، عمدہ ہنر ہیں۔

خورم ایک دلیر ، دانا ، اور دوراندیش شہزادہ تھا۔ جبکہ جملہ میں دو دو لفظ ساتھ ساتھ ہوں، تو ہر دو کے بعد علامت سکتہ ہونی چاہیے۔

مثال: بے بندوبستی اور بدانتظامی ، مفلسی اور محتاجی ، تکلیف اور مصیبت ، ویرانی و بربادی، آپس کی نااتفاقیوں کا نتیجہ ہے۔

۵۔ جملہ ندائیہ کے بعد بھی علامت سکتہ ہونی چاہیے۔

مثال: میرے پیارے، میری بات سن۔

او جانے والے، ادھر ہوتا جا۔

جاگنے والو، جاگتے رہیو۔

۶۔ جملہ بیانیہ فقرہ مفرد کے شروع میں ہو۔خواہ بیچ میں، خواہ اخیر میں، اس کے ساتھ

بھی علامت سکتہ ہونی چاہیے۔

مثال: ان کی نیکی ، احسان مندی سے ، مجھے یاد ہے ۔ان کی نیکی مجھے یاد ہے ۔ نہایت احسان مندی سے ۔احسان مندی سے ۔ان کی نیکی مجھے یاد ہے۔

۷ ۔ جب کہ کسی جملہ میں دو اسم آویں ۔اور پچھلا اسم ،مع اپنے متعلقات کے ۔اسی شخص یا چیز پر دلالت کرے جس پر پہلا اسم دلالت کرتا ہے۔تو ان کے درمیان میں بھی علامت سکتہ لگانی چاہیے۔

مثال: احمد، خیر خواہ معاندان ۔

مگر جب کئی لفظ مل کر ایک مرکب بنے۔تو ان لفظوں کے درمیان میں علامت سکتہ نہ ہونی چاہیے۔

مثال: وہ جو خم کر پھر سیدھی ہو جاوے۔اصل تلوار ہے۔

مگر جبکہ اسماء موصولہ اسم کے ساتھ ملے ہوئے ہوں ،تو اس وقت ان کے پہلے علامت سکتہ کا لگانا ضرور نہیں۔

مثال: جو تلوار خم ہو کر سیدھی ہو جاوے، اصیل ہے

۹ ۔جب کسی جملہ کی ترکیب الٹ دی جاوے تو اس کے بیچ میں علامت سکتہ لگانی چا ہیے۔

مثال ۔خدا کے نزدیک کوئی چیز مشکل نہیں ہے۔

اس مثال میں علامت سکتہ کی ضرورت نہیں ہے مگر جب اس کی ترکیب الٹ دو تو علامت سکتہ کی ضرورت ہوگی۔

مثلا ۔کوئی چیز مشکل نہیں ہے، خدا کے نزدیک ۔

۱۰ ۔جب کوئی فعل محذوف ہو، تو وہاں علامت سکتہ لگانی چاہیے۔

مثال: پڑھنے سے آدمی پورا انسان ہوتا ہے؛ اور اچھی گفتگو سے، لائق ؛ اور لکھنے سے
، قابل۔

۱۱۔ کاف بیانیہ یا تردیدیہ کے پہلے علامت سکتہ لگانی چاہیے۔

مثال: ذولفقار خاں آویں گے، کہ نہیں۔

نیک ہو، تا کہ خوش رہو۔

علامت سکون

یہ علامت فقرہ کے ایسے اجزا علیحدہ کرنے کو لگائی جاتی ہے جو، بہ نسبت ان اجزاء کے جن میں علامت سکتہ لگاتے ہیں، آپس میں کم مناسبت رکھتے ہیں۔

۱۔ جب کہ پہلا حصہ فقرہ کا پورا کلام ہو۔ مگر اس کے بعد کا حصہ ایسا ہو کہ اس سے کوئی نتیجہ پایا جاوے، یا پہلے حصہ کا مطلب بتاوے، تو ان میں بھی علامت سکون لگانی چاہیے۔

مثال: ایمانداری سے اپنا کام کرو: کیونکہ اس سے تمہاری عاقبت سنورے گی۔

۲۔ جب کئی چھوٹے چھوٹے جملے ایک دوسرے کے بعد آویں، اور باہم ان کے کچھ ضروری مناسبت نہ ہو، تو ان میں بھی علامت سکون لگانی چاہیے۔

مثال: ہر چیز پرانی ہوتی ہے؛ وقت گذر جاتا ہے؛ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

۳۔ جب کسی فقرہ میں کچھ تفصیل ہو، تو اس کے اجزاء علامت سکون سے الگ کرنے چاہئیں۔

مثال: حکیموں کا قول ہے کہ نیچر کے بے انتہا کام ہیں؛

اس کا خزانہ معمور ہے؛ علم ہمیشہ ترقی پر ہے؛

اور آئندہ نسل کے لوگ ایسی باتیں دریافت کریں گے،
جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں۔

علامت وقفہ

اس علامت سے فقرہ کو دو یا زیادہ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جو حصے علامت سکون سے علیحدہ کیے جاتے ہیں، بہ نسبت ان کے ان حصوں میں جو علامت وقفہ سے علیحدہ ہوتے ہیں، اور بھی کم مناسبت ہوتی ہے۔ مگر ایسی بھی نہیں ہوتی کہ ان پر مطلب ختم ہو گیا ہو۔

ا۔ جب کوئی جز وفقرہ کا اپنی ترکیب اور معنی بتانے میں پورا ہو، مگر اس کے بعد کا جملہ بیانیہ ہو، تو ایسی جگہ علامت وقفہ لگانی چاہیے۔

مثال: غور کرنے کی عادت ڈالو: کہ اس سے زیادہ عمدہ کوئی تعلیم نہیں۔

۲۔ جب کہ ایک فقرہ کے کئی جملے علامت سکون سے علیحدہ کیے جاویں۔ اور ان کا نتیجہ ان فقروں پر منحصر ہو، تو اخیر فقرہ سے پہلے علامت وقفہ لگانی چاہیے۔

مثال: نیکی سے خدا خوش ہوتا ہے: برے کاموں سے خدا ناراض ہوتا ہے؛ نیکوں کو عاقبت میں جزا دے گا؛ بدکاروں کو قیامت کے دن سزا دے گا؛ یہ ایسے خیالات ہیں کہ دنیا کو خوف ورجا میں رکھتے ہیں، نیکی پر رغبت دلاتے ہیں، گناہوں سے باز رکھتے ہیں۔

علامتِ وقفہ کامل

ا۔ جب کوئی مفرد جملہ چھوٹا ہو، تو اس کے اخیر میں علامت کامل لگانی چاہیے۔

مثال۔زندگی کی کوئی حالت تکلیف سے خالی نہیں۔

۲۔جب کوئی فقرہ ترتیب معانی میں پورا ہو جاوے، تو وہاں بھی علامت وقفہ کامل لگانی چاہیے۔

مثال۔ناامیدی سے۔اور آزمائش میں پڑنے سے ہمارے دلوں کا جوش کم ہو جاتا ہے۔

۳۔جب کسی لفظ کر اختصار کر کر لکھیں، تو اس کے بعد بھی علامت وقفہ کامل لگانی چاہیے۔

مثال۔الخ جو اختصار ہے الیٰ آخرہ کا تکلف۔جو اختصار ہے ہذا خلف کا۔بی۔اے۔جو اختصار ہے بیچلر آف آرٹ کا۔ایم۔اے جو اختصار ہے ماسٹر آف آرٹ کا۔سی۔ایس۔آء۔جو اختصار ہے کمپینین آف دی آرڈر آف دی سٹار آف انڈیا کا۔

علامتِ استفہام یا سوال

یہ علامت ایسے فقرہ کے اخیر میں لگائی جاتی ہے جس میں کوئی بات پوچھی گئی ہو۔

مثال۔تم اپنے کام سے کیوں غفلت کرتے ہو؟

آپ کا مزاج کس طرح ہے؟

کیا ہم نے تم سے نہیں کہا تھا؟

علامتِ تعجب

جبکہ فقرہ میں کوئی ایسا کلمہ جس سے دفعتا جوش، یا مسرت، یا خوف یا تعجب وغیرہ پیدا ہوتا ہو، واس کے اخیر میں یہ علامت لگائی جاتی ہے۔

مثال۔ او ازلی وابدی خدا!

او خوش کرنے والے اور خوف دلانے والے خیال!

میں نے شیخ کلو سے پوچھا کہ تم کون ہو، اس نے کہا کہ گیدڑ!!

علامت ترکیب

جب دو لفظ مرکب کیے جاویں تو ان کے درمیان میں یہ علامت لگا دیتے ہیں، تا کہ کوئی انکو جدا جدا نہ سمجھے۔

مثال۔ کتب، خانہ، شراب، خانہ، فیل، خانہ منشی، خانہ۔

خط یا لکیر

کبھی تو اس خط سے یہ مقصود ہونا ہے کہ ایک لفظ سے دوسرے لفظ میں فرق ہو جاوے، اور کچھ مطلب نہیں ہوتا؛ مگر دراصل اس کا استعمال ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں دفعتا فقرہ ٹوٹ جاتا ہے، یا دفعتا خیال پھر جاتا ہے۔

مثال۔ خدا نے کہا، کیا؟، اے زمین نگل جا اپنا پانی؛ اور اے آسمان تھم جا برسنے سے

۔

کبھی اس علامت کا استعمال بطور کنایہ کسی محذوف لفظ کے ساتھ ہوتا ہے۔

مثال۔وہ تو۔۔سے بھی بدتر ہے،یعنی وہ تو شیطان سے بھی بدتر ہے۔

میں جاتا تھا۔۔۔مجھ سے ملا۔

اس مقام پر کسی ایسے شخص سے کنایہ ہے۔کہ جس کو پڑھنے والا جانتا ہے، یا لکھنے والے کو اسکا نام ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے۔

علامت جملہ معترضہ

جب کسی فقرہ میں کوئی جملہ معترضہ آ جاوے،تو اس جملہ معترضہ کے شروع و اخیر میں یہ علامت لگانی چاہیے۔جس سے معلوم ہو کہ وہ ایک علیحدہ جملہ ہے جو مطلب کے بیچ میں آ گیا ہے۔

مثال۔اس بات کو بخوبی جان لو(اور تم کو اتنا ہی جاننا کافی ہے) کہ انسان کے لیے صرف نیکی ہی اصلی خوشی ہے۔

علامت اقتباس یا نقل

جبکہ تحریر میں کسی دوسرے کا قول آ جاوے،تو اس کے اول اور آخر میں علامت لگا دینی چاہیے۔

مثال۔ باغ کی تعریف اس سے بہتر نہیں ہو سکتی۔ تو گوی خوردہ مینا بر خاکش ریختہ و عقد ثریا بتاکش آویختہ۔''

جب تک آدمی خود اپنا کام آپ نہ کرے، بخوبی کام نہیں ہوتا: مشہور قول ہے کہ'' آپ کام مہا کام''۔

رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ''عمل نیت پر منحصر ہیں'' حدیث کے یہ لفظ'' الما الاعمال بالنیات۔''

علامت توجہ

جس لفظ یا عبارت کے نیچے لکیر کی جاتی ہے اسکا یہ مطلب ہے کہ اس پر زیادہ توجہ درکار ہے۔

مثال۔ ذولفقار خاں کشتی پر جاتے تھے۔ کتاب ہاتھ میں تھی، نادانی سے گر پڑی، اور ڈوب گئی۔

علامت نجم

اس بات کی نشانی ہے کہ نقل کرنے میں بیچ میں سے غیر ضروری عبارت چھوڑ دی گئی ہے۔

مثال. " شبے تامل ایام گذشته میکردم ، وبر عمر تلف کرده تاسف میخوردم ، و سنگ لاخه دل را بالماس آب دیده می سفتم * تا یکے از دوستان که در کنجاوه غم انیس من بود، و در حجره هم جلیس ، برسم قدیم از در در آمد . "**

علامت حاشیه

شخصے نزد فقیهے آمد و پرسید که آن کدام زن * مجوسی بود، که د خترش ، راگرگاں خورده بودند ؟ فقیهه جواب داد، که بابا تو تمامتر غلط گفتی ، من کدام غلط ترا صحیح کنم از پیش من برو.

آں زن نه بود بلکه مرد بود۔ مجوسی نبود بلکه حضرت یعقوب نبی نبی اسرائیل بودند۔ دختر نه بود بلکه پسر بود۔ گرگاں نخورده بلکه برادرانش غلط گفته بودند۔

نمونہ لغت زبان اردو

ادب اردو کی جو خدمات سرسید کے پیش نظر تھیں ان میں سے دو چیزیں بہت اہم تھیں۔

(۱) ایک ایسی مفصل فہرست مرتب کرنی جس میں ان تمام کتابوں کی تفصیلات ہوں جو ابتدا سے سرسید کے وقت تک اردو میں چھپیں۔ عنوانات کے نام سرسید نے یہ تجویز کیے تھے۔ نام کتاب ، نام مصنف یا مولف یا مترجب۔ سنہ تصنیف۔ کتاب کا اسلوب بیان مختلف مقامات سے کتاب کے نمونے اور بعض مضامین کا خلاصہ ، افسوس دوسری قومی مصروفیات میں بری طرح منہمک ہونے کے باعث اس کتاب کے لکھنے کا موقع سرسید کو نہ ملا، ورنہ ادب اردو کی تاریخ بے نظیر چیز ہوتی۔

(۲) ایک مفصل اور محققانہ اردو ولغت جس میں ہر لفظ کے متعلق بتایا جاتا کہ وہ اسم ہے یا صفت، ظرف مکان ہے یا ظرف زمان، مونث ہے یا مذکر، ضمیر ہے یا فعل، اگر فعل ہے تو لازم ہے یا

متعدی۔ الفاظ اور محاورات کی سند میں مشہور اساتذہ کے اشعار بھی اس میں درج کیے جاتے۔ الفاظ کے معنوں کے ساتھ ان کی تفصیل اور تشریح بھی اس کتاب میں سرسید کا دینے کا ارادہ تھا مگر افسوس یہ کت اب بھی سرسید مکمل نہ لکھ سکے۔ البتہ اس کے چند ابتدائی صفحات بطور نمونہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں چھپے جو ہم مولوی عبدالحق کی کتاب ''سرسید احمد خاں'' سے لے کر یہاں ک درج کرتے ہیں۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا وہ پرچہ جس میں اردو لغات کا یہ نمونہ شائع ہوا تھا ہمیں نہیں ملا۔

اس سلسلہ میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب سرسید احمد خاں نے اس لغت کا ابتدائی حصہ تیار کیا تو نمونہ کے طور پر ۴ صفحات اردو زبان کے مشہور و معروف مستشرق پروفیسر گارسن ڈ تاسی کو مشورہ کے لیے پیرس بھیجے۔ سرسید نے جدید لغت کا انگریزی نام تجویز کیا تھا مگر ڈ تاسی نے سرسید صاحب کے مشورہ دیا کہ اس ڈکشنری کا نام ''لغت زبان اردو'' رکھو چنانچہ ڈ تاسی اپنی ایک تقریر میں کہتا ہے:

''سرسید احمد خاں کی اردو لغت کے چار صفحات میرے پاس نمونے کے طور پر بھیجے گئے ہیں۔ موصوف نے میری رائے کے مطابق اس ڈکشنری کا نام (پرانا یورپین نام ترک کر کے) ''لغت زبان اردو'' رکھا ہے۔''

اس کے علاوہ اس لغت کے متعلق سرسید کو ڈ تاسی نے دو مشورے اور دیے تھے۔ ایک تو یہ کہ ٹائپ کے حروف بہت چھوٹے

اور باریک ہیں جو لغت کے لیے موزوں نہیں۔ ٹائپ نسبتاً ذرا موٹا ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ لغت میں الفاظ کے ماخذ بھی بیان ہونے چاہیں یعنی ہر لفظ کے متعلق یہ بتایا جائے کہ یہ کس زبان سے آیا۔ اس کی اصل کا تھی؟ اردو میں اس لفظ کا مفہوم کیا تھا اردو میں منتقل ہو کر کیا مفہوم ہو گیا۔

(سوانح عمری گارسن ڈ ٹاسی مولفہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور ایم اے صفحہ ۶) ڈ ٹاسی نے اس لغت کے متعلق اپنی جو رائے ظاہر کی تھی وہ ہم اس مضمون کے آخر میں پوری نقل کر رہے ہیں۔

اگر سرسید اس جدید اور عجیب لغت کو پورا لکھ سکتے تو یہ ان کی ادبی تالیفات میں بہترین ہوتی مگر افسوس وہ اسے مکمل نہ لکھ سکے۔ مگر آنے والے ادیبوں کے لیے ایسا نمونہ ضرور چھوڑ گئے ہیں جسے سامنے رکھ کر اردو کی بہتر سے بہتر لغت تیار ہو سکتی ہے۔ اب وہ نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

الفاظ کے اختصار کے لیے جو حروف مفرد معین کیے گئے ہیں ان کی تشریح

سم۔ س

مذکر۔م

مونث۔ث

مصدر۔صد

لازم۔لا

متعدی۔مت

صفت۔ص

مفرد۔د

جمع۔ج

لفظ خطاب۔لا۔خ

ضمیر متکلم۔ض۔م

ضمیر حاضر۔ض۔ح

ضمیر غائب۔ض۔غ

ضمہ اور کسرہ اور واؤ

اور یائے معروف ف

ضمہ اور کسرہ اور واؤ اور یائے مجہول ل

ظرف زمان۔ظ۔ز

ظرف مکان۔ظ۔م

الف۔ب

الف: س۔م پہلا حرف حروف تہجی کا۔ بمعنی نفی مثلا اکارت۔ یعنی بیکار۔ الونا۔ بے نمک۔

اکال۔ عدم قحط۔ مگر پچھلے دونوں لفظ بہت کم بولے جاتے ہیں۔

آب: س۔م پانی یعنی ایک رقیق سیال جسم جو بادلوں سے برستا ہے اور دریاؤں اور چشموں اور سوتوں میں اکٹھا ہوتا ہے۔

آب دار: س۔م وہ شخص یا وہ عورت جس کے ذمہ پینے

آب دارانی: س۔ث کے پانی کا انتظام ہو۔

آب دار خانہ۔ س۔م وہ مکان جس میں آب دار پانی رہتا ہے۔

آب خورہ۔ س۔م۔ ایک خاص صورت کا چھوٹے منہ کا مٹی کا برتن جس سے پانی پیا جاتا ہے اگر اس صورت کا برتن اور کسی چیز کا ہو تو اس چیز کا نام لینا چاہیے مثلا تانبے کا آب خورہ۔ پیتل کا آب خورہ۔ چاندی کا آب خورہ۔

آب حیات۔ س۔م (۱) وہ پانی جس کا ذکر کہانیوں میں ہے کہ جس کے پینے کے بعد موت نہیں آتی۔

(۲) بادشاہوں اور امیروں کے پینے کا پانی جو نیک فال سمجھ کر لیا جاتا ہے۔

آب خاصہ۔ س۔م خاص بادشاہوں اور امیروں کے پینے کا پانی۔

الف۔ب

آب حیواں: س۔م۔ آب حیات۔ ذوق

''جو لذت آشنائے مرگ ہوتا خضر تو ہرگز نہ پیتا آب حیوان ڈوب مرتا آب حیواں

میں‘‘

آب شور: س۔م (۱) سمندر (۲) کھاری پانی۔

آب شورہ: س۔م (۱) مٹھاس گھول کر لیموں نچوڑا ہوا پانی۔

(۲) شورہ کا ٹھنڈا کیا ہوا پانی۔

آب بقا: س۔م (۱) آب حیواں (ذوق)

’’کہانیاں ہیں حکایات خضر و آب بقا

بقا کا ذکر ہی کیا اس جہان فانی میں‘‘

(۲) حیات ابدی جو دوسری زندگی میں ہوتی ہے۔

آب پاش: س۔م باغ میں کھیتوں میں کنوئیں سے یا نہر یا تالاب سے پانی دیتا۔

آبی: ص (۱) جو چیز پانی سے علاقہ رکھے۔ (۲) پانی کے رنگ کے مانند یعنی ہلکا نیلا رنگ۔

آبی روٹی: س۔ث۔ ایک قسم کی خمیری تنوری روٹی جس میں صرف پانی پڑا ہو۔ دودھ اور گھی نہ پڑا ہو۔

آب: س۔ث (۱) صفائی اور براقی مثلاً موتی کی آب۔ (۲) رونق و چمک مثلاً کپڑے کی آب کھانے کی آب۔ (۳) کاٹنے والے ہتیار کے لوہے کی چمک اور سختی اور تیزی مثلاً تلوار کی آب۔

آب دار: ص (۱) رونق دار مثلاً آب دار سالن۔ آب دار کپڑا۔ (۲) صاف اور براق مثلاً آب دار موتی۔ (۳) سخت اور تیز مثلاً آب دار تلوار۔

الف۔ب

آب داری: س۔ث یعنی آب موتی کی۔ کپڑے کی۔کھانے کی،تلوار کی آب داری

۔

آب کار: س۔م۔کلال یعنی شرا بک بنانے یا بیچنے والا۔

آب کاری: س۔ب۔ث شراب یا اور نشے کی چیزوں کے بنانے اور بیچنے کا پیشہ۔

آباد: س (۱) بسا ہوا۔دلی آباد ہے یعنی بسی ہوئی ہے۔

شہر آباد ہے یعنی بسا ہوا ہے۔گھر آباد یعنی بسا ہوا ہے اور اس میں لوگ رہتے ہے

(درد)

''بستے ہیں تیرے سایہ میں سب شیخ و برہمن آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا''

(۲) بسایا ہوا جب کہ فاعل سے مرکب ہو مثلاً شاہ جہاں آباد یعنی شاہ جہاں کا بسایا

ہوا۔

(۳) دعائیہ مثلاً آباد رہو یعنی مال و دولت۔گھر بار اولاد سے بھر پور رہو۔خانہ آباد۔

دولت زیادہ خانہ آباد (درد)

''کون سا دل ہے وہ کہ جس میں آہ

خانہ آباد تو نے گھر نہ کیا''

آبادی: س۔ث (۱) بستی یعنی وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہو کر رہتے ہیں۔ج۔آبادیاں

،آبادیوں۔

(۲) فعل ایک جگہ رہنے کا مثلاً دلی میں آبادی ہوتی جاتی ہے۔

آباد ہونا: صد۔لا بسنا یعنی ایک جگہ جمع ہو کر رہنا۔

آباد کرنا: مت۔بسانا۔آباد کروانا۔مت مت۔بسوانا۔گھر کا آباد ہونا۔لوگوں کا

اس میں رہنا۔دل کا آباد

ہونا طمانیت سے ہونا۔ باغ کا آباد ہونا۔ سر سبز و شاداب ہونا۔ مسجد کا آباد ہونا۔ آراستہ رہنا اور کثرت سے نمازیوں کا نماز پڑھنے کو آنا۔

آب تاب: س۔ث۔ رونق۔ شان۔ شوکت۔ محسوس چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے مثلا نہایت آب و تاب سے فوج آراستہ ہے۔ غیر محسوس پر بھی بولا جاتا ہے مثلا نہایت آب و تاب کی گفتگو کی۔

آب رو: س۔ث۔ عزت یعنی ادب اور تعظیم کے مستحق ہونے کا خیال۔

آب روریزی: س۔ث۔ بے عزتی کرنا یعنی وہ فعل جو ادب اور تعظیم کے استحقاق کے برخلاف ہو۔

آبائی: ص۔ موروثی۔ باپ دادا سے پہنچی ہوئی مگر بہت کم بولا جاتا ہے۔

آبگینہ: س۔م۔ شیشہ۔ کانچ کا ظرف جو ایک صورت پر نہایت باریک بنایا گیا ہوتا ہے۔ پیٹ بڑا اور چپٹا اور گردن پتلی۔ گفتگو میں کبھی یہ لفظ نہیں بولا جاتا۔ صرف اشعار میں آتا ہے۔

آبلہ: س۔م۔ پھپھولا۔ آدمی کے بدن پر جو گول برجی داردانہ اٹھ آتا ہے۔ اور جس میں صرف سفید سا پانی بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ج۔ آبلے، جب کہ فعل لازمی کے ساتھ ہو مثلا آبلے پڑ گئے۔ آبلوں جب کہ مضاف ہو یا فعل متعدی کے ساتھ ہو مثلا آبلوں کا پھوٹنا (غالب)

”اہل تدبیر کی واماندگیاں

آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں“

الف۔ب

آب نوس: س۔م۔ایک قسم کا درخت جس کی لکڑی نہایت سیاہ اور وزن ی ہوتی ہے۔

آ بنائے: س۔ث پانی کا گلیارا یعنی پانی کا کم عرض راستہ جس سے ایک بڑا سمندر دوسرے بڑے سمندر سے مل جاوے۔

آب نے: س۔ث حقہ کی نے جو پانی میں کھڑی رہتی ہے۔

آبدست: س۔ث۔ پاخانہ پھرنے کے بعد پانی سے دھونا۔

الف۔پ

آپ: ل: خ (۱) اگر مخاطب بزرگ اور قابل تعظیم و ادب ہو تو اس لفظ سے مخاطب کیا جاتا ہے (غالب)

''بے نیازی حد سے گرزی بندہ پرور کب تلک ہم کہیں گے
حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا''

(۲) اس لفظ سے مساوی درجہ کے مخاطب کو بلکہ اپنے سے کم درجہ کے مخاطب کو بھی خطاب کیا جاتا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ جب مخاطب بزرگ اور قابل ادب ہو تو اس کے ساتھ تعظیم کے اور

لفظ بھی بولے جاتے ہیں اور وہ لفظ نہیں بولے جاتے۔ مثلاً آپ جو فرماویں وہی ٹھیک ہے۔ آپ جو کہیں وہی ٹھیک ہے۔ مساوی درجہ کے ایسے شخصوں میں جن میں دوستی اور ارتباط کم ہے اکثر اس لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے۔

الف۔پ

(۳) کبھی کم درجہ کے ایسے مخاطب کو جو اس خطاب کے لائق نہیں ہے بطور طنز کے اس لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔ کبھی اس خطاب کے لائق مخاطب کو طنزاً اس سے خطاب کیا جاتا ہے اور الفاظ مابعد اور لہجہ تلفظ اس پر دلالت کرتا ہے مثلاً آپ بھی خوب ہیں۔

آپ: س۔ بمعنی خود۔ بجائے ذات اور نفس کے بولا جاتا ہے اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے مثلاً میں آپ جاؤنگا۔ وہ آپ گیا تھا۔ تم آپ جاؤ۔

آپ ہی آپ : خود بخود۔ یعنی اپنی ہی ذات سے بغیر دوسرے سبب کے مثلاً آپ ہی آپ خفا ہوتے ہو۔ خدا آپ ہی آپ موجود ہے۔ یہ کام آپ سے آپ ہو جاوے۔

آپ میں آنا: ص۔ ہوش میں آنا۔

آپ میں نہ ہونا: ص۔ ہوش نہ ہونا (مومن)

''ہم تا سحر آپ میں نہیں تھے

کیا جانے رہے وہ کس کے گھر رات''

آپ ہیں: حقیقت میں خطاب ہے مگر خاص ایسی حالت میں بولا جاتا ہے جب ک ہ کسی پرانے دوست کو دفعتہً دیکھیں یا شبہ میں پڑنے کے بعد پہنچانیں (ظفر)

''دیکھ صحرا میں مجھے اول تو گھبراتا تھا قیس پھر جو پہچانا تو بولا حضرت من آپ ہیں''

آپا: س۔ بمعنی ذات۔ نفس۔ مثلاً ایسا خفا ہوا کہ آپ

الف۔پ۔الف ت۔الف ٹ۔

ہی سے نکل پڑا (آہی) ''اتنا بڑھ بڑھ کر بات مت کیجیے اپنا آپ سنبھالیے حضرت۔''

آپا دھاپی: س۔ ث۔ اپنے اپنے کام میں یا اپنی اپنی فکر میں بے تحاشا مصروف ہونا اور دوسروں کی سدھ نہ لینا۔

آپا: س۔ ث۔ بڑی بہن۔

آپس: س (۱) چند شخصوں میں کسی خاص قسم کا علاقہ ہونا برادری کا، رشتہ داری کا، محبت کا، پیشہ کا، مذہب کا، کسی ایک رائے اور ایک خیال کے ہونے کا۔

(۲) بمعنی ایک دوسرے کے جب کہ لفظ ''میں'' کیساتھ مرکب ہو (مومن)

''کہے ہے چھیڑنے کو میرے گر سب ہوں مرے بس میں نہ دوں ملنے کسی معشوق اور عاشق کو آپس میں''

آپس داری: بمعنی رشتہ داری۔ برادری۔

آتو: ف۔س۔ث۔ وہ عورت جو لڑکیوں کو پڑھاتی ہے۔

آٹا: س۔م۔ پسے ہوئے گیہوں اور اگر کوئی اور اناج پسا ہوا ہو تو اس کا نام بھی لیا جاوے گا مثلاً جو کا آٹا۔ چاولوں کا آٹا۔

آٹھ: س۔م۔ اکائیوں میں کے ایک عدد کا نام ہے جو چار کا دوگنا اور دو کا چوگنا ہوتا ہے اور جو صحیح عدد سات کے بعد آتا ہے۔

آٹھ: ص۔ جب کہ اپنے معدود کیساتھ مرکب ہو اور اس کی تعداد بتاوے مثلاً آٹھ عورتیں۔ آٹھ روپے۔

آٹھواں ص۔م (۱) صفت اس معدود کی جس سے یہ

آٹھویں ف۔ص۔ث عدد پورا ہوتا ہے اور جو سات کے بعد آتا ہے مثلاً آٹھواں گھوڑا یعنی وہ گھوڑا جو سات گھوڑوں کے بعد ہے۔

(۲) درجہ۔ مرتبہ۔ خواہ باعتبار ترقی کے ہو خواہ باعتبار تنزل کے مثلاً فلاں کل شخص امتحان میں آٹھواں رہا۔

آٹھویں: ص۔م۔ بمعنی آٹھواں جبکہ اپنے موصوف کے ساتھ ہو مثلاً آٹھویں دن آنا۔ آٹھویں درجے پر منتخب ہونا۔

آٹھوں: ص۔ آٹھ کے ہر ایک معدود کا کسی صفت میں شامل ہونا مثلاً آٹھوں نے مارا یعنی ہر شخص ان آٹھ میں کا مارنے میں شریک تھا۔

آٹھواں حصہ: س۔م۔ کسی چیز کا ایک حصہ جب کہ اس کو

آٹھ برابر حصوں میں تقسیم کیا ہو۔ایک کو جو آٹھ آٹھ پر تقسیم کیا جائے اس کا خارج قسمت۔

آٹھ آٹھ آنسو رونا: صد۔لا بہت رونا۔

آٹھ آٹھ آنسو رلوانا۔صد،مت (۱) بہت سا رلوانا۔

(۲) ایسی تکلیف اور رنج پہنچانا جو بہت سے رونے کا باعث ہو۔

آٹھوں گانٹھ کمیت : ص ۔ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو اپنے مطلب میں نہایت ہوشیار ہو اور جس طرح بنے اپنا مطلب نکال لے اور اس کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

الف ث ۔الف ج ۔لف ح ۔الف ح

آثار: س،م۔ج۔نشانیاں،علامتیں

آثار: س۔م۔د بنیاد کا یا دیوار کا عرض۔

آج: س۔م۔ دوہ دن جو کہ موجود ہے (درد)

''محتسب آج تو مے خانے میں تیرے ہاتھوں

کون سا دل ہے کہ شیشہ کی طرح چور نہ تھا''

آج کل کرنا: صدر۔ لاامروز فردا کرنا۔ یعنی کسی وعدہ کے پورا کرنے کو ٹالنا

آج کل بتانا

آج کل: ظ۔ ز (۱) قریب زمانہ گزرا ہوا یا آئندہ جب کہ اس لفظ کا ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو ان دونوں لفظوں میں واؤ کبھی نہیں آتی۔

(۲) جلدی ۔ یعنی تھوڑے دن اور بحذف حرف عطف یا حرف تردید کے۔ بمعنی آج اور کل کے بولنا غلط ہے۔

آحاد: س۔م ۔ ج بمعنی اکائیاں۔ دس سے کم صحیح عددوں کا نام۔

آخر: س۔م۔ دوہ جو سب کے بعد ہو خواہ زمانہ میں اور خواہ ترتیب میں اور معقول ہو یا محسوس۔

آخرش: س۔م۔د۔ بمعنی آخرت ۔مگر اسکا استعمال صرف معقولات پر ہے۔

آخرکار:

آخری وقت: س۔م۔ دوہ وقت کہ جب موت بہت قریب ہو۔

آخرت: س۔ث۔ د قیامت۔یعنی وہ دن جو اس دنیا کے فنا ہونے کے بعد ہوگا اور جس میں لوگوں سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔

....

الف خ۔ الف

آخور: س۔ ث د۔ وہ کوڑا کرکٹ اور ناقص گھاس جو گھوڑوں کے اگاڑی، پچھاڑی میں جمع ہو جاتی ہے۔

آخور کی بھرتی: س۔ ث د۔ ہر چیز جو ناقص اور ناکارہ ہو۔

آداب: س۔م ج۔(۱) وہ طریقہ جس سے دوسروں کی بڑائی ظاہر کی جاتی ہے۔

(۲) کسی کام کے کرنے کے طریقے جیسے نماز کے آداب، کھانے کے آداب۔

آداب: س۔م۔(۱) ہر بات کو سلیقہ سے اور اچھی طرح کرنا، (ذوق)

''میں نہ تڑپا جو دم زبح تو یہ باعث تھا

کہ رہا مدنظر عشق کا آداب مجھے''

(۲) وہ فعل جو کسی بڑے کو دیکھتے ہی کیا جاتا ہے جیسے سلام یا مجرا۔ جب کہ کسی بڑے کے سامنے زبان سے یہ لفظ کہا جاتا ہے تو گویا اس کو مطلع کیا جاتا ہے کہ میں آپ کی تعظیم ادا کرتا ہوں اور بجائے سلام کے بھی مستعمل ہوتا ہے۔

آداب بجالانا۔صد۔لا۔یعنی وہ فعل کرنا جس سے اس شخص کی جو مستحق تعظیم کا ہے تعظیم ادا ہوتی ہے۔مغلیہ سلطنت میں جب بادشاہ کے سامنے کوئی حاضر ہوتا تھا تو چوب دار نہایت خوش آوازی سے پکارتا تھا آداب بجالاؤ۔جہاں پناہ۔بادشاہ سلامت۔(عالم پناہ۔بادشاہ سلامت) پہلے جملے سے یہ مراد ہے کہ وہ فعل کرو جس سے تعظیم ادا ہوتی ہے اور باقی جملے دعائیہ ہیں۔

الف۔د۔الف ر

آدم: س۔م۔داس انسان کا نام ہے جو سب سے اول پیدا ہوا اور جس کی ہم سب اولاد ہیں۔

آدم زاد: بمعنی انسان۔

آدمی: س۔م۔ذ بمعنی انسان، یعنی آدم کی اولاد (ج) آدمی فعل لازمی کے ساتھ، (ج) آدمیوں۔فعل متعدی کے ساتھ مثلاً دس آدمی۔اسے دس آدمیوں نے مارا۔

آدمیت: ص۔ث۔د۔وہ نیک اخلاق اور عادات جو انسان میں سب سے اعلیٰ مخلوق ہونے کے سبب سے اس میں ہونے چاہئیں۔

آدھا: ص۔م دو برابر حصوں میں ایک مثلاً آدھا دن

آدھی: ص۔ث آدھی رات، آدھا کپڑا۔آدھی روٹی اور حالت ترکیب میں پہلے الف کی مد اور آخر کا الف بولا نہیں جاتا جیسے

کہ ادھ کچرا۔

آدھوں آدھ: ص۔ برابر کے دو حصے۔

آدھا سیسی: س۔م سر کا ایک مرض ہے جسے کے سبب سے آدھے سر میں درد ہوتا ہے جس کو درد شقیقہ کہتے ہیں۔

آر: س۔م۔ دآریس (ج) بیلوں کے ہانکنے کا ایک آلہ ہے جو ایک پتلی گول لکڑی یا چھڑی میں لوہے کی نوک کانٹے کی صورت کی لگا لیتے ہیں اور چلنے کے لیے بیل کے پٹھے میں یا دم کے پاس چبھوتے ہےں۔

الف۔د

آراستگی: صد۔لا کسی چیز کا اپنی ضروری لوازمات سے مہیا ہونا۔

آراستہ ہونا

آراستہ: ص۔کوئی چیز جو اپنی ضروری لوازمات سے مرتب ہو۔گھوڑا، باغ، مکان، آراستہ ہے۔

آراستہ کرنا: صد، مت کسی چیز کے ضروری لوازمات کا مہیا کرنا، مکان کو، باغ کو، گھوڑے کو، دل کو آراستہ کرو۔

آرام: س۔م۔ د (ا) ایسی حالت جس میں کچھ تکلیف روحانی یا جسمانی نہ ہو (آفتاب)

”عاقبت کی خبر خدا جانے

اب تو آرام سے گزرتی ہے“

(میر)

"ہو گا کسی دیوار کے سائے میں پڑا میر
کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو"

(۲) نیند آرام میں یعنی سوتے ہیں (میر)

"عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا"

(۳) بیماری سے اچھے ہونے کی یا اس میں تخفیف ہونے کی حالت، اب تو آرام ہے یعنی بیمری میں تخفیف ہے۔ اب آرام ہے یعنی صحت ہے۔

آرام گاہ: س۔ م د۔ امیروں کے سونے کی جگہ۔

آرائش: س۔ ث (۱) کسی چیز کے اپنے ضروری لوازمات سے آراستہ ہونے کی حالت۔

(۲) اسباب اور سامان کی آرائش۔

(۳) کاغذ کے پھولوں کے تختے اور پہاڑ اور چمن اور

درخت اور روشنی کے کنول وغیرہ جو سا چق اور برات میں ساتھ لیکر چلتے ہیں۔

آرزو: س۔ ث ۔ دل کی خواہش کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کی۔ جس کا ہونا یا نہ ہونا مشکل ہو یا اختیار میں نہ ہو (درد)

''ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں دل ہی نہیں رہا ہے کہ کچھ آرزو کریں''

آرزو کرنا صد۔لا: کسی چیز کی خواہش کرنا یا خواہش کروانا۔

آرزو کروانا صد۔مت

آرسی: س ۔ ث ۔ دآرسیاں (ج) بحالت مبتدا ہونے یا موصوف ہونے کے آرسیوں ج۔ اضافت کی حالت میں کا۔ کاج کا بنا ہوا گول یا مستطیل چھوٹا سا پرکالا جس میں منہ دیکھتے ہیں اور جس کے ایک طرف پارہ کی قلعی ہوتی ہے اور جس کو کسی چیز کے چوکھٹے میں جڑ دیتے ہیں اور گول پرکالہ کو اس طرح چاندی یا سونے میں لگا ت ہیں کہ ہاتھ کے انگوٹھے میں بطور انگوٹھی پہنا جاوے۔

آرسی مصحف : س۔م ۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی بے وقوفی کی ایک رسم ہے کہ جب نکاح ہو چکتا ہے اور دولہا اس مکان میں جاتا ہے جہاں دولہن ہوتی ہے تو اول دولہا اور دلہن کے سر پر ایک لال کپڑا ڈال کر اور دونوں کے سر ملا کر ان کے سامنے قرآن

میں سے سورۃ اخلاص کھول کر رکھتے ہیں اور ایک آرسی رکھتے ہیں تا کہ دولہا اور دولہن اول سورۃ اخلاص کو ایک ساتھ دیکھیں اور پھر اسی وقت ایک ساتھ آئینہ میں دولہا اپنی اور۔۔۔

سر سید احمد خاں اس لغت کے متعلق فرانس کا مشہور مستشرق اور اردو زبان کا نامور محقق گارسن ڈ ٹاسی اپنے اردو زبان کے متعلق خطبات میں حسب ذیل رائے کا اظہار کرتا ہے:

''سر سید احمد خاں کی اردو لغت کے چار صفحات نمونۃ مجھے بھیجے گئے ہیں ۔موصوف نے ایس ہاول اور میری رائے کے مطابق اس لغت کا نام پرانا یورپین نام ترک کر کے ''لغت زبان اردو'' رکاھ ہے ۔ ،مسٹر ہاول نے میری رائے بھی سید صاحب موصوف کو پہنچا دی ہے۔ اس لغت میں وہی عربی ٹائپ استعمال کیا گیا ہے جو سید صاحب کے مطبع میں ہے اور جس میں موصوف نے ''انجیل مقدس کی تفسیر'' شائع کی ہے۔اس ٹائپ کا بڑا عیب یہ ہے کہ اس کے حروف بہت چھوٹے ہیں۔ مسٹر ولیم ہندفورڈ نے افسوس ظاہر کیا ہے اور میں بھی ان کے ساتھ متفق ہوں کہ اس لغت میں الفاظ کی اصل نہیں بتائی گئی ۔اگر چہ اس سے انکار نہیں کہ الفاظ کے معنی اور مطلب صاف زبان میں بیان کیے گئے ہیں اور ہر لفظ کے بعد اس کے مشتقات لکھے گئے ہیں۔لیکن علی گڑھ کے اخبار مورخہ ۵ فروری ۱۸۶۹ء میں اس لغت پر جو تنقید شائع ہوئی ہے۔ میں اس سے متفق نہیں۔ مثلاً یہ اعتراض سنسکرت ،عربی اور فارسی سے بنی ہے، اس لیے دیسی لوگوں

کے لیے ان زبانوں کی علیحدہ علیحدہ لغتیں تیار کرنی چاہیئیں ، رہے
خالص ہندوستانی الفاظ،تو ان کے لیے لغت کی کیا ضرورت ہے۔
اس لیے کہ ہر کس و ناکس انھیں سمجھتا ہے اور روزمرہ میں استعمال کرتا ہے۔''

یہ بات ایسی ہوئی کہ کوئی یہ کہے کہ'' بھلا فرانسیسی زبان کی لغت کی کیا ضرورت ہے۔ لاطینی کی لغت کافی ہے۔اس لیے کہ فرانسیسی زبان اس سے نکلی ہے۔ان الفاظ کے لیے جو عام طور پر استعمال کیے جاتے ہیں اور جن کے معنی ہر شخص جانتا ہے۔علیحدہ لغت کی کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح انگریزی کی لغت کی بھی ضرورت نہیں اس کے لیے سیکسن زبان اور فرانسیسی کی لغت سے کام نکل سکتا ہے۔''

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسے مفید کام پر اس طرح غیر ذمہ داری کے ساتھ تنقید کی جائے۔لوگوں کی عادت ہے کہ وہ دوسرے کی آنکھ کے تنکے کو دیکھ لیتے ہیں لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر انہیں نظر نہیں آتا بوالو نے ٹھیک کہا ہے کہ'' تنقید آسان ہے مگر صناعی (کام کو کر کے دکھانا) مشکل ہے۔'' سید صاحب جیسے جلیل القدر مسلمان کے حوصلے کو پست کرنے کی کوشش کرنا جو تعلیم و تمدن کے سچے دل سے حامی اور قدر دان ہیں، کہاں کی انسانیت ہے ؟ موصوف کے نکتہ چیں جو خود علم و فضل میں ممتاز درجہ نہیں رکھتے ،انہیں سبق دینے چلے ہیں۔ سچے محققوں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ ایسی تصنیف کے عیوب سے چشم پوشی کرتے ہیں جو مجموعی طور پر اطمینان بخش ہو اور جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے کی توقع ہو۔ (خطبات گارسان ڈ تاسی شائع کردہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد مطبوعہ ۱۹۳۵ء خطبہ دسمبر ۱۸۶۹ء صفحہ ۷۸۵ تا ۷۸۷)۔

اردو زبان اور اسکی عہد بعہد کی ترقی

یہ مضمون سر سید نے ۱۸۴۷ء میں اس وقت لکھا تھا۔ جب انہوں نے نہایت محنت اور جاں فشانی کے بعد دہلی کی عمارات اور اس کے محلات و مزارات کی جامع تاریخ ''آ ثار الصنا دید'' کے نام سے مرتب کی۔ اس مضمون میں سر سید نے بتایا ہے کہ اردو زبان کیا ہے؟ اور کیوں وہ اردو کے نام سے موسوم ہوئی ؟ کس طرح رفتہ رفتہ وہ صاف وشستہ ہوتی گئی اور کن کن لوگوں نے اس کی ترقی وعروج میں حصہ لیا؟ اب منجھ منجھا کر وہ کسی ہوگئی ہے؟ اور عام طور پر کس شہر کی بولی سب سے زیادہ صحیح اور مستند سمجھی جاتی ہے؟

اس مضمون میں سر سید نے اردو کے ادیبوں اور انشا پردازوں کو نہایت قابل قدر نصیحت یہ کی ہے کہ اگر تم اردو زبان میں فارسی کی تراکیب اور الفاظ زیادہ لاؤ گے تو یہ کوئی خوبی نہیں ہوگی بلکہ عیب ہوگا۔ اور ایسا کرنے کا نقصان یہ ہوگا کہ زبان میں اردو پن نہیں رہے گا۔ سر سید کی یہ نصیحت آج بھی ایسی ہی ضروری اور اسی قدر لائق عمل ہے جیسی اب سے ایک سو تیرہ برس پہلے تھی۔ یہ مفید اور معلوماتی مضمون سر سید نے اپنی کتاب ''آ ثار الصنا دید'' کا چوتھا باب شروع کرتے ہوئے اس میں شامل کیا تھا

(محمد اسماعیل پانی پتی)

اس ملک میں اب جو زبان مروج ہے اور جس میں سب لوگ بولتے چالتے ہیں اس کا نام اردو ہے اور تحقیق اس کی یوں ہے کہ ''اردو'' فارسی لفظ ہے اور اس کے معنی ''بازار'' کے ہیں اور اردو سے مراد اردوئے شاہجہاں ہے۔

اگرچہ دلی بہت قدیم شہر ہے اور ہندوؤں کے تمام راجہ پرجاؤں کا ہمیشہ سے دارلسلطنت رہا ہے۔ لیکن سب اپنی اپنی بھاکا بولتے تھے۔ ایک کی دورے سے زبان نہیں ملتی تھی۔ جب کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی عملداری ہوئی اور مسلمان لوگ ان شہروں میں آئے (تو) اور بھی مشکل پڑی۔ اور نئی زبان کے لوگوں کے آنے سے سودا سلف لینے دینے۔ بیچنے بچانے، میں دقت پڑنے لگی۔ اول اول تو مسلمانوں کی عملداری میں اختلاف رہا۔ کبھی کسی کی بادشاہت رہی اور کبھی کسی کی۔ کبھی غوری آئے اور کبھی لودھی اور کبھی پٹھان اور کبھی مغل، اس سبب سے زبان کا بدستور اختلاف چلا گیا۔ اور کوئی شخص اس کی اصلاح کے پیچھے نہ پڑا۔ جب کہ اکبر بادشاہ ہوا ایک گونہ سلطنت کو قیام ہوا اور سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانے بیٹھے اور علم کا بھی چرچا ہوا۔ لیکن اس زمانہ میں فارسی زبان کی ایسی قدر تھی کہ لوگ اور کسی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے تھے۔ جب کہ شہاب الدین شاہجہان بادشاہ ہوا اور اس نے انتظام سلطنت کا کیا اور سب ملکوں کے وکلا کے حاضر رہنے کا حکم دیا اور دلی شہر کو نئے سرے سے آباد کیا اور قلعہ بنایا اور شاہ جہاں آباد اس کا نام رکھا۔ اس وقت اس شہر میں تمام لوگوں کا مجمع ہوا۔ ہر ایک کی گفتار رفتار جدا جدا تھی۔ ہر ایک کا رنگ ڈھنگ نرالا تھا۔ جب آپس میں معاملہ کرتے ناچار ایک لفظ اپنی زبان کا دو لفظ اس کی زبان کے، تین لفظ دوسرے کی زبان کے، ملا کر بولتے اور سودا لیتے۔ رفتہ رفتہ اس زبان نے ایسی ترکیب پائی کہ یہ خود ایک نئی زبان ہوگئی اور جو کہ یہ زبان خاص بادشاہی بازاروں میں مروج تھی اس

واسطے اس کو زبان اردو کہا کرتے تھے اور بادشاہی امیر امراء اسی کو بولا کرتے تھے۔ گویا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی یہی زبان تھی۔ ہوتے ہوتے خود اس زبان ہی کا ''اردو نام ہو گیا ۔

اس وقت سے اس زبان نے ایک رونق حاصل کی اور دن بدن تراش خراش اس میں ہوتی گی یہاں تک کہ جس زمانہ میں میر اور سودا نے آوازہ اپنی خوش زبانی کا بلند کیا تھا اور یہ آویزہ ہر ایک کے کان میں پہنایا تھا۔ اس وقت یہ زبان بہت درست ہو گئی تھی اور عجب رنگ ڈھنگ نکال لائی تھی۔ ان کے بعد کچھ کچھ اس زبان میں اور تغیر و تبدیل ہوئی اور اب ایسی منجھ گئی ہے کہ قیامت تک اس سے بہتر ہوئی ممکن نہیں اور اس زبان کو شاہ جہان آباد سے ایسی نسبت ہے جیسے فارسی کو شیراز سے، یعنی یہاں کے لوگوں کی زبان تمام اردو بولنے والوں کو سند ہے۔ نہیں تو بقول میر امن کے اپنی دستار، رفتار، گفتار کو کوئی برا نہیں جانتا۔ اگر ایک گنوار سے پوچھیے تو شہر والوں کو نام نہیں جانتا۔ اگر ایک کنوارے سے پوچھیے تو شہر والوں کو نام رکھتا ہے اور اپنے تئیں سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ خیر عاقلاں خود میدانند۔

اگر چہ اس زبان میں اکثر فارسی اور عربی اور سنسکرت کے الفاظ مستعمل ہیں اور بعضے بعضوں میں کچھ تغیر و تبدیل کر لی ہے لیکن اس زمانہ میں اور شہر کے لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اردو زبان میں یا تو فارسی کی لغت بہت ملا دیتے ہیں اور یا فارسی کی ترکیب پر لکھنے لگتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں اچھی نہیں۔ ان سے اردو پن نہیں رہتا اور ظاہر ہے کہ اس بات کے لیے کہ کس در فارسی کی ترکیب دی جاوے؟ اور کون کون سی لغت اور زبانوں کی نہ بولی جاویں۔ کوئی قاعدہ نیں مقرر ہو سکتا۔ یہ بات صرف اہل زبانوں کی صحت پر منحصر ہے۔

اردو زبان اس کا بیان

(آثارالصنادید مطبوعہ ۱۸۵۴ء و ۱۹۰۴ء)

اردو زبان کے متعلق یہ مضمون سر سید مرحوم نے آثارالصنادید کے دوسرے اڈیشن مطبوعہ ۱۸۵۴ء کے آخر میں لکھ کر شامل کیا تھا۔ ۱۹۰۴ء کے کان پور والے اڈیشن میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔ صرف پہلے اڈیشن میں نہیں ہے اردو زبان کی مختصر تاریخ اور اس کی بتدریج اشاعت کے سلسلہ میں غالباً یہ پہلا مضمون ہے جو سر سید کے قلم سے نکلا۔ لسانیات کے متعلق بھی بہت سی نئی باتیں کے قلم سے نکلا۔ لسانیات کے متعلق بھی بہت سی نئی باتیں آپ کو اس مضمون کے پڑھنے سے معلوم ہوں گی۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

(۱) ہندوؤں کے راج میں تو یہاں ہندی بھاشا بولنے چالنے لکھنے پڑھنے میں آتی تھی۔ ۵۸۷ ہجری مطابق ۱۱۹۱ عیسوی موافق سمت ۱۲۴۸ بکر ماجیت کے جب مسلمانوں کے سلطنت نے یہاں قیام پکڑا تو بادشاہی دفتر فارسی ہوگیا۔ مگر زبان رعایا کی وہی بھاشا رہی۔ ۸۹۴ ہجری مطابق ۱۴۸۸ء تک بجز بادشاہی دفتر کے رعایا میں فارسی رواج نہیں ہوا۔

اس کے چند روز بعد سلطان سکندر لودھی کے عہد میں سب سے پہلے ہندوؤں میں سے کائستوں نے جو ہمیشہ سے امورات ملکی اور ترتیب دفتر میں مداخلت رکھتے تھے، فارسی لکھنا پڑھنا شروع کیا۔ پھر رفتہ رفتہ اور قوموں نے بھی شروع کر لیا اور فارسی لکھنے پڑھنے کا ہندوؤں میں بھی رواج ہو گیا۔

(۲) اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بھاشا میں تغیر و تبدل نہیں ہوئی تھی مسلمان اپنی گفتگو فارسی زبان میں اور ہندو اپنی گفتگو بھاشا میں کیا کرتے تھے۔ پر جب بھی امیر خسر خسرو نے خلجی بادشاہوں ہی کے زمانے سے یعنی حضرت مسیح سے تیرھویں صدی میں فارسی زبان میں بھاشا کے لفظ ملانے شروع کیے تھے اور کچھ پہلیلیاں اور مکرنیاں اور نسبتیں ایسی زبان میں کہیں تھیں۔ جس میں اکثر الفاظ بھاشا کے تھے۔ غالب ہے کہ رفتہ رفتہ بھاشا میں جب ہی سے ملاپ شروع ہوا۔ مگر ایسا نہ تھا جس کو جدا زبان کہا جائے۔ جبکہ شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۵۸ ہجری مطابق ۱۶۴۸ء کے شہر شاہ جہاں آباد، آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا اس زمانے میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت مل گئی ور بعضے فارسی لفظوں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں بہ سبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدیل ہو گئی۔ عرض کہ بادشاہی اور اردو معلیٰ میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی اور اسی سبب سے زبان کا اردو نام ہوا۔ پھر کثرت استعمال سے لفظ زبان کا محذوف ہو کر اس زبان کو اردو کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آراستگی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ تخمیناً ۱۱۰۰ ہجری مطابق ۱۶۸۸ء کے یعنی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں شعر کہنا شروع ہوا۔ اگرچہ مشہور ہے کہ سب سے پہلے اس زبان میں ولی نے شعر کہا۔ مگر خود ولی کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کسی نے اس زبان میں شعر کہا ہے۔ کیونکہ اس کے شعروں میں اور شاعروں کی زبان پر طنز نکلتی ہے۔ مگر اس زمانے کے شعر بہت پھیکے اور نہایت سست بندش

کے تھے۔ پھر دن بدن اس کو ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ میر اور سودا نے اس کو کمال پر پہنچا دیا۔

(۳) میر کی زبان ایسی صاف اور شستہ ہے اور اس کے شعروں میں ایسے اچھے محاورات بے تکلف بندھے ہیں کہ آج تک سب اس کی تعریف کرتے ہیں۔ سودا کی زبان بھی اگرچہ بہت خوب ہے اور مضامین کی تیزی میر پر غالب ہے۔ مگر میر کی زبان کو اس کی زبان نہیں پہونچتی۔

(۴) اردو نثر لکھنے والوں میں میر امن جس نے باغ و بہار لکھا۔ سب پر فوق لے گیا۔ حقیقت میں نظم لکھنے میں جیسا کمال میر کو ہے نثر لکھنے میں ویسا ہی کمال میر امن کو ہے۔

(۵) عربی زبان کا اردو میں ترجمہ سب سے پہلے مولوی عبدالقادر صاحب اور مولوی رفیع الدین صاحب نے کیا۔ مولوی عبدالقادر صاحب کا اردو ترجمہ کلام اللہ کا اردو لغات کے لیے ایک بڑی سند ہے اور مولوی رفیع الدین صاحب کا ترجمہ تراکیب نحوی کے لیے ایک بہت دستاویز ہے۔

(۶) اردو زبان کے شعروں کا بھی طریقہ فارسی شعروں کے قاعدے پر یوں ہی آن پڑا۔ کہ ویا جوان مرد۔ خوبصورت لڑکے کی تعریف میں شعر کہنا ہے۔

(۷) ہندی بھاشا میں دستور تھا کہ عورت کی زبان سے مرد کی نسبت شوقیہ شعر ہوتے ہیں۔ بعضی بعضی دفعہ اردو زبان میں اسی طرح پر بھی شعر کہا جاتا ہے اور اس کو ریختی بولتے ہیں۔ غالب ہے کہ تخمینا ۱۲۲۰ ہجری مطابق ۱۸۰۵ء کے انشاء اللہ خاں نے اس کو رواج دیا۔

(۸) فارسی شعروں کی جو بحریں اور اقسام ہیں وہ سب اردو شعروں میں مروج ہیں۔ الامکری اور پہیلی کہنے کا وزن بھی اور ہے زبان بھی ایسی ہے۔ جس میں اکثر بھاشا ملی ہوئی ہو۔

(۹) نسبتیں جو مشہور ہیں، فقرے ہوتے ہیں کہ ان میں دو یا تین یا زائد چیزیں جس میں کچھ باعتبار ظاہر کے مناسبت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ بیان کی جاتی ہے اور مخاطب سے پوچھا جاتا ہے کہ ایسی ایک بات جو جامع بیان کرے۔ جو سب میں پائی جائے۔

(۱۰) پہیلی میں کسی چیز کے اوصاف اور خصائص اور پتے بیان کیے جاتے ہیں اور مخاطب سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ چیز کیا ہے۔ بڑی خوبی پہیلی کی یہ ہے کہ اس میں اس چیز کا نام بھی آ جائے جس کے اوصاف اور خصائص بیان کیے گئے ہیں۔ پھر اس پر بھی مخاطب نہ سمجھے۔

(۱۱) مکری میں عورت کی زبان سے ذو معنی بات بیان کی جاتی ہے جن میں ایک سے معشوق مراد ہوتا ہے اور دوسری سے اور کچھ، قائل اس کا جب چاہے معشوق کی بات سے مکر جائے۔

پہیلیاں

بالا تھا تو سب کو بھایا
بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
میں لے دیا اس کا ناؤں
بوجھے تو بوجھ نہیں دے گاؤں
(دیا یعنی چراغ)

فارسی بولی آئی نہ

ترکی بولی پائی نا
ہندی کہتے عارسی آوے
منہ دیکھوں جو اسے بتاوے
(آئینہ)

مکری

آپ ہلے اور موکو ہلاوے
وا کا ہلنا موکو بھاوے
ہاں ہلا کے بھیا نسنکھا
اے سکھی ساجن نا سکھی پنکھا
(پنکھا)

نسبتیں

گوشت کیوں نہ کھایا
ڈوم کیوں نہ گایا
گلا نہ تھا
سموسہ نہ کھایا
جوتہ کیوں نہ پہنا

تلا نہ تھا

ریختی

اچھا جو جفا ہم سے ہو تم اے صنم اچھا
لو میں بھی نہ بولوں گی خدا کی قسم اچھا

شعراردو

عشق کرتے ہیں اس پری رو سے
میر صاحب بھی کیا دیوا نے ہیں
میر اس نیم باز آنکھوں میں ے
ساری مستی شراب کی سی ہے
ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

....

(۳)

مضامین متعلق تنقید و تبصرہ

اقوام المسالک

(تہذیب الاخلاق بابت ۱۵ صفر ۱۲۸۸ھ)

چندروز سے ہماری خواہش اپنے ہم قوموں سے یہ ہے کہ وہ تہذیب و شائستگی میں ترقی کریں اور تعصب کو جس کا منشاء جہل مرکب ہے چھوڑیں اور اچھی باتوں کو گو وہ کسی قوم کی ہوں اور جو شریعت اسلامیہ میں بھی مباح ہوں اختیار کریں تا کہ مہذب قوموں کی نگاہ میں ذلیل وخوار نہ ہوں۔ ہم کو اس بات کے بیان کرنے سے نہایت خوشی ہے کہ صرف ہماری ہی یہ رائے یا یہ خواہش نہیں ہے بلکہ جو بڑے بڑے عالم اور مدبر بلاد اسلامیہ کے ہیں ان ک بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ ہم اس دعویٰ کی سند پر جناب امیر الامراء سید خیر الدین صاحب بہادر وزیر مملکت ٹونس کی رائے کا خلاصہ اس مقام پر مندرج کرتے ہیں۔

ٹونس کنارہ افریقہ پر ایک چھوٹی سی خود مختار اسلامی سلطنت ہے وہاں کا بادشاہ بی آف ٹونس کہلاتا ہے۔ اس کے وزیر سید خیر الدین صاحب نے نہایت عمدہ اور فصیح عربی زبان میں ایک کتاب یورپ کی سلطنتوں کے حال میں لکھی ہے اور اس کا نام

"اقوم المسالک فی احوال الممالک"

رکھا ہے وہ کتاب ٹونس میں چھپی ہے اور اس کی ایک جلد ہمارے پاس موجود ہے اس کتاب کے مصنف نے اس کے دیباچہ اور مقدمہ میں سبب اسکی تالیف کا بیان کیا ہے جو

آگے لکھا جاتا ہے اور جس سے اس بڑے مدبر اور عالم کی رائے واضح ہوتی ہے۔

وهو ہذا

خطبہ کتاب اقوم المسالک

اما بعد فیقول جامع هذا الورقات ارشده الله تعالیٰ الی
اقوم الطرقات انی بعدان تاملت تاملا طویلا فی السباب تقدم
الامم وتاخر ها جیلا فجیلا مستندا فی زالک لما امکن
تصفحه من التواریخ الا سلا میته والا فرنجیة مع ماحرره
المولفون من الفریقین فیما کانت علیه وآلت الیه الامته الا
سلامیتة ولا سیئول الیه امر ها فی المستقبل بمقتضی شوا
هدالتی قضت الترجبة بان تقبل التجات الی الجزم بما لا
اظن عاقلا من رجال الاسلام ینا قضة اوینهض له دلیل یعارضه
من انا اذا اعتبرا تسابق الا مم فی میادین التمدن و تحزب
عذائمهم علی فعل ما هوا اعود نفعا و اعون لا یتهیالنا ان
نمیز ما یلیق بنا علی قاعدة محکمة البنا الا بمعر فة احوال
من لیس من حزبنا لا سیما من حق بنا وحل بقربنا ثم ازا
اعتبرنا ماحدث فی هذا الازمان من الوسائط التی قربت

تـواصل الا بدان والاذهان ثم نتوقف ان نتصور الدنيا بصورة
بـلـدة متـحـدة تسـكـنهـا امم متعددة حاجته بعضهم لبعض
متـاكـدة وكل منهم و ان كان فى مساعيه الخضو صية غريم
نفسه فهو بالنظرالى ما ينجر بها من الفوائد العمومية مطلوب
لسـائـر بنى جنسه فمن لاحظ هذين الاعتبار ين الذين لاتبقى
لـمشـاهـدة فى صحتهما ادنىٰ دين وكان بمقتضى ديانته من
الـداريـن ان الشـريـيعة الاسـلامية كـا فـلة بـمصالح الدارين
ضـرورة ان التنظيم الدنيوى اساس متين لاستقامة نظام الدين
يسوه ان يرى بعض علماء الاسلام الموكول لا مانتهم مراعاة
احـوال الـوقـت فـى تـنزيل الاحكام معرضين عن استكشاف
الـحوادث الداخيلة وازها نهم عن معرفته الخارجية خلية ولا
يـخـفـى ان ذالک مـن اعـظـم الـعـوائـق عن معرفته ما يجب
اعتبـاره عـلـى الـوجـه الـلايق افيحسن من اساة الامته الجهل
بـامـراضهـا اوصـرف الهمتة الى افتناء جواهر العلوم مجر دة
عن اعراضها كما انه ليسؤ نا الجهل بذالک من بعض رجال
السيـاسية والتـجـا هـل مـن بـعضهم رغبة فى اطلاق الرياسة
فـلـذالک هجس ببالى مااستذكيت كا جله ذيالى من انى لو
جـمـعـت بـعج ما استنتبحتة منذ سنين باعمال الفكر والروية
مـع ما شاهدته اثناء اسفارى للبلدان الاوريا ويته التى ارسلنى
الى بعض ودلها الفخام الطود الرفيع الاسمى والكهف المنيع

الا حمی جناب ولی النهم وزکی الاخلاق والشیم من لم تزل
عـذائـمـه کاسمه صادقته والسنته الانام بالثناء علیه ناطقته لم
یـخل سیعی من فایدة خصوصا اذا صادف افئدة علی حما یته
بیـضیة الاسـلام متعا ضدة واهم تلک الفوایدعندی التی فی
هـذا لتـا لیف مناط قصدی تذکیر العلماء الا علام بما یعینهم
عـلـیٰ مـعـرفة مـایـجـب اعتبـاره مـن حوادث الایام و ایقا ظ
الـغـافلین من رجال السیا ستهه وسائر الخواص والعوام ببیان
ما ینبغی ان تکون علیه التصرفات الداخیلة والخارجیة وذکر
مـانتـا کد معرفة من احوال الامم الافرنجیة خصوصا من لهم
بـنـا مـزیـد اختـلاط وشدید علقة و ارتباط مع ما اولعوابه من
صـرف الهـمم الی استیعاب احوال سائر الامم واستسها لهم
ذالک بـطـی مسـافـات الـکـرـة الـذی الـحق شامها بالامم
فـجمعت ما تیسر بعون الله مستحد ثاتهم المتعلقة بسیاستی
الا قتـصـاد و التـنـظیم مع الاشارة الی ماکانو اعلیه فی العهد
الـقـدیـم وبیـان الوساء ل التی ترقوا بها فی سیاسته العباد الی
غـایة الـقـصوی من عمران البلد کما اشرت الی ماکنت علیه
امة الاسـلام المشهود لها حتی من مورخی اوریا الاعیان بسا
بـقیة التـقـدیـم فـی مـضـماری العرفان و العمران وقت نفوذ
الشـریـعة فـی احـوالهـا و نسـج سـائـر التـصـرفات بمنو الها
والغرض من ذر الوسائل التی اوصلت الممالک الا وریا ویة

الـی مـاهـی عـلیه من المنعته والسلطنة الدنیویة ان نتخیرمنها یـایـکـون بـحـالـنـا لا یقا والنصوص شریعتنا مسا عدا موافقا عسـیٰ ان نستـرجـع منها مااخذ من ایدینا ونخرج یا ستعما له مـن ورطـات التـفـریـط الـمـوجـود فیـنا الی غیر ذالک مما تتشوق الیه نفس الناظرفی هذا الموضوع المختوی من الملا حـظـات الـنقلیة والعقلیة علی ما نشرة بطبی فصوله یضوع و سـمیتـه اقوام المسالک فی معرفة احوال الممالک مرتباله عـلـی مـقـدمه و کتابین یشتمل کل منها علی ابواب وبهدایه الـلـه نستـوضـح مـناهج الرشد والصوب والحجری فی هذا الـمجال وان کان فوق طاقتی لکن اغضاء الفضلاء مامول فی جـنـب فـاقتـی وصـدق الـنیة کـافـل انشـاء الـله تعالیٰ ببلوغ الامنیة.

المقدمة

لـمـا کان السبب الحامل علی الشئے منقدما علیه طبعا نـاسـب ان نـقـدمـه وضعا ولم نکتف بالا یماء فی الخطبه الی مـادعـا نـالـجـمـع هـذالتا لیف بل راینامن المهم ان نعود الیٰ ایـضاحه ههنا ونبنی علیه ما اردنا ایراده فی المقدمةفنقول ان البـاعـث الاصـلـی عـلـی ذلک امران آیلان الی مقصد واحد

احـد هـمـا اغـراء ذوى الـغـيـرـة والـحزم من رجال السيا سة
والعلم بالتمساس ما يمكنهم من الوسائل الموصلة الى حسن
حـال الامة الاسـلامية وتـنـمية اسبـاب تـمـدنها بمثل توسيع
دوائـر الـعـلـوم والـعـرفـان وتـمهيد طرق الثروة من الزارعة
والتـجـارـة وتـرويـح سـائـر الـصناعات ونفى اسباب الطبالة
واسـاس جـمـيـع ذلـك حسـن الا مـارـة المتولد منـه الامن
الـمتـولـد مـنـه الامـل الـمتولد منه اتقان العمل المشاهد فى
الممالك الا ورياوية بالعيان وليس بعده بيان ثانيهما تحذير
ذوى الغفلات من عوام المسلمين عن تماديهم فى الاعراض
عـمـا يـحد من سيرة الغير الموانقة لشرعنا بمجرد ما انتقش
فـى عـقـولهـم مـن ان جـمـيـع مـا عليه غير المسلم من السير
والتـراتيـب ينبغى ان بهجر و تاليفهم فى ذلك يجب ان تنبذ
ولا تـذكـر حتـى انهـم يشـد دون الاناكار عيل من يستحسن
شيـا مـنهـا وهـذا عـلـى اطـلاقة خط محض فان الامرا ذاكان
صـادرا مـن غيـر نا وكان صوابا موافقا للا دلة لا سيما اذاكنا
عـليـه واخـذ مـن ايدينا فلاوجه لانكاره و اعماله بل الواجب
الحرص على استرجاعه واستعماله وكل متنمسك بد يافنته
وان كـانيرى غيره ضالا فى ديانة فذلك لايمنعه من الاقتداء
بـه فيـمـا يستـحسـن فى نفسه من اعماله المتعلقة بالمصالح
الـدنيـوية كـما تفعله الامته الا فر نجية فانهم ما زالوا يقتدون

بغيرهم فى كل مايرونه حسنا من اعما له حتى بلغوا فى استقا
مة نظام دنياهم الىٰ ماهو مشاهد وشان الناقد البصير تميز
الحق بمسبار النظر فى الشئے المروض عليه قولا كان او
فعلافان وجده صوابا قبله واتبعه سواء كان صاحبه من اهل
الحق او رمن غير هم فليس بالرجال يعرف الحق بل بالحق
تعرف الرجال والحكمة ضالة المومن يا خذها هيث وجدها.
ولما اشار سلمان الفارسی رضؓ على رسول الله صله الله
عليه وسلم بان عادة الفرس ان يطو قوا مدنهم بخندق حين
يحاصرهم العدو اتقاء من هجومه عليهم اخذ رسول الله
صلى عليه وسلم برايه و حفر خندقا للمدينة فى غزوة
الاحزاب عمل فيه بنفسه ترغيبا للمسلمين وقال سيدنا على
كرم الله وجهه لا تنظر الى من قال وانظرت الى ماقال واذا
سا غ للسلف الصالح اخذ مثل المنطق من غير اهل ملتهم و
ترجمة من لغة اليونان لما رواه من الالا ت النافعة حتى قال
الغزالى رحمه الله من لا معرفة له بالمنطق لا ثق بعلم فاى
مانع لنا اليوم من اخذ بعض المعارف التى نرے انفسنا
محتابين اليها غاية الا حتيا ج فى دفع المكا ئد و جلب
الفوائد وفى سنن المهتدين للعلامة الشيخ المراق المالكى
مانصه ان مانهينا عنه من اعمال غيرنا هو ماكان على خلاف
مق تضى شرعنا اماما فعلوه على وفق الندب اوالا يجات

اوالا بـاحتـه فانالا نتركه لاجل تعاطيهم اياه لان الشرع لم ينه
عن التشيه بمن يفعل مااذن الله فيه و فى حاشية الدر المختار
لـلـعـلامة الشيـخ محمد بن عابد بن الحنفى مانصه ان صورة
المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا تضر على انا اذا تا ملنا
فـى حـالته هولاء المنكرين لما يستحسن من اعمال الا فرنج
نـجـدهـم يـمـتـنـعـون مـن مجاراتهم فيما ينفع من التنظيمات
ونتـائـجهـا ولا يـمـتـنـعـون فيما يضرهم وذلک انانراهم يتنا
فسـون فـى الـمـلابـس واثـاث الـمسـاكـن و نحوهـا من
الـضـروريات وكذا الا سلحة وسائر اللوازم الحربية والحال
ان جـميع ذلک من اعمال الا فرنج ولا يخفى ما يلحق الامة
بـذلک مـن الشيـن والـخـلـل فـى العمران وفى السياسة اما
الشيـن فبـا لا حتيـا ج للغير فى غالب الضروريات الدال علىٰ
تـاخـر الامتة فـى الـمـعـارف واما خلل العمران فبعدم انتفاع
صـنا ع البلاد با صطنا ع نتائجها الذى هواصل مهم من اصول
الـمكا سب و مصداق ذلک مانشا هده من ان صاحب الغنم
مـنـا و مستولد الحرير و زارع القطن مثلا يقتحم تعب ذلک
سـنة كـامـلة و يبيـع مـا يـنتجه عمله للا فرنجى بثمن يسيرثم
يشتـريـه مـنـه يـعـد اصـطـنـاعـه فـى مـدة باضعاف ما باعه به
وبـالـجـملة فليس لنا الان التطويرات العلمية التى هى منشاء
تـو فـرالـرغبـات مـنـا ومـن غيرنا ثم اذا نظرنا الى مجموع ما

يخرج من المملكة وقا يسناه بما يدخلها فان وجد نا هما متقاربين خف الضرر واما اذا زادت قيمة الداخل على قيمة الخارج فحينئذ يتوقع الخراب لا محالة.

ترجمہ خطبہ کا

حمد ونعت کے بعد کہتا ہے مولف اس کتاب کا اللہ اس کو سیدھی راہ بتاوے کہ جب میں نے دنیا کی مختلف قوموں کے ترقی اور تنزل کے اسباب کو نہایت فکر و تامل کے ساتھ دیکھا اور مسلمانوں اور انگریزوں کی تواریخ سے جہاں تک ممکن تھا ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کو نکالا اور جو کیفیت مسلمان لوگوں کے ان حالات کی جوان پر ابتدائے زمانہ میں طاری تھے اور جو فی زمانناطاری ہیں اور جو آئندہ تجربہ کی رو سے ان پر طاری ہونے والے ہیں انگریز اور مسلمان مورخوں نے لکھی ہے اس کو بھی میں نے دیکھا تو خواہ مخواہ مجھ کو یہ یقین ہو گیا (اور میرے اس یقین کا شاید کوئی مرد مسلمان مخالف نہ ہوگا اور نہ اس کی مخالفت کے واسطے وجہ نکلے گی) کہ جب ہم ایک قوم کی ترقی اور انتظام مملکت کی خوبی کا خیال کریں اور اس کی ہمت کو بھلائی اور نفع کی باتوں پر حد سے زیادہ مائل پاویں تو اس صورت میں ہم کو اپنی بھلائی کی باتوں کے اچھی طرح پر سمجھنے اور جانچنے کے لیے بجز اس کے اور کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ہم ایک ایسی قوم کے حالات کو نظر تامل

سے دیکھیں جو ہمارے گروہ کی نہیں ہے اوراس کی ترقی کے اسباب کو
دریافت کریں خصوصا اس قوم کے حالات کو جو ہمارے قرب وجوار
میں ہی رہتی ہو اور پھر ہم ان جدید ہنرمندیوں اور کمالات کو خیال
کریں جو فی زماننا علم وعمل کے موافق ہونے سے پیدا کی گئی ہیں اور
ان باتوں کا لحاظ کر کے ہم تمام دنیا کو یہ سمجھیں کہ گویا ساری دنیا بمنزلہ
ایک شہر کے ہے جس میں مختلف قومیں اس قسم کی رہتی ہیں جن کی
ضرورتیں باہم ملی جلی ہیں اور ایک دوسری پر موقوف ہیں اور یہ خیال
کریں کہ گو ہر ایک فرقہ اپنی خاص ضرورتوں میں اپنے ہی نفس کا
محتاج ہے مگر بلحاظ ان فوائد کے جو سب کی نسبت عام ہیں سب قومیں
ایک دوسرے کی محتاج ہیں پس جو شخص ان سب باتوں پر غور کرے گا
جو ہمارے تجربہ کی رو سے بلاشبہ صحیح ہیں اور یہ بھی اپنی دیانت کی رو
سے جانتا ہو گا کہ شریعت اسلامیہ دین و دنیا دونوں کی مصلحتوں پر
مشتمل ہے کیونکہ دنیوی معاملات کی اصلاح امور دینیہ کے استحکام
کی بنیاد ہے اس شخص کو یہ بات نہایت بری معلوم ہوگی کہ وہ ایسے علماء
اسلام کو جو بہ سبب اپنی امانت و دیانت کے اس بات کے ذمہ دار ہیں
کہ احکام شرعیہ کے جاری کرنے میں مصلحت وقت کا بھی ضرور لحاظ
رکھیں غوامض اور دقایق شرعیہ کے کھولنے اور مصالحہ دینیہ کی حقیقت
بیان کرنے سے پہلو تہی کرنا دیکھے اور دانستہ اغماض کرتا پاوے یا
ایسے علماء کی عقلیں ظاہری اور باطنی مصلحتوں کے سمجھنے سے قاصر
ہوں اور ان کے ذہن ان سے خالی رہیں کیونکہ یہ بات سب جانتے

ہیں کہ ایسے خاص لوگوں کا ایسا ہونا عوام الناس کو بہتری اور ترقی کی ان باتوں کے دریافت کرنے سے محروم رکھتا ہے جو ان کے لیے ضرور ہیں۔

بھلا انصاف کرو کیا یہ کچھ اچھی ہے کہ طبیب ہی مریضوں کے حال سے غافل ہو یا یہ بت کسی کو زیبا ہے کہ وہ صرف ایک چیز کی اصلیت تو دریافت کر لے اور اس کے لوازم اور عوارض سے جاہل رہے اور جیسی یہ بات بری معلوم ہوتی ہے اس طرح یہ بات بھی بری معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ صاحب سیاست ہیں وہ سیاست کے طریقوں سے جاہل ہوں یا اپنی ریاست کی باگ چھوڑ دینے کے واسطے دانستہ تجاہل کریں پس جب مجھ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ترقی کے سامان بغیر دریافت کرنے کسی ترقی یافتہ قوم کے حالات کے ہرگز ہم کو میسر نہیں آ سکتے تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں ان سب باتوں کو بطور کتاب کے جمع کر کے لکھوں جو میں نے برسوں کی فکر اور تجربہ سے حاصل کی ہیں اور جن کو میں نے اپنی آنکھ سے یورپ کے اس سفر میں دیکھا ہے جس پر مجھ کو میرے ایسے آقائے نامدار نے مامور کیا تھا جو نہایت مفخم اور معظم اور بلند رتبہ پاکیزہ اخلاق پسندیدہ خصلت ہے اور جس کے ارادے ہمیشہ اس کے نام کی مثل صادق ہوتے رہتے ہیں اور جس کی تعریف میں تمام دنیا رطب اللسان ہے تو شاید میری یہ محنت رائگاں نہ جاوے گی خصوصا اس حالت میں جبکہ بہت سے لوگ یکدل ہو کر شریعت

غرائے اسلام کی حمایت کرنے پر مستعد ہونگے اور سب سے بڑا کام
اس کتاب کے تالیف کرنے سے میں نے اپنے دل میں یہ ٹھہرایا تھا
کہ میں اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے علماء کو ان باتوں سے آگاہ
کروں جن کی اطلاع سے ان لوگوں کو ایسی باتوں کے دریافت
کرنے میں مدد ملے گی جن کی حسب مقتضائے زمانہ اور مصلحت
وقت ہم کو نہایت بڑی ضرورت ہے اور ان باتوں کا ذکر وں جن پر فی
زمانناانسان کے جملہ معاملات ظاہری اور باطنی کا مدار ہونا چاہیے تا
کہ جو اہل سیاست بلکہ علے العموم جو لوگ خواب غفلت میں ہیں وہ
سب بیدار ہو جاویں اور یہ بھی ارادہ کیا کہ کچھ حالات انگریزی قوم
کے خصوصاان لوگوں کے جن کے ساتھ ہم کو زیادہ خصوصیت اور ربط و
ضبط اور سخت تعلق ہے بیان کروں اور ان کے حالات کے ساتھ
انگریزی قوم کی ان عالی ہمتیوں کا بھی ذکر کروں جن کی بدولت
انہوں نے تمام دنیا کی قوموں کے حالات مفصل دریافت کر لیے
ہیں اور اس کام کو انہوں نے اپنی سیر و سیاحت اور تمام عالم کے سفر
سے اپنے اور آسان کیا ہے پس میں نے اپنے ارادہ کے موافق اس
کتاب میں ان سب باتوں کو جمع کیا جو انگریزی قوم نے تدابیر ملکیہ
سے متعلق نظم و نسق کی غرض سے ایجاد کی ہیں۔ جہاں تک کہ خدا نے
مجھ پر آسان کیا اور ان جدید باتوں کے ضمن میں میں نے ان باتوں
پر بھی ایما کر دیا جو زمانہ سابق یعنی عہد قدیم میں انگریزوں کے ہاں
رائج تھیں اور ان طریقوں کو بھی بیان کیا جن کی بدولت انگریزی قوم

نے سیاست مدن میں ایسی ترقی حاصل کی ہے جس کے سبب سے وہ
ترقی ملک کی حد پر پہنچ گئی ہیں اور اسی طرح میں نے اس کتاب
میں امت اسلامیہ کے ان قدیمی حالات کو بیان کیا ہے جن سے اس
قوم کے کمالات اور فضائل کی وہ کیفیت معلوم ہوتی ہے جو اس زمانہ
میں تھی جب کہ احکام شریعہ اپنے اپنے موقع پر جاری تھے اور جملہ
معاملات اپنے اپنے طریقہ سے برتے جاتے تھے اور انگریزی قوم
سے تمام معاملات نظم ونسق اور طریقہ سیاست اور تمدن کو میں نے اس
غرض سے بیان کیا ہے کہ مسلمان لوگ بھی ان میں سے جن باتوں کو
اپنے حسب حال اور اپنے حق میں بہتر دیکھیں ان کو اختیار کر لیں اور
جو باتیں ہماری شریعت کے مخالف نہیں ہیں بلکہ مساعد ہیں ان کو
اپنے برتاؤ میں داخل کریں تاکہ وہ شاید اس تدبیر سے پھر اپنے ان
کمالات کو حاصل کر لیں جو کسی زمانہ میں ہمارے ہاتھوں سے نکل
گئے ہیں اور شاید ہم اس ذریعہ سے اپنے ہاں کی اس تفریط کے
گرداب سے نجات پاویں جو آج کل ہم لوگوں میں پھیل رہی ہے
اور علاوہ ان باتوں کے اور بہت سی عقلی اور نقلی باتیں اور کتاب میں
ایسی ہیں جن کو دیکھنے والا نہایت شوق سے دیکھے گا اور اس کتاب کا
نام اقوام المسالک فی معرفۃ احوال الممالک رکھا ہے (یعنی نہایت
سیدھی راہ مملکتوں کا حال دریافت کرنے کے باب میں) اور اس
کتاب کو ہم نے ایک مقدمہ اور دو حصوں پر منقسم کیا ہے اور اس کے
ہر ایک حصہ میں متعدد باب ہیں اور اللہ کی ہدایت سے مجھ کو توقع ہے

کہ وہ سیدھے راستے پر مجھ پر کھول دیگا اور چونکہ ایسے مشکل کام کا سرانجام میری بساط سے بڑھ کر تھا اسی لیے مجھ کو علماء اور فضلاء سے اس بات کی امید ہے کہ وہ میری خطا سے چشم پوشی فرماوینگے اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو کام صدق نیت اور خلوص قلب سے کیا جاتا ہے اس میں کامیابی عطا کرنے کا خود اللہ ہی کفیل ہو جاتا ہے۔

ترجمہ مقدمہ کتاب کا

جب ہر چیز کا اصلی سبب اس کے وجود پر مقدم ہوتا ہے تو اس سبب کو کتاب میں بھی بیان کرنا زیبا ہوتا ہے اور مجھ کو یہ بات منظور نہیں ہے کہ میں اس کتاب کے سبب تالیف کا اظہار صرف اسی قدر کافی سمجھوں جس قدر کہ میں نے خطبہ میں ایماء بیان کر دیا بلکہ میں اس کی تصریح اس موقع پر بھی ضروری سمجھا ہوں کیونکہ جو بات مجھ کو اس مقدمہ میں بیان کرنی منظور ہے اس کی بناء یہی سبب تالیف ہے چنانچہ کہتا ہوں میں کہ اس کتاب کے تالیف کرنے اور اس میں مطالب مذکروہ بالا کے بیان کرنے کی ضرورت مجھ کو دو وجہ سے معلوم ہوئی اگرچہ ان دونوں وجھوں کا مال واحد ہی ہے ایک تو ان میں سے غیرت دلا کر برانگیختہ کرنا غیرت دار عقلمند عالم صاحب ثروت اہل سیاست مسلمانوں کا اس بات پر کہ وہ ذرا ہوشیار ہو کر ان وسیلوں کو دریافت کریں جن کے سبب سے مسلمانوں کی یہ حالت آئندہ اصلاح پذیر ہو، اور جن کے سبب سے ان کے علم و فضل اور طریق تمدن وغیرہ میں ترقی ہو اور جن کی بدولت ان کی ثروت اور عزت کے سامان مہیا ہوں۔ مثلاً تجارت یا زراعت یا صنای اور دستکاری کے کام رونق پکڑیں اور ان سب کاموں کے اسباب ان کے لیے پیدا ہو جاوین اور جن باتوں سے ان پر ذلت اور افلاس چھا رہا ہے وہ سب رفع ہو جاویں، اور ایسی بہبودی کی باتوں کی جو حقیقت میں انتظام ملکی اور طرق سیاست کی اصلاح ہے کہ اس اصلاح سے امن پیدا ہوتی ہے اور امن سے دلوں کی آرزوئیں بڑھتی ہیں اور آرزو پیدا ہونے سے کام مضبوط ہوتا ہے جیسا کہ ہم سب لوگ ممالک یورپ میں آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے جیسا

کہ ہم سب لوگ ممالک یورپ میں آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور جس کا بیان ہم نہیں کر سکتے، اور دوسری بات جو اس تالیف کا باعث ہے ان غافل لوگوں کا ہوشیار کرنا اور متنبہ کرنا ہے جو ایک اچھی بات کو بھی صرف اس خیال سے نہیں اختیار کرتے کہ وہ ظاہر ان کی شریعت میں نہیں ہے اور اس غلط خیال کا منشاء یہ ہے کہ وہ دوسرے مذہب کے لوگوں کی جملہ باتوں کو اسی قابل سمجھتے ہیں کہ ان کو ترک کیا جاوے خواہ وہ باتیں کسی قوم کی عادات میں سے ہوں خواہ تدبیر ملکیہ سے متعلق ہوں اور وہ غافل لوگ غیر مذہب والے کی تالیفات کو پڑھنا بھی برا سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ان کے سامنے غیر مذہب کی تالیفات یا عمدہ باتوں کی تعریف کرے تو وہ اس شخص کو بھی برا بھلا کہنے پر مستعد ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ بات بالکل حماقت کی ہے اور سراسر خطا ہے اس لیے کہ جو کافی نفسہ اچھا ہو اور ہماری عقل بھی اس کو تسلیم کرے خصوصا وہ کام جس کو کبھی ہم لوگ ہی کیا کرتے تھے اور غیروں نے اس کو ہم سے ہی اڑا لیا ہے تو ایسے کام سے انکار کرنے اور یا اس کو چھوڑ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ جب وہ کام کسی زمانہ میں ہماری ہی قوم کے عملدرآمد میں تھا تو ہم کو ایسے کام کے پھر حاصل کرنے میں نہایت شوق اور تمنا ظاہر کرنی چاہیے اور گو یہ بات مسلم ہے کہ ہر اہل مذہب اپنے مذہب کے سامنے دوسرے کے مذہب کو ضلالت خیال کیا کرتا ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیر مذہب والے کی دنیوی باتیں بھی بری ہو جاویں یا جو کام مصلحت ملکی کے لحاظ سے اس نے کیا ہے وہ بھی ضلالت ہو جاوے اور ہم کو ان کاموں میں غیر مذہب والی قوم کا اتباع ممنوع دیکھو انگریزوں کا ہمیشہ سے یہ دستور رہے کہ جب وہ کسی قوم کا کوئی کام اچھا دیکھتے ہیں فورا اس کے کرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اپنی ایسی ہی باتوں کے سبب سے آج اپنی ترقی اور بلندی کے اس رتبہ پر ہیں جس کو سب لوگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور حقیقت میں ایک بڑے پر کھئے دانشمند کا کام بھی یہی ہے کہ جو بات اس

کے سامن پیش آوے خواہ وہ کسی کا قول ہو یا فعل ہو اس کو نظر امتیاز سے تاڑ کر جانچے اور اگر اس کو اچھا دیکھے تو فوراً اخذ کر لے اور دل سے اس کو بہتر سمجھے گو اس کا موجد دین کے لحاظ سے سچا ہو یا جھوٹا اس لیے کہ حق کچھ لوگوں سے نہین پہنچانی جاتی بلکہ لوگ حق بات سے پہچانے جاتے ہیں اور حکمت مسلمان کے لیے بمنزلہ ایک گم شدہ چیز کے ہے کہ جہاں کہیں اسکو پاوے فوراً لے لے۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اہل فارس محاربہ کے وقت اپنے شہروں کے گرد خندقیں کھود لیتے ہیں تا کہ دشمن کے مقابلہ اور حملہ سے محفوظ رہیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرما کر غزوہ احزاب میں مدینہ کے گرد خود خندقیں کھودی تا کہ اور مسلمان بھی اس تدبیر پر عمل کیا کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قول کی خوبی کی طرف دیکھوں قائل کے حال کی طرف مت دیکھو اور جبکہ ہمارے متقدمین نے غیر ملت کے لوگوں سے علوم منطقیہ کو نفع کی چیز سمجھ کر اپنی زبان مین ترجمہ کر لیا اور اس کے رواج کو مستحسن جانا یہاں تک کہ امام غزالی علیہ الرحمتہ نے لکھا ہے کہ جو شخص منطق نہ جانتا ہو گویا اس کا علم کچا ہے تو ہم کو کس چیز نے منع کر دیا ہے کہ ہم بھی اس زمانہ میں غیر ملتک قوم کی جن باتوں کو اپنے حق میں نافع اور کارآمد دیکھیں ان کو نہ کریں اور جن باتوں کی طرف ہم کو مکائد اعداء سے محفوظ رہنے اور منفعتوں کے حاصل کرنے میں نہایت حاجت ہو ان کو اختیار نہ کریں کتاب سنن المہتدین میں شیخ المراق المالکی نے صاف لکھا ہے کہ غیر قوم کے ساتھ جن باتوں میں مشابہت ممنوع ہے وہ صرف وہی باتیں ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں ورنہ جن باتوں کو غیر ملت کے لوگ موافق طریقہ مندوبہ یا مباح یا واجب کیکرتے ہون ان کو ہم صرف اس خیال سے نہیں چھوڑ سکتے کہ غیر ملت کے

لوگوں کا بھی ان پر عملدر آمد ہے اس واسطے کہ ہماری شریعت نے ہم کو غیر قوم کے ساتھ ان باتوں میں مشابہ ہونے سے منع نہیں کیا جن کو وہ قوم بھی کارخانہ قدرت کی اجازت سے کرتی ہو اور حاشیہ درمختار میں علامہ شیخ محمد بن عابد بن الحنفی نے تو یہاں تک بہ تصریح لکھا ہے کہ جن باتوں میں مخلوق خدا کی بہتری اور ترقی ہو اگر ان کے کرنے میں ہم کسی غیر ملت قوم کے ساتھ بھی مشابہ ہو جاویں تو کچھ خرابی نہیں ہے اور بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ جو لوگ انگریزی قوم کی باتوں کے اتباع سے سخت انکار کرتے ہیں وہ اپنی بھلائی کی باتوں میں تو انکار کرتے ہیں اور جو باتیں ان کے حق میں مضر ہیں ان میں کچھ ان کو انکار نہیں ہے ۔ کیونکہ وہ لوگ انگریزی بنا ہوا کپڑا پہن کر خوش ہوتے ہیں، اور انگریزی اسباب گھروں میں رکھتے ہیں اور انگریزی ہتھیار اور ضرورت کی چیزیں استعمال میں لاتے ہیں مگر ان چیزوں کو انگریزی تدبیر سے کام میں لانے میں بڑا پرہیز کرتے ہیں حالانکہ ان باتوں سے ان کے ملکی انتظام اور ملکی ترقی میں بڑا نقصان اور خرابی پڑتی ہے اور وہ خرابی کچھ پوشیدہ نہیں بلکہ ظاہر ہے اور گویا اس سبب سے ان میں ایک عیب رہتا ہے اس لیے کہ جب وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کے سامانج میں دوسری قوم کے محتاج ہیں تو گویا علم میں وہ اس قوم سے پست درجہ ہیں اور ان کی ملکی ترقی میں یہ نقصان رہتا ہے، کہ وہ اپنے ملک کی پیداوار وغیرہ ک ثمرہ سے نفع نہیں اٹھا سکتے حالانکہ ترقی ملک کی یہی علامت اور اس سے یہی مقصود ہے اور تصدیق اسکی ہمارے اس مشاہدہ سے ہوتی ہے کہ ہماری قوم کے صناع لوگ اپنی صنعت اور دستکاری سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتے مثلاً جو روئی بوتے ہیں یا بکریوں کی اون تراش کر درست کرتے ہیں اور سال بھر اس پر جان مارتے ہیں وہ اپنی سال بھر کی محنت کی پیداوار یعنی روئی اور اون وغیرہ کو تھوڑی سی قیمت پر انگریزی قوم کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں اور اسی روٹی اور اون سے انگریز لوگ تھوڑے عرصہ میں اپنی صناعی کی بدولت طرح طرح کے کپڑے بن کر لاتے ہیں تو پھر

وہی ہماری قوم کے لوگ جنہوں نے ان کو روٹی دی تھی انگریزوں کو چوگنی قیمت دے کر کپڑا خریدتے ہیں غرض کہ ہمکو اپنے ملک کی صرف اصلی پیداوار کی قیمت مل جاتی ہے اور کسی قسم کی ہنرمندی یا صناعی سے ہم اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے پس جب ہم یہ بات دیکھیں کہ ہمارے ملک میں سے یہ چیز جاتی ہے اور یہ چیز آتی ہے اور اس بات کا اندازہ کریں کہ آنے والی چیز کا خرچ اور جانے والی چیز کی آمدنی مساوی ہے تو یہاں تک گویا خیریت ہے تھوڑا ہی سا ضرر ہے اور جب ہم کو جانے والی چیز کی قیمت کم ملے اور آنے والی چیز کی قیمت چہار چند دینی پڑی تو یقین کرلو کہ ایسا ملک آج نہ تباہ ہوا کل تباہ ہوگا۔

....

مدرسہ دیو بند کی سالانہ رپورٹ پر تبصرہ

مسلمانوں کا جھوٹا دعویٰ دینداری

(تہذیب اخلاق بابت یکم جمادی الثانی ۱۲۹۰ء)

مولوی رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ عربی دیو بند نے اس مدرسہ کی رپورٹ سالانہ بابت ۱۲۸۹ھ ہمارے پاس بھیجی ہے جس کے دیکھنے سے ہم کو نہایت ہی رنج ہوتا ہے اور مسلمانوں کی حالت پر کس قدر افسوس آتا ہے۔ اب ہم اس رپورٹ پر متعدد طرح پر نظر ڈالتے ہیں۔

اول بلحاظ مسلمانوں کے جوش مذہبی کے ہم سمجھتے تھے کہ جو مدرسہ ہم قائم کرنا چاہتے ہیں اور جس میں علوم انگریزی اور دیگر علوم دنیاوی بشمول علوم دینی پڑھائے جاویں گے اس پر جو پکے مسلمان یا متعصب دیندار یا متقشف وہابی اعتراض کرتے ہیں اور اس کو کرسٹانی مدرسہ ٹھہراتے ہیں اور اس سبب سے لوگوں کو اس میں چندہ دینے سے منع کرتے ہیں تو عربی مدرسہ دیو بند میں جس میں بجز مسلمانی کے اور کچھ نہیں ہے اور جس میں وہی پرانے علوم پڑھائے جاتے ہیں جن کو مسلمانک چاہتے ہیں، بڑے بڑے مسلمانوں نے ضرور مدد کی

ہوگی۔ مگر رپورٹ کے دیکھنے سے ہم کو نہایت مایوسی ہوئی۔ بڑے سے بڑا چندہ فہرست میں آٹھ روپے پانچ آنہ ماہواری کا ہے اور اس کے بعد پانچ روپیہ ماہواری کے اس کے بعد چار روپیہ ماہواری کا اور اس کے بعد تین روپیہ ماہواری کا اور یہ چاروں قسم کے چندے غیر وصولی ہیں۔ بعضوں پر دو دو برس اور بعضوں پر ایک ایک برس کا باقی ہے۔ اس کے بعد بہت تھوڑے چندے دو روپیہ اور ایک روپیہ ماہواری کے ہیں اور اس کے بعد تو پھر روپیہ، دو روپیہ، تین روپیہ، آٹھ آنہ، چار آنہ سال پر نوبت پہنچ گئی اور وہ بھی باسائش وصول نہیں ہوتا۔ بمجبوری مہتمم نے تجویز کی ہے کہ چندہ اوگاہنے کے لیے ایک آدمی نوکر رکھا جاوے۔ پس یہ کاروائی ہمارے لیے قطعی ثبوت اس بات کا ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں مقدس اور متقی اور پکا مسلمان ظاہر کر کے مدرسۃ العلوم مسلمانان میں شریک نہ ہونے کی وجہ اپنی دینداری ظاہر کرتے ہیں صرف سخن ساختہ اور حیلہ نامشرع ہے ورنہ کیا وجہ یہ کہ ان لوگوں نے مدرسہ عربی دیوبند میں جس میں بجز مسلمانی کے اور کچھ نہیں ہے کیوں مدد نہیں کی۔ حقیقت میں مسلمانوں پر نہایت افسوس ہے کہ ایسے مدرسہ میں بھی جیسا کہ دیوبند کا عربی مدرسہ ہے اور جس میں جناب مولوی محمد قاسم صاحب سا فرشتہ سیرت شخص نگران ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحب سا شخص مدرس ہے کچھ مدد نہ کریں۔ دیکھو اس کا سبب صرف یہی ہے کہ ہماری قوم کی تعلیم و تربیت اچھی نہیں ہے۔ جس طرح کہ ہم مجوزہ مدرسۃ العلوم میں تعلیم و تربیت دینا چاہتے ہیں اگر ہماری قوم نے اس طرح پر تعلیم پائی ہوتی تو تم دیکھتے کہ اس مذہبی مدرسہ دیوبند میں کس طرح روپیہ کی مدد پہنچتی اور کس طرح یہ مذہبی مدرسہ جو اب ایسا غریب ہے جس کا حال دیکھ کر اور مسلمانوں کے مذہبی مدرسہ کا نام سن کر رونا آتا ہے کس قدر رونق اور ترقی پر ہوتا۔ پس جو لوگ ہمارے مجوزہ مدرسۃ العلوم کے برخلاف جوش مذہبی ظاہر کرتے ہیں درحقیقت سچائی سے نہیں ہے بلکہ صرف ایک غلط حیلہ مخالف کا ہے۔

دوم بلحاظ استقلال مدرسہ کے۔ تمام رپورٹ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ خود اپنے پر یا مسلمانوں کی ہمدردی پر قائم نہیں ہے بلکہ صرف ایک شخص کی ذات پر اس کا مدار ہے۔ مولوی محمد قاسم صاحب درحقیقت نہایت بزرگ و نہایت نیک مادرزاد ولی ہیں۔ تمام ضلع سہارنپور اور میرٹھ و مظفر نگر میں لوگ ان کو مصداق اس حدیث کا کہ علماء امتی کا انبیاء بنی اسرائیل سمجھتے ہیں اور ان کے سبب سے یہ چندہ ہوتا ہے ورنہ کوئی مسلمان ایک ٹکا بھی نہ دیتا۔

دوسرا بڑا سبب مولوی محمد یعقوب صاحب کا ہے جو مدرس اول اس مدرسہ کے ہیں اور انہوں نے صرف پینتیس روپیہ ماہواری مدرسہ سے لینا قبول کیا ہے اور قناعت و زہد سے اس قدر علیل میں اوقات بسر کرتے ہیں اگر وہ نہ ہوں ل تو کیا دوسرا شخص اس قلیل مشاہرہ پر ان علوم کو پڑھانے کو ملے گا جو اس میں پڑھانے جاتے ہیں۔ پس یہ مدرسہ صرف ان بزرگوں کی دعا پر قائم ہے جس دن یہ دونوں بزرگ خدا کے گھر یا خدا کے پاس تشریف لیے جاویں گے اسی دن مدرسہ کا بھی خاتمہ ہے۔

کیا افسوس ہے مسلمانوں کی عقلوں پر کہ دیو بند میں بلا ضرورت مسجد بناتے ہیں اور ہزاروں روپیہ خرچ ہوتا جاتا ہے اور اس زندہ خانہ خدا کا خیال نہیں کرتے۔ اگر مسجد نہ بناتے اور اس روپیہ سے اس مدرسہ کے لیے مستقل آمدنی کی جائداد پیدا کر لیتے تو کیا کچھ مسلمانی کو فائدہ ہوتا اگرچہ مسلمانوں کی نیک ذاتی سے یقین تھا کہ چند ہی سال میں وہ جائداد متولیوں کے صرف میں آجاتی۔

اس واقع سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خالصاللہ کوئی کام کرتے ہیں یہ محض غلط ہے بلکہ ہر شخص اپنی خواہش نفسانی یا رسمی خوشی میں مبتلا ہے۔ مسجد کے بننے کے لیے روپیہ دینے سے اس لیے خوشی ہوتی ہے کہ دھنیے اور جولا ہے۔

سقے اور بھیٹارے جو سنتے ہیں اس کو نہایت دیندار اور نیک کام کرنے والا سمجھتے ہیں اور یہ اپنے دل میں خوش اور مغرور ہوتے ہیں اور گر عقل ہوگی تو غالبا سمجھتے ہوں گے کہ جس کام کے لیے سید احمد روپیہ مانگتا ہے حقیقت میں وہ اس زمانہ میں مسجد بنوانے سے بھی زیادہ ثواب کا کام ہے۔ مگر چونکہ اس میں روپیہ دینے سے عالم لوگ ایسا نیک اور کار ثواب نہیں سمجھنے کے اور نہ عوام میں ایسی نیک نامی کا شہرہ ہوگا جیسے مسجد بنانے میں اس لیے اس میں روپیہ نہ دیں گے، ہزاروں حیلہ کریں گے کہ یہاں اس میں تو انگریزی پڑھا جاوے گی۔ الحاد سکھایا جاوے گا حالانکہ خود ان کا دل جانتا ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں غلط ہے اور مسلمانوں کے حق میں وہی بہتر ہے جو سید احمد کہتا ہے۔

سویم۔ بلحاظ نتائج دینی و دنیوی کے جن کے حاصل ہونے کی اس مدرسہ سے توقعی کی جاوے، اس مضمون پر کچھ لکھنے سے پہلے کچھ حال طالب علموں کا اور بعد امتحان سالانہ جو انعام تقسیم ہوا کچھ اس کا حال لکھنا مناسب ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسے میں ایک سو پنتالیس طالب علم ہیں جن میں سے تراسی خاص دیو بند کے رہنے والے ہیں اور باسٹھ بیرونجات کے ہیں۔ ان سے سات طالب علم تو ویسے ہیں جو اپنے پاس سے روٹی کھاتے ہیں اور بچپن وہ ہیں جو دیو بند کے رہنے والوں سے یا مدرسے سے روٹی پاتے ہیں۔ کسی کو کچھ کپڑا اور جاڑے میں رضائی بھی مل سکتی ہے۔

تقسیم انعام کی کیفیت رپورٹ میں یہ لکھی ہے کہ صورت تقسیم انعام یوں تجویز ہوئی کہ طلبہ مکتب قرآن میں جو اعلیٰ دو حافظ اور اعلیٰ دو لڑکے کل چار مستحق انعام ہوئے ان کے لیے ڈیڑھ روپیہ تجویز ہوا اور طلبہ فارسی ادنیٰ جو سات تھے ان کے گیارہ انعام کے لیے ایک روپیہ چھ آنہ تجویز کیا کہ تخمینا ہر انعام کے موازی دو آنہ ہوئے اور فارسی کے طلبہ اعلیٰ کو جو چھ تھے سات انعام ملے بحساب فی انعام پانچ آنہ۔ کل دو روپیہ تین انہ مقرر ہوئے اور عربی

میں ادنیٰ درجہ کے چوبیس طالبعلموں کو ترپن انعام ملے بحساب فی انعام پانچ آنہ۔ انکا کل روپیہ سولہ روپے نو آنہ ہوئے اور اوسط گیارہ طلباء کو اکیس انعام۔ ان کو فی انعام سات آنہ تخمین کیے۔ کل نو روپیہ تین انہ ہوئے اور طلبہ اعلیٰ عربی کے انیس قابل انعام ہوئے اور چھیاسٹھ انعام انھوں نے پائے فی کتاب چودہ آنہ تخمین کیے تو کل روپیہ ان کا ستاون روپیہ بارہ آنہ ہوا۔

اول تو ہم مسلمانوں کی اس حالت پر افسوس کرتے ہیں کہ ان کی قوم کا مسلمانی مدرسہ اور ایسی خراب اور محتاج حالت میں رہے۔ کہاں ہیں بڑے بڑے دینداری کا دعویٰ کرنے والے اور کیوں مذہب اسلام کے مدرسے کو ایسی حالت میں ڈال رکھا ہے مگر ہم پھر نہایت مضبوطی اور استقلال سے کہتے ہیں کہ یہ خراب حالت مسلمانوں کی ہمیشہ ایسی ہی رہے گی اور ان کی کسی بات کو خواہ دینی ہو یا دنیاوی کبھی ترقی نہیں ہونے کی اور کبھی ذلت کی حالت سے نہیں نکلنے کے جب تک کہ اس طرح پر ان کی تعلیم و تربیت نہ ہو جس کی بنیاد ہم نے ڈالی ہے۔ دیکھو تمہارے ہی ملک میں ایک تربیت یافتہ قوم پادریوں کے مذہبی مدرسے ہیں۔ اس کی تائید بھی نہایت غریب آدمی اور بیوہ عورتیں زیادہ تر کرتی ہیں اور خود انصاف کرو کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ اس کا سبب صرف یہی ہے کہ اس قوم میں تعلیم و تربیت عمدہ ہے۔ ان کے سب کام اچھے ہیں۔ ہماری قوم میں تعلیم و تربیت نہایت خراب ہے۔ گو تعلیم تو برائے نام ہو الا تربیت کا تو نام بھی نہیں اور اسی سبب سے ہمارے سب کام کیا دینی اور کیا دنیوی سب خراب اور برباد و ذلیل ہیں

پھر ہم پوچھتے ہیں کہ جن طالب علموں نے ایسی خراب حالت محتاجی اور خواری اور ذلت میں تعلیم پائی ہے ان سے ہم کو اپنی قومی ترقی کی کیا توقع ہے۔ کیا ان میں عالی خیالات اور جرات اور فیاضی اور قومی ہمدردی پیدا ہو سکتی ہے؟ کیا ان میں خودغرضی کی بو جو قومی ترقی

اور ہمدردی کی کلی منافی ہے جا سکتی ہے؟ کیا ایسی حالت سے ایسے لوگ پیدا ہو سکتے ہیں جو قومی ترقی کے لیے بمنزلہ آلہ کے ہوں اور کیا ایسی حالت سے لوگوں کو عموماً تحصیل علوم کی طرف رغبت دلائی جا سکتی ہے؟ یہ وہ حالت ہے جس سے ہر شخص پناہ مانگتا ہے۔ پھر کون ہے جو اس میں مبتلا ہونے کی خواہش کرے۔ جو شخص ان طالب علموں کو روٹی دیتے ہیں انہی سے انہی کے ایمان سے دریافت کرو کہ وہ لوگ ان طالب علموں کی کیا عزت سمجھتے ہیں۔ جس طرح اور چار فقیروں کو جو دروازہ پر آ کر روٹی مانگتے ہیں اور وہ لوگ ان کو ایک ٹکڑا روٹی کا توڑ کر دے دیتے ہیں اسی طرح ان طالب علموں کو بھی روٹی کا توڑ کر دے دیتے ہیں اسی طرح ان طالب علموں کو بھی روٹی پکڑا دیتے ہیں۔ پس جن لوگوں نے ایسی حالت میں تربیت پائی ہو ان کے تمام وہ اندرونی قویٰ جن سے قومی ترقی اور قومی عزت کو ترقی ہوتی ہے نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ تربیت یافتہ ملکوں میں بھی غریب محتاج آدمیوں کی تعلیم کی تدبیریں کی جاتی ہیں مگر وہ لوگ ایسے عمدہ طور پر وہ تدبیریں کرتے ہیں جن سے اس قسم کی ذلتیں پیدا نہیں ہوتیں اور وہ قومی ہمدردی کی قوت معدوم نہیں ہونے پاتی۔ پس ہماری قوم میں بھی اگر تعلیم و تربیت عمدہ طور پر ہو جائے تو غریب محتاج طالب علموں کی تعلیم کا سامان بھی اور ہی صورت پکڑ جاوے اور مذہبی تعلیم بھی ایسے عمدہ طور پر ہو جاوے اور ایسی کثرت سے ہونے لگے کہ لوگوں کو دیکھ کر تعجب ہو۔

اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ان لوگوں سے قوم کو دینی بھلائی کیا پہنچنے والی ہے؟ اس زمانہ میں مسلمانوں کو دینیات میں نماز، روزہ، حج، زکواۃ، نکاح، طلاق و میراث کے مسائل دریافت کرنے کی البتہ حاجت ہوتی ہے۔ اکثر مسائل خود لوگوں کو معلوم ہوتے ہیں اور جن کو دریافت بھی کیا جائے تو ان علماء سے اس سے زیادہ بتانے کی توقع نہیں ہے جو ایک اردو خواں چند مذہبی کتابین پڑھا ہوا بتا سکتا ہے انصاف سے اور ایمان سے دریافت

کرو کہ ان لوگوں نیجو بڑی بڑی کتابیں حدیث و تفسیر کی پڑھی ہیں صرف بطور تبرک پڑھی ہیں یا درحقیقت اپنے علم سے ان کی تحقیقات و تنقیح کے بعد ان پر عمل کرنے کے لیے پڑھی ہیں۔ پس بعینہ ایسی مثال ہے کہ بخاری شریف جس طرح ایک طاق میں رکھی ہے اس طرح ایک مولوی کے سینہ میں رکھی ہے۔ نہ اس سے کچھ عمل مقصود ہے نہ اس سے۔

یہ تو پوچھو کہ ان لوگوں سے دین کی کچھ حمایت ہوسکتی ہے۔ اگر ایک جیالوجی جاننے والا آموجود ہو اور بموجب قواعد او رتجربہ جیالوجی کے مذہب اسلام پر اور قرآن مجید پر اعتراض کرنے شروع کردے۔ یا ایک کیمسٹری جاننے والا کیمسٹری کے قواعد سے مسلمات مذہب اسلام کی تردید شروع کردے۔ یا ایک جدید ہئیت دان قرآن مجید کے بیانات پر شبہات ڈالے یا جیسا کہ اس زمانہ میں برابر ہو رہا ہے کہ پادریوں اور مسلمانوں سے مذہبی مباحثہ ہو تو یہ لوگ کیا حمایت دین اسلام کرسکتے ہیں۔ اس لیے کہ ان علوم سے مطلق واقف نہیں ہیں۔ پادریوں سے بھی گفتگو کرنے کے لیے انگریزی زبان کا جاننا اور اکیلز پاسٹکل ہسٹری سے واقف ہونا، یونانی اور عبری زبان سے واق ہونا واجبات سے ہے۔ پس جب یہ لوگ ان باتوں سے واقف ہی نہیں ہیں تو کیا کرسکتے ہیں؟ پس صرف اس تعلیم سے جو ہر رہی ہے ہم کو دین اسلام کی حمایت کی بھی کچھ توقع نہیں ہے۔

جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ لوگ خود آپ اپنے لیے کچھ مفید ہونگے تو اس کی بھی ہم کو کچھ توقع نہیں ہوتی۔ کوئی فن انہوں نے نہیں سیکھا۔ کوئی ہنر ان کو نہیں آتا۔ روٹی کمانے اور کھانے کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہیں ہے۔ پس وہ کیا اپنی بہتری آپ کرسکتے ہیں اور یہ تصور کرنا کہ تمام لوگ عابد و زاہد اور فاقہ کش اور خدا رسیدہ ہو جاویں گے ایک ہنسی اور دل لگی کی بات ہے۔ مولوی محمد قاسم کس کس کو اپنا سا بنالیں گے اور آج تک کتنے آدمیوں کو انہوں نے اپنا سا بنالیا۔ شبلی و جنید تو اپنا سا کسی کو نہ بنا سکے تو یہ کیونکر توقع ہوسکتی ہے کہ

ہزاروں مسلمان ایسے ہی دنیا سے آزاد ہو جاویں گے جیسے مولوی محمد مظفر حسین صاحب مرحوم تھے یا جیسے کہ مولوی محمد قاسم صاحب ہیں۔ ایسے خیالات ہونے درحقیقت ٹھیک ٹھیک دشمنی مسلمانوں کی قوم کے ساتھ ہے۔ ہاں ایک بات بے شبہ اس قسم کی تعلیم سے ہونے والی ہے کہ کاہل اور مال مردم خوروں کا گروہ بڑھتا جاوے گا آج اس مسجد میں اگر دس ملاں خیرات کی روٹی کھانے والے موجود ہیں تو کل بیس ہو جاویں گے اور اگر آج فلاں گاؤں کی چوپاڑ میں دو ملانے بے محنت کی روٹی کھانے والے اترے ہوئے ہیں تو کل چار موجود ہو جاویں گے۔ ان کی صورت سے گاؤں کا چودھری کانپ جاوے گا اور اس کا سیر بھر خون خشک ہو جاوے گا۔ دور سے ملانے کی صورت دیکھ کر اپنی بیوی سے کہے گا کہ اری کلوا کی ماں ایک اور آیا۔ اس کے لیے کچھ روٹی ٹکڑا دے۔

کیا ایسی حالتوں میں ہم کو توقع ہے کہ ہماری قوم میں کچھ نیکی بڑھے گی؟ ہرگز نہیں، مفلسی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اس کی اتنی بڑی شان ہے کہ خدا نے بھی مفلسی کی حالت کو مرفوع القلم کیا ہے۔ پس ان لوگوں سے بجز اس کے کہ ہزاروں قسم کے جرائم اور گناہ سرزد ہوں اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اب بھی ہوتا ہے اور خود جناب مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اپنے اضلاع کے حالات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ مسلمانوں کی نیتیوں کا۔ ان کے حالات کا، ان کے معاملات کا، ان کی ایمانداری کا، جھوٹی گواہی دینے کا، جھوٹے حلف اٹھانے کا کیا حال ہے اور کیا ہوتا جاتا ہے۔ یہ تمام باتیں صرف نتیجہ اس کا ہے کہ ہماری قوم میں تعلیم و تربیت نہایت خراب درجہ پر ہے۔ خود مذہبی تعلیم بھی ایسے خراب قاعدہ پر ہے کہ وہ دلی نیکی جو خود انسان کو اس کے برے کاموں کو جتلاتی رہتی ہے اور جس کو انگریزی میں کانشنس کہتے ہیں انسان میں سے معدوم و مفقود ہو جاتی ہے۔

ہاں بلاشبہ ان لوگوں سے اس بات کی توقع ہے کہ جب کوئی شخص دلی ہمدردی اور محبت قومی اور حب ایمانی اور خالص عشق اسلامی سے اپنی قوم کی بھلائی میں کھڑا ہو۔ جس کے خیالات بالضرور ان تاریک سے مختلف ہوں گے تو اسکی نسبت کفر کے فتوے دینے کو موجود ہوں گے۔ جناب شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی بھی سید احمد کے کفر پر مہر ثبت فرماویں گے اور مولوی محمد سعد اللہ صاحب بھی تکفیر کے فتوؤں پر مہر لیں کریں گے۔ اور اس بات کو بھول جائیں گے کہ ان دونوں صاحبوں نے کیسے کیسے فتوؤں پر مہریں کی ہیں جس سے سچے مسلمان کا ایمان کانپ جاتا ہے۔ تھوڑی سی دنیا کی توقع میں کس طرح خدا کے احکام کو تحریف کیا ہے۔ مگر ان بزرگوں کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ ان فتوؤں سے کیا ہوتا ہے۔ بقول مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے کہ گوزشتر کے برابر بھی کچھ وقعت نہیں رکھتے پہلے وہ خود تو مسلمان ہو لیویں جب دوسروں کی تکفیر کریں۔

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

ہماری غرض اس تمام تحریر سے مسلمانوں کو اس بات کی غیرت دلانا ہے کہ ان کے دونوں کام دین و دنیا کے سب خراب و ابتر ہیں۔ ان کو شرم آنی چاہیے کہ ان کے مدرسہ اسلامی دیوبند کا کیا حال ہے۔ سب کو چاہیے کہ اس مدرسہ کی ایسی مدد کریں اور ایسی اعلیٰ ترقی پر پہنچائیں جو اسلام کی رونق و شان کا نمونہ ہو۔

دوسرے ہم کو اس تمام تقریر سے یہ مطلب ہے کہ تمام مسلمان خوب یقین کرلیں کہ ان مدرسوں سے جیسے کہ وہ اب ہیں قومی عزت یا قومی ترقی یا اسلام کی رونق و شوکت ہونی ممکن نہیں ہے۔ اصلی بھلائی اس میں ہے۔ جس کی ہم راہ بتاتے ہیں اور جب تک اس طرح پر مسلمانوں کی تعلیم و تربیت نہ ہوگی اور مدرسۃ العلوم قائم نہ ہوگا۔ جس میں تمام علوم دینی و دنیاوی پڑھائے جائیں گے اور جس میں سے ایسے لوگ تعلیم پاکر نکلیں گے جو بعوض اس

کے کہ خود خیرات کی روٹی کھاویں دس کو کھلا سکیں گے اور علوم دین سے اپنی عاقبت درست کریں گے اور علوم وفنون دنیاوی سے عام لوگوں میں منفعت پھیلا دیں گے۔ کسی قسم کی دینی یا دنیوی بھلائی مسلمانوں کو نصیب نہ ہوگی۔ جو لوگ کہ ہماری تدبیروں کی مخالفت کرتے ہین وہ پکے دشمن اسلام کے اور مسلمانوں کے ہیں۔ تمام باتیں ان کی ظاہری اور محض جھوٹی ہیں۔ اپنے مطلب پر وہ وہ باتیں کرتے ہیں جو ایک ادنیٰ دنیا دار بھی نہیں کیا کرتا۔ کیا اس زمانہ کے لوگ واقف نہیں ہیں کہ اپنی غرض پر مولوی نون بسر اور مولوی سین بسر اور مولوی میم بسر اور مولوی عین بسر وغیرہ وغیرہ نے کیا کیا کیا۔ جو لوگ ہماری تکفیر کا فتویٰ دیتے ہیں ذرا ان کو شرم کرنی چاہیے اور اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیے۔ کون سی لمبی پوزیشن کے مولوی صاحب ہیں جن کے حال اور کرتوت سے ہم واقف نہیں۔

خدا مسلمان کو ہدایت کرے اور توفیق نیک دے۔

....

نوٹ: عربی مدرسہ دیوبند کی جو تعلیمی حالت سرسید نے آج سے ۹۰ برس پیشتر لکھی تھی وہ افسوس ہے کہ بعد کے زمانہ میں بھی اسی طرح قائم رہی۔ چنانچہ عرصہ ہوا ایک مرتبہ میں علی گڑھ میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب مرحوم وائس چانسلر یونیورسٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ کسی قصبہ کے چند معززین ان سے ملنے آئے اور اثنائے گفتگو میں کہنے لگے کہ ''جناب ہمارے قصبے میں جو کوئی آریہ لکچرار یا قادیانی مبلغ آتا ہے اور ہم شہر سے کسی دیوبند پاس مولوی صاحب کو اس سے مباحثہ کرنے کے لیے بلاتے ہیں تو مولوی صاحب نہ آریوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ قادیانیوں کا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟'' اس پر جناب

صاحبزادہ صاحب حضرت خواجہ سجاد حسین صاحب مرحوم فرزند شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی) سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے (جو اس وقت وہیں تشریف رکھتے تھے) ''خواجہ صاحب! آپ نے سنا یہ صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ ہے ہمارے دینی مدارس کی حالت! مجھے ایک مرتبہ دیوبند جانے کا اتفاق ہوا تو میں نے خود دیکھا کہ مدرسہ میں پڑھنے والے طلباء مسلمانوں کے گھروں سے در در پھر کر دونوں وقت روٹیاں مانگ لاتے تھے اور بیٹھ کر کھالیتے تھے۔ جسے دیکھ کر مجھے سخت افسوس ہوا اور میں سوچنے لگا کہ ایسی حالت میں تربیت پانے والے طلباء کی ذہنیتیں بھی ایسی ہی پست اور ذلیل ہوں گی اور اس پست حالت کی موجودگی میں ان کے دل علم کی روشنی سے کس طرح منور ہو سکتے ہیں؟''

پانی پت میں میرے ایک بہت ہی مخلص دوست تھے مولوی عبدالرحیم جو پانی پت کے سب سے بڑے عربی مدرسہ کے صدر مدرس تھے اور آٹھ برس تک دیوبند میں پڑھ کر فضیلت کی سند حاصل کر چکے تھے۔ آدمی نہایت نیک دل اور صاف گو تھے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا ''مولانا! ٹھیک ٹھیک بتائیں کہ دیوبند سے جو لوگ سالہا سال پڑھ کر باہر آتے ہیں کیا وہ عربی کے فاضل اور عالم ہوتے ہیں؟ اور عربی سے روانی اور آسانی کے ساتھ اردو میں ترجمہ کر سکتے ہیں یا اردو عبارت کو فصاحت اور بلاغت کیساتھ عربی میں منتقل کر سکتے ہیں؟ مولانا نے جواباً بہت ہی سادگی کے ساتھ فرمایا ''نہیں'' میں نے کہا ''اس کی وجہ کیا ہے؟'' کہنے لگے ''ملازمت کے لیے اور روٹی کی خاطر پڑھتے ہیں۔ اس لیے علم نہیں آتا مجھے دیکھ لو۔ آٹھ برس دیوبند میں منطق پڑھی اور آٹھ برس سے یہاں طلباء کو منطق پڑھا رہا ہوں لیکن منطق کا ایک حرف نہ اس وقت سمجھ میں آیا۔ نہ اس وقت طلباء کو سمجھا سکتا ہوں۔ جس طرح طوطے کی طرح پڑھ کر آیا تھا اسی طرح طوطے کی طرح پڑھا رہا ہوں۔''

سرسید کے اس مضمون کے شائع ہونے کے چھ برس بعد ۱۲۹۶ء میں جب حضرت

شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی نے اپنی مشہور و معروف مسدس لکھی تو اس میں اس قسم کے مولویوں کی علمی قابلیت کا نہایت صحیح نقشہ ان الفاظ میں کھینچا:

وہ جب کر چکے ختم تحصیل حکمت
بندھی سر پہ دستار علم و فضیلت
اگر رکھتے ہیں کچھ طبیعت میں جودت
تو ہے ان کی سب سے بڑی یہ لیاقت
کہ گردن کو وہ رات کہہ دیں زباں سے
تو منوا کے چھوڑیں اسے ایک جہاں سے
سوا اس کے جو آئے اس کو پڑھا دیں
انہیں جو کچھ آتا ہے اس کو بتا دیں
وہ سیکھے ہیں جو بولیاں سب سکھا دیں
میاں مٹھو اپنا سا اس کو بنادیں
یہ لے دے کے ہے علم کا ان کے حاصل
اسی رپ ہے فخر ان کو بین الا ماثل
نہ سرکار میں کام پانے کے قابل
نہ دربر میں لب ہلانے کے قابل
نہ جنگل میں ریوڑ چرانے کے قابل
نہ بازار میں بوجھ اٹھانے کے قابل
نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر
وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر

جو پوچھو کہ حضرت نے جو کچھ پڑھا ہے

مرد آپ کی اسکے پڑھنے سے کیا ہے

مفاد اس میں دنیا کا یا دین کا ہے

نتیجہ کوئی یا کہ اسکے سوا ہے

تو مجذوب کی طرح سب کچھ بکیں گے

جواب اس کا لیکن نہ کچھ دے سکیں گے

نہ حجت رسالت پہ لا سکتے ہیں وہ

نہ اسلام کا حق جتا سکتے ہیں وہ

نہ قرآن کی عظمت دکھا سکتے ہیں وہ

نہ حق کی حقیقت بتا سکتے ہیں وہ

دلیلیں ہیں سب آج بیکار ان کی

نہیں چلتی توپوں میں تلوار ان کی

(محمد اسماعیل پانی پتی)

....

نجم الامثال

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ ۱۴ اپریل ۱۸۷۶ء)

اس نام کی ایک کتاب ہمارے دفتر سائنٹیفک سوسائٹی میں وصول ہوئی جس کو اس کے لائق مصنف نے بطور ارمغاں اس دفتر میں بھیجا ہے۔ اس کے دیباچہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب اخیر حصہ اس مجلد کا ہے جس کے اس کے مصنف نے تین حصے کیے ہیں اور ان تینوں حصوں کو ایک کتاب بنایا ہے۔ اس کتاب میں اردو زبان کی وہ مثلیں اور کہاوتیں درج ہیں جو ہندوستان کی عورت و مرد کی زبان زد ہیں۔ پس مصنف مذکور نے اپنی کتاب کے ہر صفحہ کے دو کالم بنائے ہیں اور ان میں سے ایک کالم میں مثل۔ دوسرے کالم میں اس کے محاذی اس مثل کے معنی اور محل کی تشریح کی ہے جس سے نہایت آسانی پڑھنے والوں کو معلوم ہوتی ہے۔ جو تلاش اس کے مصنف نے کی ہے اہل انصاف کی نظر میں وہ سراسر مدح کے لائق ہے اور جو لوگ عام لسان کے شائق ہیں ان کے لیے یہ کتاب ایک مفید شیئ ہے اور گو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس باب میں یہ کتاب کوئی پہلی تصنیف نہیں ہے مگر اپنی طرز کے لحاظ سے بلا شبہ وہ پہلی تصنیف ہے جس سے اردو زبان کے شائق بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ اگر اس قسم کی تصنیفات کا رواج زیادہ ہو جاوے گا تو ہندوستان کی دیسی زبان نہایت مستحکم حالت میں ہو جاوے گی۔ ایسی تصنیفات ہر زبان کے

علم ادب کے واسطے اصل الاصول خیال کی گئی ہیں۔ پس تاوقتیکہ کسی ملک میں ایسا ذخیرہ مہیا نہ ہو جاوے اس ملک کی زبان ایک مستقل حالت میں نہیں ہوسکتی۔ اسی وجہ سے اگر ہم اس کتاب کو ان تمام تصنیفات سے بہتر خیال کریں جو انعام کی امید سے تصنیف ہوگئیں اور جن کی بدولت صدھا طرح کے قصہ کہانیاں بن گئیں تو کچھ عجب نہیں ہے اور جس طرح ہم اس کے اس ایک حصہ کو مفید خیال کرتے ہیں ہم کو امید ہے کہ اس کے باقی دو حصے بھی ضرور مفید ہوں گے۔

اگر ہم ان تمام باتوں کو راستی کے ساتھ بیان نہ کریں جو اس کتاب میں ہیں تو ہم صرف ایک مداح ہوں گے اور اس کے حسن و قبح کی نسبت نظر کرنے والے نہ ہوں گے اس لیے ہم اس بات کو بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس کتاب میں بعض مثلوں کی تشریح اس خیال کے موافق نہیں ہوئی جس کے لحاظ سے وہ اپنے اپنے موقع پر بولی جاتی ہیں اور گو ہم اس تشریح کو غلط نہیں کہہ سکتے مگر اس لحاظ سے ضرور وہ محل تامل ہیں کہ ہماری زبان میں ان کا استعمال ٹھیک انہیں کے واسطے نہیں ہوتا جو اس کے محاذی لکھے گئے ہیں۔ پس اگر آئندہ ان حصوں کے ساتھ صاحب مصنف مذکور اس پر بھی نظر ثانی فرماویں تو نہایت خوبی کی بات ہے۔ کیونکہ جو کمی اس میں ہے وہ بی رفع ہو جاوے گی اور اس کی وجہ سے جو فائدہ اسکا ہے وہ بھی بہمہ وجود کامل ہو جاوے گا۔

....

جغرافیہ طبعی مبتدیوں کے واسطے

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ ۱۹ مئی ۱۸۷۶ء)

جس کو منشی محمد ذکاء اللہ صاحب پروفیسر ریاضی کالج الہ آباد نے مدرسۃ العلوم مسلمانان کے سلسلہ خواندگی میں شامل کرنے کے لیے تصنیف کیا۔

ہم اس ہندوستانی مصنف کی متعدد کتابوں کا ریویو اپنے مختلف اخباروں میں لکھ چکے ہیں اور ہم کو یاد ہے کہ ہم نے ہمیشہ اس لائق شخص کے جوہر دماغی کی تعریف کی ہے اور جس قدر تعریف ہم نے اس کی کی ہے ہماری اس تعریف کے صحیح اور بلا مبالغہ ہونے پر نہایت مستحکم دلیل یہ ہے کہ جو مقبولیت اس شخص کی تصانیف نے حاصل کی ہے وہ بے انتہا ہے اور اس کے مفید ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ جس قدر کتابیں اس شخص نے تصنیف کی ہیں ان کے طبع ہونے کے بعد کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ان طلب میں توقف ہوا ہو یا ہر ایک کتاب کے دوبارہ طبع کی حاجت نہ معلوم ہوئی ہو۔ علاوہ اس کے جو قدر شناسی اس کی تصنیف کی گورنمنٹ کی جانب سے ہوئی وہ بھی ہمارے اس خیال کی موید ہے کہ یہ لائق مصنف ہندوستانی کے لیے ناز کا سبب ہے۔

اہل علم کی ہمیشہ دو حالتیں رہی ہیں ایک وہ جو فن کے جاننے والے ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو صرف کتاب کے جاننے والے ہوتے ہیں اور فن کو نہیں جانتے اور ترجیح ہر

طرح سے اسی شخص کو ہوتی ہے جوفن کا جاننے والا ہو کیونکہ ایسا ہی شخص کتاب کو بھی خوب جان سکتا ہے اور جو لوگ کتاب کو جانتے ہیں ضرور نہیں ہے کہ وہ فن کے بھی ماہر ہوں اور اس بات کی بتانے والی چیز کہ کون شخص فن جانتا ہے اور کون شخص کتاب، اس صاحب کمال کی تصنیف ہی ہوتی ہے جس سے سمجھنے والے دریافت کر لیتے ہیں کہ اس شخص کو فن آتا ہے یا صرف کتاب۔

جو لوگ فن جانتے ہیں اگر تصنیف ہوتی ہے تو انہیں سے ہوسکتی ہے اور جو کتاب جاننے والے ہوتے ہیں ان کی تصنیف گو وہ کیسی ہی ہمدگی سے تصنیف کریں دراصل تالیف و انتخاب ہوتا ہے اور جو خوبی ایک جدید تصنیف میں ہونی چاہیے وہ یہی ہے کہ اس سے ایک جدید فائدہ حاصل ہو اور نئی طرز کے نکات ودقائق ظاہر ہوں اور اس میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ یہ بات اسی شخص کی تصنیف میں ہوسکتی ہے جو فن کا ماہر ہو، نہ اس شخص کی تصنیف میں جو صرف معمولی طرز عبارت کی تبدیلی کے سوائے اور کسی خاص فائدہ کو ظاہر نہیں کر سکتا اور ہم یقین کرتے ہیں کہ اس لائق شخص کی تصنیفات دیکھنے والے اس بات سے مطلع ہوں گے کہ اس کی تصنیف ہمیشہ ایک نئی خوبی پر مشتمل ہوتی ہے جس کے لحاظ سے باتامل یہ اقرار کیا جاتا ہے کہ یہ لائق مصنف اپنے فن کا بڑا ماہر ہے۔ صرف ایک کتابی مدرس نہیں ہے جو اس کے حق میں نہایت بڑی تعریف ہے۔

حال میں جو کتاب اس مصنف نے اپنی فیاضی سے مسلمانوں کے مدرسۃ العلوم کے ابتدائی سلسلہ خواندگی میں شامل کرنے کے واسطے تصنیف فرمائی ہے وہ ایک جغرافیہ طبعی ہے جو غالباً سات جزو کی کتاب ہوگی۔ اس کتاب کی جہاں تک قدر کی جاوے نہایت بجا ہے اور اس کے سبب سے جو وقعت کا مستحق اس کا مصنف ہو وہ بے انتہا ہے۔ جس وقت کوئی شائق اس کتاب کو سلسلہ وار دیکھنا چاہے گا تو پہلے پہل اس کی نظر اس کتاب کے عجیب وغریب اور

ایک نئے ڈھنگ کے دیباچہ پر پڑے گی جس کو دیکھ کر ایک انشاء پرداز تو اس کی انشاء پردازی کے سبب سے غش ہو جائے گا اور اس کا طرز گذارش اس کے دل میں کھب جاوے گا اور ایک قصبہ گو اس کو مزے دار قصہ سمجھ کر لوٹ جاوے گا اور ایک جغرافیہ ماہر اس کو دیکھ کر اس کے ہر حرف سے فن جغرافیہ کے متعلق ایک فائدہ حاصل کرے گا اور اس کو اس دیباچہ کے دیکھنے سے جغرافیہ طبعی کی بنا اور اس کے اصول بخوبی منکشف ہو جاویں گے اور بلا شبہ اس کو منصافانہ طور پر اس بات کے اعتراف کرنے کا موقع ملے گا کہ اس کا مصنف ایک ایسا ماہر فن ہے جو علمی مسائل کو ایسی زبانی روزمرہ کی باتوں سے حل کر سکتا ہے غرضیکہ جس عنوان سے اس بیدار شخص نے جغرافیہ کے اسباب اور اس کی ضرورتوں کو ثابت کیا ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ اسی کا حصہ ہے۔

زمین کی کرویت کے مسئلہ کو بھی نہایت خوبصورتی سے ثابت کیا ہے اور اس کے دلائل ایسے مسلمہ بیان کئے ہیں جن کو وہ شخص بھی تسلیم کرتا ہے جو اس کا منکر ہو اور چونکہ یہ جغرافیہ مبتدیوں کے واسطے ہے علاوہ اس سے عقلیات کی بہ نسبت حسیات ہمیشہ سریع الفہم ہوتے ہیں اس لحاظ سے اس کے مصنف نے دلائل کرویت کو صرف انہیں عقلی امور میں منحصر نہیں رکھا جو بدقت سمجھ میں آویں بلکہ ان کو ایسے مشاہدات سے ثابت کیا ہے۔ جس کے سبب سے گویا یہ مسئلہ بدیہات میں سے ہو گیا ہے۔

رات دن کی حقیقت بیان کرنے میں بھی ایک عجیب دلچسپ طرز اختیار کیا ہے جو مبتدیوں کے بخوبی ذہن نشین ہوتا ہے اور اس کی حقیقت کے سمجھنے کے بعد در پردہ حرکت زمین کے مسئلہ کا بھی اثبات ہوتا ہے جس کو آخر کار تصریح کے ساتھ بھی بیان کیا ہے۔

ہوا کی کیفیت اور اس کی ماہیت اور اس کے مزاج کے بیان میں ایسے سادہ اور پرلطف بیان کو اختیار کیا ہے جو مبتدیوں کو ہرگز گراں نہ معلوم ہوگا اور ہوا کے عنصر بسیط ہونے

کے خیال کو بھی اسی بحث میں ردس کیا ہے اور جن اجزاء سے اس کی ماہیت مرکب ہے اس کی تفصیل کی ہے اور ان اجزاء کے ثبوت پر ایسے آسان دلائل پیش کیے ہیں جو ایک تجربہ کار کے نزدیک ثابت اور مسلم معلوم ہوتے ہیں گو اس کو یونانی حکمت طبعی والا اپنی زبانی حجتوں سے باطل کر دے مگر جب اس کو بھی تجربیات کی طرف مضطر کیا جاوے تو اس کو بجز تسلیم کے اور کچھ چارہ نہ رہے گا۔

ہوا کے مزاج کی تصریح کرنے اور اس کی گرمی و سردی کے بیان کرنے میں ایک بے نظیر بات یہ کی ہے کہ اس چھوٹے سے رسالہ میں بعض ان عملی فائدوں کو بھی بیان کیا ہے جو دراصل اس علم طبعی کا ثمرہ ہیں اور جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ بے نظیر علم کیسی قدر کے لائق ہے۔

باراں کی کیفیت اور اس کی حقیقت اور اس کے فائدے اور زمین کے اندر اس کے اثر اور اس کے ثمرات ایسے حکیمانہ اور ماہرانہ طریقہ سے بیان کیا ہے کہ اس کے پڑھنے سے اس بات کا حق الیقین ہو جاتا ہے کہ وہ جو ہر ایک انسان کے حق میں ایک بے انتہا نعمت ہے اور جس کا وجود باجود اس مبدا فیاض کی عام فیوض اور بخششوں کا ثبوت ہے جس کا ہر جگہ نیا رنگ ہے اور جس کا ہر موقع پر نرالا ڈھنگ ہے۔

نہ گوہر میں ہے اور نہ ہے سنگ میں
و لیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں

غرضیکہ من اولہ الی آخرہ یہ کتاب نہایت دلچسپ کتاب ہے اور ہر جگہ اس میں ذی ہوش کے واسطے فوائد کا ذخیرہ ہے۔

ذ فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میشکد کہ جا ایں جا است

پس ایسی بے نظیر کتاب کے لحاظ سے ایک بڑا احسان ان مسلمانوں پر کیا ہے جن کی اولاد اس کے فیض سے بہرہ یاب ہوگی اور اگر اس بات سے قطع نظر کی جاوے کہ اس کے مصنف نے اپنی کتاب کو مدرسۃ العلوم کے واسطے مخصوص کیا ہے تو اس کا فیض عام ہندوستانیوں کے واسطے بھی ایسا ہی ہے جس کے لحاظ سے اس کا مصنف عام شکر گزاری کے لائق ہے اور اسکی ذات فیض سمات نہایت وقعت کے لائق ہے۔

....

’’تحفہ حسن‘‘ پر ریویو

(محررہ نومبر ۱۸۷۸ء۔ مطبوعہ ۱۸۸۳ء)

۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں جب کہ سر سید کا دل مذہبی جوش و خروش سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے ’’تحفہ حسن‘‘ کے نام سے ایک لمبا چوڑا مضمون لکھا۔ وہ اس وقت مسلک کے لحاظ سے اہل حدیث تھے جن کو عام طور سے لوگ وہابی کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں مباحثوں میں شمولیت کا شوق اور دوسرے فرقوں کی تردید کا ذوق سر سید کے نوجوان دل میں جوش مار رہا تھا۔ کبھی وہ حنفیوں کے خلاف رسالہ لکھتے ۔کبھی شیعوں کے رد میں مضمون تحریر کرتے ۔کبھی صوفیاء اور مشائخ کے اوراد او وظائف پر اعتراض کرتے ۔کبھی پیری مریدی کے سلسلہ کو خلاف سنت بتاتے ۔غرض کسی نہ کسی فرقے سے ان کی چھیڑ چھاڑ برابر جاری رہتی تھی ۔اسی دوران میں انہوں نے اپنے استاد حضرت حاجی حافظ مولوی محمد نور الحسن صاحب کی پر زور تحریک اور فرمائش پر ’’تحفہ اثنا عشریہ‘‘ کا اردو کا ترجمہ شروع کیا یہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ہے جس میں مسئلہ خلافت کے متعلق

شیعوں کے اعتراضات کے جوابات بڑی تفصیل سے دیے گئے ہیں۔اس کا دسواں باب مطاعن صحابہؓ کے جوابات پر مشتمل ہے اور بارہواں باب تولا وتبرا کے متعلق ہے۔سرسید نے انہی دو باتوں کا ترجمہ کیا اور اس پر بڑے فخر کا اظہار کیا۔

مگر بعد میں جب ان کے خیالات میں تبدیلی ہوئی تو انہوں نے ان مذہبی جھگڑوں کو بالکل فضول سمجھا اور اس قسم کے مناقشات کو ملت کی بربادی اور تباہی کا باعث یقین کیا۔

سرسید کی لکھی ہوئی اپنی تحریر کو دیکھتے ہوئے ہم یہ ترجمہ یہاں درج کرتے ،مگر چونکہ شیعہ سنی جھگڑوں میں پڑتا نہ کوئی دین و مذہب کی خدمت ہے۔نہ علم اور ادب کی۔اس قسم کے مضامین سے نہ کوئی دنیوی فائدہ ہے نہ دینی۔آپس میں منافرت اور دشمنی بڑھنے اور فرقہ دارانہ جذبات بھڑکنے کے سوا اس حرکت کا اور کوئی نتیجہ نہیں۔اس لیے ہم وہ ترجمہ یہاں نقل نہیں کرتے۔لیکن اس مضمون کے لکھنے کے ۳۴ سال بعد جب سرسید کے قدیم خیالات میں عظیم انقلاب اور زبردست تغیر آچکا تھا تو انہوں نے اپنے اس مضمون پر خود ہی ایک ریویو کیا۔وہ ہم تصانیف احمدیہ جلد اول مطبوعہ ۱۸۸۳ء سے لے کر یہاں درج کرتے ہیں اور اس سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ناظرین کرام کو دکھائیں کہ آخر عمر میں مسئلہ خلافت کے متعلق سرسید کے اپنے خیالات کیا تھے۔ہمیں اس سے غرض نہیں کہ وہ خیالات صحیح تھے یا غلط۔جو کچھ بھی تھے وہ ہم پیش کر رہے ہیں۔تا کہ سرسید کے

عقائد کا یہ پہلو بھی ان مجموعہ مضامین کے پڑھنے والوں کے سامنے آجائے۔ جیسا کہ سید صاحب مرحوم کے دوسرے خیالات وعقائد بھی ان اوراق میں موجود ہیں۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

ریویو مورخہ نومبر ۱۸۷۸ء

مذہب اہل سنت و جماعت اور شیعہ اثنا عشریہ میں جو مباحث افضلیت اور استحقاق خلافت خلفائے اربعہ کے ہیں اور مذہب خوارج میں جو عقائد ختنین واہل بیت اور مذہب نواصب میں علیؑ مرتضیٰ واہل بیت کی نسبت ہیں۔ان سے زیادہ لغو و بیہودہ مباحث و عقائد کوئی نہیں ہیں۔استحقاق خلافت آنحضرت صلعم کا من حیث النبوۃ کسی کو بھی نہ تھا۔اس لیے کہ خلافت فی النبوۃ تو محالات سے ہے۔ باقی رہ گئی خلافت فی ابقائے صلاح امت و اصلاح تمدن۔ اس کا ہر کسی کو استحقاق تھا۔جس کی چلی گئی وہی خلیفہ ہو گیا۔ خلافت بعد آنحضرت کوئی امر منصوصی نہ تھا۔نہ کسی شخص خاص کی خلافت مذہب اسلام کا کوئی جزو یا کوئی حکم تھا۔سیاست مدن کا جو طریقہ اس وقت پڑ گیا تھا۔ وہ سلطنت جمہوری کے نہایت مشابہ تھا اور اسی طرح پڑ گیا تھا۔ وہ سلطنت جمہوری کے نہایت مشابہ تھا اور اسی طرح واقع بھی ہوا۔یعنی جس کو بہت سے ذی اقتدار لوگوں نے تسلیم کرلیا۔ وہی خلیفہ ہو گیا۔کون کہہ سکتا ہے کہ ابتدا ہی سے علیؑ مرتضیٰ کو خلیفہ ہونے کا خیال نہ تھا اور تینوں مقدم خلافتوں کے زمانہ میں ان کو ان کے خلیفہ ہونے کا افسوس یا اپنے خلیفہ نہ ہونے کا رنج نہ تھا۔مگر علیؑ مرتضیٰ کے خواہش زیادہ تر سلطنت شخصی کے مشابہ تھی ۔ جو اس وقت کے طریقہ تمدن کے موافق نہ تھی اور اسی لیے ان کی خواہش پوری نہ ہوئی جب ایسا وقت آ گیا کہ ذی اقتدار لوگوں نے انکی طرف رجوع کی وہ خلیفہ ہو گئے۔ نہ مقدم خلیفہ ہونے میں کوئی وجہ افضلیت تھی۔ نہ موخر خلیفہ ہونے میں کوئی وجہ منقصت ۔ یہ تمام واقعات اسی طرح پر واقع ہوئے تھے جیسے کہ ہمیشہ دنیا

میں واقع ہوتے ہیں۔ اسلام سے ان واقعات کو کوئی تعلق نہ تھا۔ کسی کو غاصب اور کسی کو برحق بلا فصل کہنا لغو باتیں ہیں۔

افضلیت کے مسئلہ کے مباحث اس سے زیادہ بیہودہ ہیں۔ دو چیزوں میں ایک کو افضل ٹھہرانا اس بات پر موقوف ہے کہ ان میں ایک ہی حیثیت ہو۔ ایک سسراء ایک داماد، ایک بھائی، ایک غیر، آپس میں حیثیت ہی متحد نہیں۔ پھر افضلیت وغیر افضلیت کیسی؟ اعمال اور تقرب الی اللہ کے تول لینے کو ہمارے پاس کوئی ترازو نہیں جس سے ہم ایک کو ہلکا ایک کو بھائی ٹھہراویں۔ ہم جس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں وہ صرف تاریخی واقعات ہیں کہ ان چاروں بلکہ پانچوں بزرگواروں کے زمانہ خلافت کس طرح گذرے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ خلافت تو شمار کرنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ درحقیقت وہ زمانہ بھی حضرت عمر ہی کی خلافت کا تھا اور وہی بالکل دخیل و منتظم تھے۔ حضرت عمرؓ کا زمانہ کیا بنظر انتظام اور کیا بنظر فتوحات و امن وحکومت ورعب وداب جو ابقاء صلاح امت واصلاح تمدن کے لیے ضرور تھا۔ ایک بے نظیر زمانہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جو کچھ ہوا وہ صرف حضرت عمر کے زمانہ خلافت کا اثر تھا۔ اصلی زمانہ خلافت حضرت عثمان کی خلافت کا اخیر زمانہ تصور کرنا چاہیے۔ جس میں تمام اصول سیاست مدن اور وہ اصول سلطنت جمہوری جس پر اس عالیشان محل کی بنیاد قائم ہوئی تھی۔ سب کے سب سست اور برہم درہم ہو گئے تھے اور غدر کا ہونا اس کا ایک ضروری نتیجہ تھا جو ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰؑ تک جب خلافت پہنچی تو ایسی ابتر وخراب ہو گئی تھی جس کا درست ہونا اگر ناممکن نہ تھا تو قریب قریب ناممکن کے تھا۔ اس کی اصلاح میں جہاں تک ممکن تھا کوشش کی گئی۔ ملک دیے گئے۔ دوسری حکومتیں تسلیم کی گئیں مگر اصلاح نہ ہوئی اور رزبروز خرابی بڑھتی گئی۔ حضرت امام حسنؑ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے تمام حالات اور واقعات پر غور کر کے یقین کیا کہ اس کی اصلاح ممکن نہیں۔ صرف ایک ہی علاج امت کی

آسائش اور قتل وخوں ریزی اور فساد دور کرنے کا ہے کہ اس دو عملی سے یکسوئی کی جاوے انہوں نے نہایت دانائی اور نیکی اور امت کی بھلائی کی نظر سے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے خلافت سے ہاتھ اٹھایا۔ دراصل یہ کام حضرت امام حسن ہی جیسے کریم النفس شخص سے ہو سکتا تھا۔ جس نے امت کے امن کے لیے ایسی خلافت کو چھوڑ دیا جس کے سامنے سلطنت قیصر وکسریٰ کی بھی کچھ حقیقت نہیں تھی۔

مطاعن صحابہ ایک ایسا لغو اور بے ہودہ اور جھوٹا کام ہے جس کے برابر دنیا میں دوسرا نالائق کام نہیں ہے۔ نہ ہمارے پاس صحیح صحیح واقعات موجود ہیں جو یقین کے لائق ہوں اور اگر بالفرض واقعات بھی ہون تو وہ کیفیت اور حالت جن پر باہم صحابہ کے مشاجرات واقع ہوئے۔ ہرگز ہماری آنکھ کے سامنے نہیں ہیں۔ پس جو لوگ صحابہ کے مطاعن پر بحث کرتے ہیں وہ بلا کافی شہادت اور بلا موجودگی روئداد کے اپنا فیصلہ قائم کرتے ہیں علاوہ اس کے انسان سے غلطی اور خطا کا واقع ہونا خصوصا ایک ایسی بڑی سلطنت کے انتظام میں جو صحابہ کے ہاتھ میں تھی۔ ایک ایسا امر ہے جو ناگزیر ہے۔ صحابہ معصوم نہ تھے اگر بالفرض ان سے غلطیاں واقع ہوئیں تو کیا آفت ہوئی؟ اور کیوں وہ بری سمجھی جاویں۔ اگر ان ہی روایتوں پر جو موجود ہیں نکتہ چینی کا مدار ہو۔ تو اس نکتہ چینی سے نہ حضرت علیؑ مرتضیٰ بچتے ہیں نہ خلفائے ثلاثہ اور ہم تو باوجود تسلیم کر لینے ان تمام نکتہ چینیوں کے جو خوارج ونواصب اور شیعہ ان بزرگوں کی نسبت پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی بزرگ کو برا اور بدخیال نہیں کرتے۔ وہ تمام واقعات ایسے ہی ہیں۔ جو دنیا میں ہمیشہ پیش آتے ہےں وہ ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ ان سے نہ ان بزرگوں کی بزرگی میں کچھ نقصان لازم آتا ہے اور نہ مذہب اسلام کو ان واقعات سے کچھ تعلق ہے۔

ہاں تبرا جس کا رواج ان شیعوں میں ہو گیا ہے جو نامہذب ہیں۔ نہایت خراب چیز

ہے اور انسان کے دل میں ایک بدی اور بداخلاقی اور بدطینی پیدا کرنے والا ہے۔ جو اسلام کے مقصد اعلیٰ کے برخلاف ہے۔ میری یہ رائے ہے کہ جو امور مذہب اسلام سے علاقہ رکھ سکتے تھے وہ آنحضرت صلعم کے بعد ختم ہو گئے اور جو واقعات ان کے بعد ہوئے ان کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ نہ وہ مذہب اسلام کا جزو ہیں۔ نہ اشھد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله کے بعد اشهد ان عليا ولی الله و وصی رسول الله و خليفه بلا فصلة ماننا ہم کو ضرور ہے بلکہ اسلام کے لیے پہلے ہی دو تشہد کافی ہیں۔

....

کتاب فضیلت یا معلم الطلباء

منشی سراج الدین صاحب ایڈیٹر سرمور گزٹ ناہن (مشرقی پنجاب) نے ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ''کتاب فضیلت یا معلم الطلباء'' کے نام سے شائع کیا تھا۔ جس میں طالب علموں کی علمی ترقی کے لیے یورپ کے بڑے بڑے فلاسفروں اور مشاہیر علماء کے مستند اقوال اور علمی کارنامے بیان کیے گئے تھے۔ منشی صاحب نے یہ کتاب سرسید کو اظہار رائے کے لیے بھیجی تھی۔ انہوں نے اس پر جو ریویو کیا وہ ہم اخبار سرمور گزٹ کے ۸ مارچ ۱۸۸۹ء کے پرچہ سے لے کر یہاں درج کرتے ہیں۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

یہ ایک کتاب نئے طرز اور نئے مضمون کی بوڑھے اور جوان باپ اور بیٹے ہر ایک کے لیے نہایت مفید ہے۔ اس کو منشی سراج الدین صاحب نے انگریزی سے اردو میں صرف ترجمہ نہیں بلکہ ایک معنی کو تصنیف کیا ہے اور عبارت نہایت پاکیزہ اور سلیس ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ ہر ایک طالب علم کے ہاتھ میں رہے اور ان لڑکوں کے باپ جو اپنے بچوں کو پڑھانا چاہتے ہیں وہ بھی اس کا سبق لیں۔

ہندوستانیوں کی عادت ہے کہ وہ لڑکوں کی نسبت چاہتے ہیں کہ صبح سے شام تک میاں جی کو گھیرے بیٹھا رہے۔ کھیلنے اور کودنے نہ دے۔ جب وہ سنتے ہیں کہ مدرسوں یا سکولوں میں چھٹی ہوگئی تو نہایت ناراض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ برس بھر میں اس قدر

چھٹیاں ہو جاتی ہیں ک پڑھنا خاک نہیں ہوتا۔غرض کہ وہ چھٹیوں کے اورلڑکوں کے کھیلنے کے نہایت مخالف ہوتے ہیں مگر جب وہ اس کتاب کو پڑھیں گے ان کو معلوم ہو گا کہ لڑکوں کو چھٹیاں نہ دینا اور کھیل کود کی ورزش سے ان کی قویٰ کو قوی نہ کرنا ان کے حق میں زہر اور تعلیم کے حق میں زہر قاتل ہے۔

مصنف نے اس کتاب میں صرف خیالی باتیں نہیں لکھی ہیں بلکہ بڑے نامی علماء کی زندگی کے حالات اور ان کے اقوال اور افعال سے ہر ایک بات کو ثابت کیا ہے اور اسی وجہ سے اس کتاب ک و بہت بڑی عزت اور وقعت ہوگئی ہے۔

سب سے پہلے انہوں نے لکھا ہے کہ باپ کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اپنی اولاد کے لیے اس کے میلان طبیعت کی مناسبت کے لحاظ سے اس کی چھوٹی عمر ہی میں اس کے لیے کوئی پیشہ انتخاب کرے تا کہ تعلیم پا کر اور بڑا ہو کر اس پیشہ کو طبعی لیاقت سے انجام دے۔

مگر ہم کو اس مقام پر اس بات کے کہنے سے نہایت افسوس ہے کہ ہماری قوم میں لڑکوں کے ماں باپ کی مدت دراز سے تعلیم کی خرابی اور تربیت کے نہ ہونے اور صحبت بد کے اثر سے لڑکوں کے دماغ ایسے پیدا ہونے لگے ہےں کہ اس بات کی تشخیص کرنی کہ اس لڑکے کا میلان طبعی کس پیشہ کی مناسب ہے قریبا ناممکن ہو گیا ہے۔مسلمان لڑکوں کے دماغ ایک بندر کے دماغ سے زیادہ عمدہ نہیں رہے ہیں الا ماشاءاللہ ریاضیات سے ان کے دماغ کو قطعا مناسب نہیں رہی۔لٹریچر میں جو ان کے بزرگوں کا بہت بڑا مایہ ناز تھا شاذ و نادر ہی کسی کو مناسبت ہوتی ہے۔زیادہ تعجب کی یہ بات ہے کہ جو لڑکا چھٹپن میں نہایت ہوشیار اور علی دماغ معلوم ہوتا ہے جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے ووں ووں اس کا دماغ اس کا ذہن سب بھدا اور کند ہوتا جاتا ہے۔یہ امور ایسے نہیں ہیں کہ ان کو سرسری سمجھا جائے بلکہ نہایت غور وفکر کے قابل ہیں کہ یہ حالت کیوں ہوگئی ہے۔

مگر جو کتاب کہ ہمارے دوست منشی سراج الدین صاحب نے لکھی ہے وہ بلاشبہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اگر اس کو غور سے پڑھا اور گنا جاوے اور اس پر عمل کیا جاوے تو بلاشبہ وہ ان خرابیوں کا جن کی ہم اپنی قوم کے بچوں کی شکایت کرتے ہیں پورا علاج ہے۔

مصنف نے جہاں باپ کا پہلا فرض اپنی اولاد کے لیے کسی پیشہ کے منتخب کرنے کا بیان کیا ہے وہاں نہایت عمدہ یہ فقرہ لکھا ہے:

''انسان کی طبائع ایسی ہی مختلف ہوتی ہیں جیسی ان کی قسمتیں، بعض کو ہیرے کی طرح جلا کر کے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ صاف اور چمکیلا بنانے کی ضرورت ہے اور بعض موتیوں کی طرح اول ہی اپنی طبعی آب و تاب کے ساتھ نکلتے ہیں'' پھر مصنف نے مطالعہ کی عادت اور اس پر بڑے بڑے عالموں کی زندگی کے واقعات، تنہائی اور اس کی ضرورت، اس کے فوائد اور نقصانات اور ان کے اعتدال پر رکھنے کا طریقہ، گفتگو میں غور اور فکر، حافظہ کی درستی اور اس کو مفید طرح پر کام میں لانے کی تدبیر، قوائے ذہنی کی طاقت، مطالعہ کے جسمانی اثرات، صحت کے فوائد متعلق علم سونا اور جاگنا، حصول کمال میں طریقہ مشغولی، طبیعت کی شگفتگی بڑے بڑے عالموں کے اطوار مطالعہ اور بہت مفید مفید باتیں ایسی عمدگی سے بیان کی ہیں جس کا نقشہ اس چھوٹے سے ریویو میں دکھانا محالات سے ہے۔ سب سے زیادہ عمدگی اس کتاب کی ہر ایک امر کے ساتھ بڑے بڑے مشہور عالموں کی لائف کا بہ طور نظیر لکھ دینا ہے جو نہایت ہی دل پر اثر کرنے والا ہے۔

میرے نزدیک آج تک ایسی مختصر و مفید کوئی کتاب اردو میں نہیں لکھی گئی ہے مجھ کو تو یہ کتاب ایسی پسند ہے کہ جب سے آئی ہے اپنی میز پر رکھتا ہوں اور ہر روز تھوڑا تھوڑا پڑھ لیتا ہوں اور جب تک اس کے تمام مطالب کا نقشہ بخوبی ذہن میں نہ جم جائے گا ہمیشہ اس کو پڑھتا رہوں گا۔ میں اپنے سب دوستوں کو بھی صلاح دیتا ہوں کہ اس کتاب کو پڑھیں مگر نہ

سرسری طور پر بلکہ ایسے طور پر کہ اس کا نقشہ ذہن میں جم جائے۔

منشی سراج الدین صاحب نہایت شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایسی عمدہ اور مفید کتاب اور نہایت صاف اور شستہ زبان میں اپنے ہم وطنوں کو بخشی ہے۔

یہ کتاب سرمور گزٹ پریس ناہن میں چھپی ہے جس صاحب کو اس کا شوق ہو منشی سراج الدین صاحب ایڈیٹر مذکور سے طلب فرماویں۔

....

دیباچہ ''المامون''

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کی سب سے پہلی کتاب ''مامون الرشید عباسی'' کی محققانہ سوانح عمری ہے جو ۱۸۸۷ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کا پہلا ایڈیشن صرف تین مہینے میں نکل گیا۔ مولانا نے اس کا حق اشاعت اپنی فیاضی سے مدرستہ العلوم علی گڑھ کو دے دیا تھا اور کالج کی طرف سے یہ کتاب شائع ہوئی تھی۔ جب اس کے پہلے ایڈیشن کا کوئی نسخہ باقی نہ رہا تو سرسید نے مولانا سے کہا کہ اس پر نظر ثانی کر دیں تا کہ اسے دوبارہ شائع کیا جائے۔ مولانا نے سرسید کی خواہش کے مطابق کتاب میں بہت کچھ ترمیم اور اضافہ کر دیا جس سے کتاب پہلے ایڈیشن کی نسبت بہت زیادہ مفید ہوگئی۔ اس کے بعد سرسید نے کالج کمیٹی کی طرف سے اس کو دوسری مرتبہ ۱۸۸۹ء میں شائع کیا اور خود اس پر ایک دیباچہ لکھا۔ یہ دیباچہ اگرچہ مختصر ہے مگر بہت جامع اور دلچسپ ہے۔ میں نے یہ دیباچہ ''المامون'' کے اس نسخہ سے نقل کیا ہے جو سید حسن شاہ مالک و مہتمم رسالہ اتحاد لکھنو نے ۱۹۰۲ء میں رنگین پریس دہلی سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

قوم کی بدنصیبی کی علامت

یہ نہایت سچا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بدنصیب ہے جو اپنے بزرگوں کے ان کاموں کو یادرکھنے کے قابل ہیں بھلادے یا ان کو نہ جانے۔

سلف کے کارناموں کو یادرکھنے کی دوحالتیں

بزرگوں کے قابل یادگار کاموں کو یادرکھنا اچھا اور برا دونوں طرح کا پھل دیتا ہے۔ اگر خود کچھ نہ ہوں اور نہ کچھ کریں اور صرف بزرگوں کے کاموں پر شیخی کیا کریں تو استخوان جدفروش کے سوا کچھ نہیں اور اگر اپنے میں ویسا ہونے کا چسکا ہو پھر تو وہ امرت ہے۔

قدیم واقعات وحالات کی فراہمی مشکل ہے

مگر ہم وہ کریں یا یہ کریں یہ تو پچھلی بات ہے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ وہ دلچسپ حالات اور پرفخر جو واقعات ہم کو ملیں کہاں سے؟ ہماری تاریخیں اس زمانے کی لکھی ہوئی ہیں جس میں زمانے نے تاریخ نویسی کے فن کو پوری طرح پرترقی نہیں دی تھی۔ اس لیے

ہمارے بزرگوں کے کاموں کے گوہر آبدار کہیں بکھرے پڑے ہوئے ہیں اور کہیں کوڑے کرکٹ میں رلے ملے ہیں۔ایک نہایت لائق شخص کا کام ہے جوان چنے اورلڑی میں پروکر سجاوے۔

المامون کا تعارف

ہم کونہایت خوشی ہے کہ ہمارے دوست مخدوم اور ہمارے مدرسۃ العلوم کے پروفیسر مولانا مولوی محمد شبلی نعمانی نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہےاور سلسلہ ہیروز آف اسلام کا لکھنا چاہا ہے۔اسی سلسلے میں کی ایک یہ کتاب ہے جو''المامون'' کے نام سے موسوم ہے۔انہوں نے خلفائے بنوعباس میں سے مامون الرشید کوعباسی خلفاء ہیرو قرار دیا ہے اور اسکے تمام وہ کارنامے اچھے یا برے نہایت خوبی اور بے انتہا خوش اسلوبی اور بے انتہا خوش اسلوبی سے اس میں لکھے ہیں۔

تاریخانہ واقعات لکھنے چنداں مشکل نہ تھے مگر وہ باتیں جن کے لکھنے کا اس زمانے کے مورخوں کو بہت کم خیال تھا یا ان کی قدر کرتے تھے اور اس زمانے میں انہی کی تلاش اور انہی کی قدر کی جاتی ہے تلاش کرنی مشکل تھی۔مولانا نے اس میں پوری یا جہاں تک ممکن تھی کامیابی حاصل کی ہے۔

المامون کا پہلا حصہ

پہلے حصے میں انہوں نے تاریخانہ واقعات لکھے ہیں اور نہایت خوبی واختصار سے دکھایا ہے کہ خلافت کا سلسلہ کیونکر اور کیوں خاندان بنوامیہ کو برباد کرکے عباسی خاندان میں پہنچا اور کیا اسباب جمع ہوئے جن سے امن اس کا بھائی محروم اور مقتول اور خود مامون تمام مملکت اسلامی کا مالک الملک لاشریک لہ بن گیا۔

جابجا واقعات دلچسپ سے بھی اسے حصے کو آراستہ کیا ہے جس کے سبب سے یہ روکھا اور پھیکا تاریخانہ حصہ نہایت دلچسپ ہو گیا ہے۔

المامون کا دوسرا حصہ

دوسرے حصے میں انتظام سلطنت ، آمدنی مملکت ، فوجی انتظام ، عدالت اور اسکی جزئیات کو جہاں جہاں سے ملیں چن چن کر ایک جگہ جمع کیا ہے اور مامون کی خصلت اور اس کی سوشل حالت ، اس کی پرائیویٹ زندگی ، اس کے مشغلوں اور اس کی مجلسوں کا ذکر کیا ہے اور اس زمانے کی زندگی اور طرز معاشرت کا نقشہ کھینچ دیا ہے ۔ یہ حصہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔ شان اور عظمت اور جلال خلافت کے ساتھ ایسی ایسی سادہ اور بے تکلف باتوں سے بھرا ہے کہ اس سے اس کو اور اس سے اس کو رونق ہوتی ہے۔

اس حصے میں لطائف وظرائف کے ساتھ علمی اور خصوصا علم ادب کے ایسے ایسے نکتے مذکور ہیں جو ادیب کے لیے سرمایہ اور ظریف کے لیے سرایہ ظرافت ہیں۔

المامون کی خصوصیات

اس قدر جزئیات کو تلاش کرنا اور نظم اسلوب سے ایک جگہ جمع کرنا کچھ آسان کام نہ تھا، مصنف نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جس کا حوالہ کسی معتبر ماخذ سے نہ دیا ہو۔ ہر ایک جزئی بات پر بھی اس کتاب کا جس سے وہ بات لی گئی، حوالہ دیا ہے۔ اس کے حاشیوں پر جس قدر کتابوں حوالے ہیں ان کو دیکھ کر اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے میں کس قدر جانکاہی ہوئی ہوگی اور مصنف کو کتنے ہزار ورق تاریخوں کے الٹنے پڑے ہوں گے اور اسی کے ساتھ جب یہ خیال کیا جاوے کہ مصنف نے ان جزئیات کو ایسی کتابوں کے تلاش کر کے نکالا ہے جن کی نسبت یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ ان میں مامون کے حالات ہوں گے تو اس محنت کی وقعت وقدر اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

یہ کتاب اردو زبان میں لکھی ہے اور ایسی صاف اور شستہ اور برجستہ عبارت ہے کہ دلی والوں کو بھی اس پر رشک آتا ہوگا۔

ہر فن کا طرز بیان جداگانہ ہو

اردو زبان نے بہت کچھ ترقی کی ہے مگر اس بات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر فن کے لیے زبان کا طرز بیان جداگانہ ہو۔ تاریخ کی کتابوں میں ناول (قصہ) اور ناول میں تاریخانہ طرز گو کیسی ہی فصاحت اور بلاغت سے برتا گیا ہو دونوں کو برباد کرتا ہے۔

میکالے کے مضامین کی نوعیت

لارڈ میکالے جو انگریزی زبان کا بے نظیر ادیب ہے اس کے تاریخانہ اسے (مضامین) باعتبار فصاحت و بلاغت کے اپنا نظیر نہیں رکھتے مگر ایشیائی شاعرانہ طرز ادا سے تاریخانہ اصلیت کو بہت کچھ نقصان پہنچانے والے ہیں۔

المامون کی تالیف میں مصنف کی لیاقت

ہمارے لائق مصنف نے اس کا بہت کچھ خیال رکھا ہے اور باوجود تاریخانہ مضمون ہونے کے ایسی خوبی سے اس کو ادا کیا ہے کہ عبارت بھی فصیح اور دلچسپ ہے اور تاریخانہ اصلیت بدستور اپنی اصلی صورت پر موجود ہے۔ جو خوبصورت ہے خوبصورت ہے، جو بھونڈی ہے بھونڈی ہے۔ نہ خوبصورتی کو زیادہ خوبصورت بنایا ہے نہ بھونڈے پنے کو زیادہ بھونڈا دکھایا ہے اور درحقیقت یہی کمال تاریخ نویسی ہے۔

کتاب کا حق تصنیف

اس کتاب کا حق تصنیف مصنف نے اپنی فیاضی اور قومی ہمدردی سے مدرسۃ العلوم علی گڑھ کو عطا کیا ہے۔

کتاب کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن

پہلا ایڈیشن اس کتاب کا اسی سال میں کمیٹی مدرسۃ العلوم نے کمیٹی کے فائدہ کے لیے چھاپا اور سب فروخت ہو گیا اور لوگوں کی طلب باقی رہی۔ میں نے کمیٹی کی طرف سے اس کے فائدے کے لیے دوسرے ایڈیشن کے نکالنے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے یہ دیباچہ لکھا۔

کتاب پر نظر ثانی

مگر مجھ کو مصنف کا دوبارہ شکر ادا کرنا پڑا کہ انہوں نے مہربانی سے پہلے ایڈیشن پر نظر ثانی کی اور بعض نہایت مفید اور ضروری مضامین اس میں اضافہ کیے اور حکمائے عہد مامون میں بالتخصیص نہایت مفید اضافہ کیا۔ مجھ کو امید ہے کہ یہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے بھی زیادہ مطبوع طبع ہوگا۔

سید احمد خاں

سیکرٹری کمیٹی مدرستہ العلوم علی گڑھ

۱۲ اکتوبر ۱۸۸۹ء

”اعجاز التنزیل“

وزیر الدولہ، مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن صاحب سی۔ آئی۔ ای ۔ وزیر اعظم ریاست پٹیالہ نے ایک کتاب موسوم بہ ”اعجاز التنزیل“ تصنیف کی تھی جس میں انہوں نے ثابت کیا تھا کہ قرآن مجید لفظاً و معناً دونوں اعتبار سے معجز نما ہے اور اپنی تائید میں یورپ کے مستند اور مشہور مصنفون کے اقوال بھی درج کیے تھے۔ اس کتاب پر سرسید نے علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں ایک طویل ریویو کیا تھا جسے ہم اخبار سرمور گزٹ ناہن مورخہ ۱۰ فروری ۱۸۹۰ء سے لے کر درج کرتے ہیں

(محمد اسماعیل

پانی پتی)

اس زمانے کے مسلمان مصنف جب تائید اسلام پر کوئی مضمون لکھتے ہیں تو اکثر یورپین مصنفوں کے اقوال جو اسلام کی حمایت میں ہوتے ہیں، اپنے ادعا کی تائید میں نقل کرتے ہیں اس زمانے میں جس قدر کتابیں مسلمانوں نے تصنیف کی ہیں، سب نے کم و بیش یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ سید احمد خاں، مولوی چراغ علی، مولوی سید امیر علی، سب کی تصنیفات میں اس قسم کی شہادتیں موجود ہیں اور سب سے اخیر تصنیف جو وزیر الدولہ خلیفہ سید محمد حسن صاحب کی ”اعجاز التنزیل“ ہے اس میں تو سب سے زیادہ یورپین مصنفوں کے

اقوال سے جو تائید اسلام میں ہیں استدلال کیا گیا ہے۔

اس طریقے پر بعض لوگ معترج ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس طریقے کے اختیار کرنے سے دو باتیں لازم آتی ہیں اول یہ کہ جن کے اقوال نقل ہوتے ہیں، ان کو بہت بڑا عالم قابل استاد تسلیم کیا گیا ہے، دوسرے یہ کہ وہ یوصف عیسائی ہونے کے نہایت منصف اور غیر متعصب ہیں۔

اگر اس لزوم کو صحیح مان لیا جائے تو کیا خیال کیا جائے گا اس وقت جب کہ وہ بہت کچھ اسلام کے بعض مقدم امور کی نسبت نہایت مخالفت کرتے ہیں اور اس کو بہت ہی برا بتلاتے ہیں۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس مضمون نے جس طرح بعض امور میں اسلام کی بہت ثنا و صفت کی ہے اس طرح بعض باتوں میں بلکہ مقدم باتوں میں اسلام کے مسائل وعقائد کی نہایت حقارت و مذمت بھی کی ہے پس کیا وجہ ہے کہ ہم پہلی صورت میں تو ان کو منصف اور غیر متعصب قرار دیں اور دوسری حالت میں اس کے برخلاف اس کو سمجھیں۔

علاوہ اس کے اس طریقے کے اختیار کرنے میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ جب مسلمان نوجوان طالب علم مسلمانوں کی تصنیفات میں ان کے اقوال دیکھتے ہیں اور ان کو منصف اور غیر متعصب تسلیم کیا ہوا سمجھتے ہیں تو ان کی اصلی تصنیفات اور غیر متعصب تسلیم کیا ہوا سمجھتے ہیں تو ان کی اصلی تصنیفات کے پڑھنے پر مائل ہوتے ہیں اور جب ان مقامات پر پہنچتے ہیں جہاں انہوں نے اسلام کے مسائل کی مذمت کی ہے تو طالب علموں کے دلوں میں نہایت بد اثر پیدا ہوتا ہے کہ ان مسائل کی نسبت بھی انہوں نے بالکل سچ اور محض انصاف سے اور بغیر تعصب کے لکھا ہے:

وہ کہتے ہیں کہ کسی شخص یا کسی چیز کی برائی کا لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کا سب سے عمدہ طریقہ یہی ہے کہ اس کی برائیوں کے ساتھ اس کی کچھ خوبیاں بھی بیان کی جائیں تا کہ

پڑھنے والوں کے دلوں پر یہ اثر پیدا ہو کہ اس کا لکھنے والا نہایت منصف اور غیر متعصب ہے ۔ جو بات اچھی تھی اس کو اچھا لکھا ہے ۔ جو بات بری تھی اس کو برا لکھا ہے ۔ سر ولیم میور صاحب کی کتاب اسی قسم کی ہے ۔ پس اگر انہوں نے کسی فروعی امر میں اسلام کی تعریف کی اور چند کلمات خاص اس امر میں اسلام کی نسبت لکھے تو ان کو نقل کرنے اور ان پر سند لانے سے کیا نتیجہ ہے؟

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جن یورپین مصنفوں کو متعصب اور غیر متعصب کہا جاتا ہے در حقیقت وہ کوئی مذہب نہیں رکھتے ۔ عیسائی مذہب کے بھی مانند نہیں ہیں اور قرآن مجید کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے سولن اور منو کے قوانین کو دیکھتے ہیں اور نبوت کی عجیب طاقت کی کچھ ضرورت نہیں سمجھتے ۔ پس قرآن یا اسلام کی تائید میں ان کے اقوال کی سند لانے کے کوئی معنی نہیں ہیں ۔

مگر ہم ان خیالات سے متفق نہیں ہیں ۔ ''اعجاز التنزیل'' کو ہم اس لیے بھی نہایت قدر کے لائق سمجھتے ہیں کہ وہ یورپین مصنفوں کے تمام خیالات کا جو اسلام کی تائید میں ہیں ایک عمدہ مجموعہ ہے اور مصنف نے نہایت خوبی وسلیقہ سے ان کو اس کتاب میں جمع کیا ہے ۔

یورپین مصنف جنہوں نے اسلام کی نسبت کچھ لکھا ہے وہ تین قسم کے ہیں، اول زمانہ قدیم کے مصنف مثل برید و وغیرہ ۔ ان کی تصانیف کا موضوع تو بجز دشنام دہی اور آنکھ اور کان اور دل اور تمام قوائے ممیّزہ کو معطل کر کے اسلام کی مذمت کرتا ہے اور اسی لیے ان کو متعصب کہا جاتا ہے ۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو خود مذہب عیسوی پر دل سے یقین رکھتے ہیں اور اپنے تئیں بطور ایک مورخ قرار دے کر اسلام پر کوئی کتاب لکھتے ہیں مگر قبل اس کے کہ ایک حرف انہوں نے لکھا ہو اس ارادہ پر قلم اٹھایا ہے کہ اسلام کا غلط اور جھوٹ اور ایک حریفانہ دھوکا

ہونا ثابت کریں۔اسی قسم کی تصنیفات سر ولیم میور اور ڈاکٹر اسپرنگر وغیرہ کی ہیں۔

مگر یہ مصنف باوجود یکہ عیسائی ہونے اور مذہب اسلام کے مخالف ہونے کے تاریخانہ واقعات پر جن کی وہ تردید نہیں کر سکتے، یا بعض مسائل پر جن کی مخالفت کوئی دانشمند نہیں کر سکتا یا ان بے مثل اور عجیب خوبیوں کے جاہل صحرائی اونٹ چرانے والے کو پہنچیں انکار نہیں کر سکتے۔ وہاں اسلام کی مدح اور اس کی ان خاص خوبیوں کا اقرار کرتے ہےں۔ پس کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم ان کے ان اقوال کو بطور ایک مخالف کے اقرار کے نہایت استحکام سے اپنے دعوے کی تائید میں، مگر نہ بطور ایک بنیاد اصلیت اسلام کے پیش نہ کریں۔ ہمارا دعویٰ حقیقت اسلام کا ان اقوال پر جن کو ہم پیش کرتے ہیں مبنی نہیں ہے بلکہ ان اقوال کا پیش کرنا اس مراد سے ہے کہ وہ امر ایسا مستحکم اور صریح ہے کہ مخالفین بھی اس کو تسلیم کرتے ہے یا اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہیں، وزیر الدولہ نے اپنی کتاب ''اعجاز التنزیل'' میں اس قسم کے مصنفوں کے اقوال کو اسی منشاء سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے جس سے اس کتاب کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔

تیسری قسم کے یورپین مصنف وہ ہیں جو منصف یا غیر متعصب کہے جاتے ہیں جیسے گبن یا ھگنز یا مسٹر کارلائل وغیرہ وغیرہ۔ہم کو اس سے بحث نہیں کہ ہو کسی مذہب کے معتقد تھے یا نہیں، اگر نہ ہوں تو ان کے اقوال مثل ایک پنچ کے جو نہ مدعی کا طرفدار ہو نہ مدعا علیہ کا، ہمارے دعوے کے زیادہ تر مفید اور ان کی نسبت منصف اور غیر متعصب کا لقب زیادہ تر زیبا ہے، انہوں نے مذہب اسلام کی خوبیوں کی نسبت بہت کچھ لکھا ہے اور اسلام نے جو سچائی اور صداقت دنیا میں پھیلائی اس کی تاثیر برق کے مانند کروڑوں آدمیوں کے دل میں بیٹھ گئی اور اب تک اسی استواری سے قائم ہے اور برابر اثر کرتی چلی جاتی ہے اور اسلام کی اور بہت سی باتوں کی انہوں نے بہت تعریف کی ہے اور ان سب کو تسلیم کیا ہے، اس بلا شبہ ان

کے اقوال زیادہ تر ہمارے دعوے کے موید ہیں مگر نہ اس طور پر کہ ہمارے دعوے کی بنا ان اقوال پر ہے بلکہ صرف اس لیے کہ چند غیر متعصب عالموں، مورخوں، فلاسفروں نے بھی ان کو تسلیم کیا ہے۔

ہاں یہ بات سچ ہے کہ انہی مصنفوں نے جن کی ہم نے اس قدر تعریف کی، اسلام کے متعدد مسائل کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور ان کی مذمت کی ہے۔ مگر ہم ہرگز ان کی نسبت یہ نہیں کہتے کہ وہ مذمت یا حقارت انہوں نے تعصب کی راہ سے کی ہے بلکہ بدبختی سے خود ہم نے یعنی مسلمان مصنفوں یا مورخوں نے غلط طور پر وہ مسائل انکو دکھائے ہیں اور اس لیے وہ مجبور ہوئے ہیں کہ غلط رائے ان پر قائم کریں۔

گو مسلمان تقلید سے یا تعصب سے اس بات کو نہ مانیں مگر کوئی محقق ایسا نہیں جو اس کو تسلیم نہ کرے اور خود مسلمان محقق بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان مورخوں نے جو کتابیں اسلام کی تاریخ کی لکھی ہیں خواہ وہ سنی عالموں کی مکمل ہوئی ہوں یا شیعہ عالموں کی، لغویات و مہملات اور جھوٹے قصوں اور موضوع روایتوں سے بھری ہوئی ہیں اور غلو مذہبی نے اور اختلاف مذہبی ن ے ان کو زیادہ تر بدنما اور درجہ اعتبار سے ساقط کر دیا ہے بلکہ اصلی واقعات کو ایسا خراب کیا ہے کہ ان کی اصلی حالت دریافت کرنی مشکل ہے۔

تاریخ کی کتابوں کے بعد حدیث کی کتابیں ہیں، جو درجہ بدرجہ معتبر گنی جاتی ہیں، شیعہ مذہب کی حدیث کی کتابوں کی بہ نسبت سنی مذہب کی حدیث کی کتابیں کسی قدر میری دانست میں زیادہ وقعت کی ہیں، مگر ہر ایک فرقے نے اپنے ہاں کی حدیث کی کتابوں کو واجب التسلیم قرار دیا ہے۔ حالانکہ خود اصول علم حدیث اور عام اصول تنقید روایت کے مطابق ہر ایک حدیث ان کتابوں کی تنقیح و تنقید کے لائق ہے۔ ان کتابوں کے لکھے جانے کے تھوڑے دن بعد تقلید کی گرم بازاری ہوئی اور تحقیق کا دروازہ مسدود ہو گیا اور جو باتیں

لکھی گئی تھیں وہی مسلم سمجھی جانے لگیں، صرف کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ایسا تھا جو تمام آفات سے محفوظ تھا مگر مفسرین نے اس پر بھی رحم نہیں کیا ور اپنی تفسیروں میں ضعیف و موضوع روایتیں لکھنی شروع کیں اور بے اصل قصے جو اکثر بلکہ کلیۃ یہودیوں کے ہاں سے اخذ کیے تھے ان میں شامل کیے۔ اور رفتہ رفتہ وہ تفسیریں نہایت اعتبار اور وقعت کی نگاہ سے دیکھی جانے لگیں۔ پھر اس پر قیاسات اور اجتہادات نے بہت کچھ اضافہ کیا اور مذہب اسلام ایک مجموعہ صحیح وغلط مسائل کا اور واقعی وغیر واقعی واقعات کا بن گیا۔

ان بے چارے یورپین مصنفوں کے پاس جن کو ہم منصف وغیر متعصب کہتے ہیں، خود ہماری تحریروں سے وہ مسائل اور واقعات پہنچے جو در اصل ٹھیٹ مذہب اسلام کے مسائل نہ تھے یا صحیح واقعات نہ تھے۔ انہوں نے خود ہماری تحریروں سے دھوکا کھایا اور ان کو مسئلہ اسلامی سمجھا اور اس کو تحقیر کی نگاہ سے بھی دیکھا اور اس کی مذمت کی۔ پس یہ ہمارا گناہ ہے نہ ا ن کا قصور۔

ایک عیسائی پادری نے ایک شخص سے کہا کہ تم گبن کو بہت بے تعصب سمجھتے ہو کہ اسلام کی نسبت اس نے سچی رائیں ظاہر کی ہیں مگر فلاں امر کی نسبت اس نے یہ لکھا ہے اور ایسی مذمت کی ہے۔ اس کی اس تحریر کو بھی تم بے تعصب سمجھتے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ہاں مگر گبن کو اس مسئلے کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے اصل مسئلہ ٹھیٹ اسلام کا یوں ہے۔ اگر صحیح مسئلہ اس کو معلوم ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ لکھتا جیسا کہ اس نے لکھا۔

ایک فرنچ مصنف نے اپنی کسی تحریر میں جس کا پتہ مجھ کو یاد نہیں رہا اس بات پر نہایت تعجب وحیرت ظاہر کی ہے کہ جب قرآن میں لکھا ہے کہ ''انما المومنون اخوۃ'' تو پھر مسلمان کسی مسلمان کو کیوں کر غلام بنا سکتے ہیں یا جو غلام مسلمان ہو گئے ہیں وہ کیوں کر غلام رہ سکتے ہیں، اس کو یقین نہ تھا کہ اس آیت کے مطابق کوئی مسلمان غلام نہیں ہو سکتا، اس پر اس نے

اسلام کی تعریف کی ہے کہ اپنے ہم مذہبوں کو غلامی سے آزاد کردیا مگر پھر مذمت کی ہے کہ بنی نوع انسان کے ساتھ اس نے اچھا سلوک نہیں کیا، مگر جب آیت حریت عام ''فاما منا بعد و ما فداء'' اس کو دکھائی جاتی تو وہ ضرور کہتا کہ اسلام نے جو برکت تمام بنی نوع انسان کو بخشی ہے کسی مذہب نے نہیں بخشی ہے۔

پس ہمارے نوجوان طالب علموں کا فرض ہے کہ جب وہ کسی ایسے یورپین عالم کی رائے کسی مسئلہ اسلام کے برخلاف دیکھیں تو اول اس بات کی تحقیق کریں کہ جو مسئلہ وہ سمجھا ہے یا اس تک پہنچ ہے جس پر اس نے مسئلہ اسلام کی مذمت کی ہے درحقیقت وہ ٹھیٹ مذہب اسلام کا مسئلہ ہے بھی یا نہیں۔ اگر ہے تو آیا خود اس مصنف کو غلطی ہوئی ہے یا نہیں، کیونکہ منصف اور بے تعصب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کوئی غلطی بھی نہ ہو۔

ہم اس بات کو بھی تسلیم کرلیں گے کہ وہ یورپین مصنف قرآن مجید کو بھی اسی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے سولن اور منو کے قوانین کو، مگر ان کا اس نظر سے دیکھنا اور پھر مذہب اسلام کی نسبت وہ کچھ لکھنا جو انہوں نے لکھا ہے۔ ہماری صداقت اسلام کو زیادہ مستحکم کرتا ہے۔ اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ اسلام انسانک کے لیے بنایا گیا ہے یا یوں کہو کہ انسان اسلام انسان کے لیے بنایا گیا ہے یوں کہو کہ انسان اسلام کے لیے بنایا گیا ہے۔ دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام انسانی فطرت کے موافق ہے اور یہی دلیل اس کی صداقت اور خالق انسان کی طرف سے ہونے کی ہے۔ پس اگر کسی ایسے عالم و فلاسفر نے بھی جو کسی مذہب کا معتقد نہیں ہے اس کی صداقت کو تسلیم کیا ہے تو اس سے زیادہ کوئی معتمد شہادت ہمارے دعویٰ کی تصدیق پر نہیں ہوسکتی۔

غرض کہ ہماری دانست میں خلیفہ صاحب نے سب سے بڑا اور عمدہ کام اس کتاب میں یہی کیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہوا ہے یورپ کے عالموں کے اقوال جو تائید مذہب

اسلام میں تھے یک جا جمع کر دیے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے یہ کتاب نہایت عمدہ لکھی ہے۔ باوجودیکہ وہ ایک عمدہ شیعہ ہیں مگر نہایت بے تعصبی سے انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ سنی مذہب کی کتابوں میں سے بھی انہوں نے معتبر روایتوں کے اخذ کرنے میں تامل نہیں کیا۔ علی مرتضٰی و اہل بیت و ائمہ اطہار کے مناقب جس قدر بیان ہوں وہ ان کی شان کے مقابلہ میں کم ہین اور اہل سنت و جماعت بجز اس کے کہ از یں ہم بالاتر بگو اور کچھ نہیں کہہ سکتے، بقول ایک سنی کے جس نے ایک شیعہ سے کہا تھا کہ اگر محبت اہل بیت نزد شما جزو ایما است نزد ما عین ایمان است، شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسبت بطور ایک لطیفہ کے انہوں نے اس آیت ''وفدیناہ بذبح عظیم'' پر استدلال کیا ہے، ورنہ کوئی شیعہ مثل عیسائیوں کے جو حضرت مسیح کے فدیہ ہونے کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ حضرت امام حسینؑ تمام مومنین کے بدلے فدیہ ہو گئے۔ رہی یہ بات کہ اگر امامؑ یزید سے بیعت کر لیتے اور وہ امام برحق تسلیم کیا جاتا تو امت محمدی میں صدھا آفات پیدا ہوتیں۔ ان آفات سے امت کو بچانے کے لیے انہوں نے جان دی اور امت کے لیے فدیہ ہو گئے۔ اس میں نہ کوئی سنی عذر کر سکتا ہے۔ نہ کوئی شیعہ، جو فعل کہ حضرت امام حسنؑ نے معاویہ ابن ابی سفیان کے ساتھ کیا اور جو فعل کہ حضرت امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار میں کیا اس سے جو تفاوت کہ دونوں بھائیوں میں ہے وہ علانیہ ظاہر ہوتا ہے۔ فتدبر۔

....

''الفاروق'' اور سرسید

(علی گڑھ انسٹیٹیوٹ۔ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۸۹۳ء)

مولانا شبلی نعمانی جب مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں پروفیسر تھے۔ اس وقت ۱۸۹۲ء میں انہوں نے حضرت امیر المومنین فاروق اعظمؓ کی مفصل اور مکمل سوانح عمری لکھنے کا ارادہ فرمایا اور ''الفاروق'' کے نام سے اس کا اعلان بھی اپنی مشہور کتاب ''سیرۃ النعمان'' کے دیباچہ میں کر دیا۔ جو جنوری ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی تھی۔

مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی مصلحتوں کے پیش نظر سرسید نہیں چاہتے تھے کہ مولانا شبلی جو کالج سے منسلک تھے ''الفاروق'' لکھیں۔ کیونکہ اس سے کالج کے شیعہ ہوا خواہوں اور ہمدردوں کے ناراض ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن جب مولونا شبلی اپنے خیال اور ارادہ سے باز نہ آئے تو سرسید نے نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کو خط لکھا کہ آپ مولانا شبلی کو اس کتاب کی تصنیف سے رکنے کا مشورہ دیں۔ کیونکہ کالج کی مصلحتیں اس بات کی مقتضی نہیں ہیں کہ اس کے ایک پروفیسر کے قلم سے ایسی فرقہ وارانہ کتاب نکلے۔ اس وقت کالج کے

ہمدردوں، معاونوں اور سرپرستوں میں سب سے زیادہ قابل تعظیم یہی بزرگ تھے اور سرسید کو یقین تھا کہ چوں کہ نواب صاحب شیعہ ہیں اس لیے یہ کتاب علی گڑھ کالج سے ان کی بدمزگی، بیزارگی اور بے التفائی بلکہ بے تعلقی کا موجب ہوگی اور اسی وجہ سے سرسید کو اصرار تھا کہ یہ کتاب نہ لکھی جائے۔مگر بالکل خلاف توقع سرسید کے اس خط کا جواب نواب عمادالملک نے یہ دیا کہ ''اسلام میں دین ودنیا کی جامع ۔کامل ذات صرف حضرت عمر کی ہے اور دنیا نے ایک ہی فاروق پیدا کیا ہے۔حیف ہے اگر اس کی سوانح عمری نہ لکھی جائے۔ آپ یہ سوانح عمری لکھنے سے مولوی شبلی کو نہ روکیے'' اور ساتھ ہی مولانا شبلی کی بہت کچھ تعریف وتحسین بھی کی۔مگر نواب عمادالملک کے اس خط کے باوجود سرسید کا یہی خیال تھا کہ بہتر ہوکر مولانا شبلی الفاروق نہ لکھیں اور اس ارادہ کو ترک کردیں (حیات شبلی، مرتبہ سلیمان ندوی صفحہ ۲۳۱)۔

اسی زمانہ میں جب ''الفاروق'' کا غلغلہ ہر طرف بلند تھا اور لوگ بہت بے صبری کے ساتھ اس کی اشاعت کے منتظر تھے۔خود سر سید ہی کے گروہ میں سے ایک صاحب منشی سراج الدین (راولپنڈی) نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حضرت فاروق اعظمؓ کی سوانح حیات شائع کرنے میں اولیت کا شرف حاصل کرنا چاہا اور (بقول خود) ''پانچ چھ مہینے میں'' جھٹ پٹ کچھ انتخاب واقتباس کے بعد ''سیرۃ الفاروق'' کے نام سے ۳۰۸ صفحے کی ایک کتاب شائع

کر دی یہ مطبوعہ کتاب جب سر سید نے دیکھی تو علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں انہوں نے اس پر ایک مضمون لکھا۔ یہی مضمون ہم آج ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔

متذکرہ بالا دونوں واقعات سے مولانا شبلی نے بد دل اور مایوس ہونے کی بجائے زیادہ مستقل مزاجی کے ساتھ ''الفاروق'' لکھنے کا پختہ عزم کر لیا اور کئی سال کی محنت اور کاوش کے بعد ''الفاروق'' مرتب کی۔ جو چھپنے کے بعد ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور اب تک اس کے بیسیوں اڈیشن نکل چکے ہیں۔ نصاب میں بھی داخل ہیں او راس کے فارسی اور انگریزی کی ''سیرۃ الفاروق'' ایسی گوشہ گمنامی میں چھپی کہ آج کہیں اس کا نام بھی سننے میں نہیں آتا۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

''اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ ہمارے کالج کے پروفیسر مولوی محمد شبلی نعمانی نے اپنی تصانیف سے ملک کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ المامون، سیرۃ النعمان۔ کتب خانہ سکندریہ اور الجزیہ بے مثل اور بے نظیر کتابیں ہیں۔ اگر وہ نعوذ باللہ اپنے رسالہ الجزیہ کی نسبت مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ کہیں کہ ''فاتوا بسورۃ من مثلہ'' تو کچھ تعجب نہ ہوگا جزیہ کا ایسا بیجا اور غلط الزام اسلام پر تھا۔ جس کا آج تک کسی نے ایسی عمدگی سے حل نہیں کیا تھا۔ ان اجرہ الاعلی اللہ بایں ہمہ انہوں نے مثل علمائے متقدمین با خدا الذین لاتنظرون الی الدنیا وحطامھا بل ینظرون الی رحمتہ اللہ و برکاتھا اولیٰ حالہ القوم واصلاحھا کوئی ذاتی فائدہ ان کتابوں کی تصنیف سے نہیں اٹھانا چاہا۔ بلکہ بالکلیہ مدرستہ العلوم دے دیا اور جب ان کی حالت معاش پر نظر کی جاوے تو ان کی یہ فیاضی بھی بہت زیادہ اور اعلیٰ درجہ کی باوقعت ہو جاتی ہے ذالک فضل اللہ

یوتیہ من یشاء اور جب ایسے شخص نے جو کیا بحثیت علم اور کیا بلحاظ عمدگی تالیف اور کیا بنظر طریقہ ترتیب مضامین میں یادگار سلف ہے ''الفاروق'' لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور بہت کچھ اس کا سامان بھی جمع کیا تھا۔ جس کا جمع کرنا نہ آسان کام ہے، نہ ہر ایک شخص کا کام ہے اور ہنوز بہت کچھ جمع کرنا باقی ہے۔ تو ہمارے دوست منشی سراج الدین احمد صاحب کو بلاشبہ مناسب نہ تھا کہ اسی مضمون پر کتاب لکھ ڈالتے۔ بلکہ اس رحمت کے منتظر رہتے جو خدا کو مولوی شبلی کے ہاتھ سے ملک کو پہنچاتی تھی۔

''ہیروز آف اسلام'' (کے سلسلے) میں حضرت عمرؓ کی لائف کا لکھانا ایک بہت بڑا نازک کام ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی لائف اس طرح پر لکھی جاوے جو انسانوں کے لیے باعث رحمت ہو، یا اس طرح پر لکھی جاوے کہ باعث آفت ہو، یا اس طرح پر لکھی جاوے کہ دونوں فریق شیعہ وسنی کو بجز گمراہی کے اور کچھ حاصل نہ ہو۔

سب سے مقدم یہ بات ہے کہ اول اس کا لکھنے والا شیعہ اور سنی دونوں مذہبوں کی قید سے اپنے تئیں آزاد سمجھے اور ہسٹورین (مورخ) بن کر ان کی لائف لکھیے۔ یا یہ کرے کہ ان امور کو جو دونوں فریق میں متنازعہ فیہ ہیں مطلق نہ چھیڑے اور ان واقعات اور حالات کو اور ان کی اس خصلت اور انتظامی قوت کو اور اس برکت کو لکھے جو ان کے زمانہ خلافت میں اسلامی دنیا کو پہنچی۔ جن سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔

مشکل یہ ہے کہ کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں ہے کہ اس کے ہر ایک فعل کو دو پہلو نیک او ربد سے تعبیر نہ کیا جاسکے۔ یہ مشکل اس وقت زیادہ ہوجاتی ہے جب کہ کسی اکابر دین کی جیسے کہ خلفائے راشدینؓ اجمعین ہیں۔ لائف لکھی جاوے، پس حضرت عمرؓ کی لائف لکھنا ایسا آسان کام نہیں تھا جیسا کہ ہمارے دوست منشی سراج الدین احمد صاحب نے سمجھا۔ مگر ہم کو افسوس ہوتا ہے جب کہ ان کی نسبت کوئی الزام بد نیتی کا دیا جاتا ہے منشی سراج الدے احمد

صاحب ایک نیک آدمی ہیں قومی بھلائی کا وہ خیال ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں کا وہ خیال ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے غلطی کی۔ جو کام ان کو نہ کرنا چاہیے تھا انہوں نے کیا۔ بلکہ وہ کام ان کے قابو سے باہر تھا۔ بلکہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہمارے مخدوم وحید العصر مولوی شبلی کے قابو سے بھی باہر ہے۔ مگر کسی بدنیتی یا طمع نفسانی کا الزام جو لوگ منشی سراج الدین احمد کی طرف لگاتے ہیں۔ نہ ہم اسے پسند کرتے ہیں اور نہ درست سمجھتے ہیں۔

فرض کرو کہ ایک مضمون پر ایک شخص نے کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔ اسی مضمون پر دوسرے شخص نے کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔ اس میں نقصان کیا ہوا؟ بلکہ جب دونوں کتابیں موجود ہوں گی تو لوگوں کو دونوں میں تمیز کرنے کا نہایت عمدہ موقع ملے گا اور یہ صادق آوے گا فتقبل من احدا ھما ولم یتقبل من الاخر۔

یہ سمجھنا کہ منشی سراج الدین کے سیرۃ الفاروق تحریر کرنے سے مولوی شبلی پیدل ہو گئے ہیں۔ اب نہ وہ ''ہیروز آف اسلام'' لکھیں گے اور نہ ''الفاروق'' محض غلط خیال ہے۔ اگر اہل ملک مولوی شبلی کی تصانیف کو سمجھتے ہوں تو وہ یقین کریں گے کہ اگر ایک ہی مضمون پر دس شخص بھی لکھیں تو مولوی شبلی کی تحریر نرالی ہو گی۔ بس ان کو کیا پروا ہے کہ اور کسی نے بھی کچھ لکھا ہے۔

مگر ہم مولوی شبلی کی اس رائے کو کہ بزرگان دین کو بھی ''ہیروز آف اسلام'' میں داخل کر کے ان کی لائف لکھیں ہرگز پسند نہیں کرتے اور نہ ان س متفق ہیں۔ وہ لوگ ''فادر آف اسلام'' ہیں نہ ''ہیروز آف اسلام'' اور ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا کرے مولوی شبلی ''الفاروق'' نہ لکھیں۔

ہم مولوی شبلی سے اصرار کر رہے ہیں کہ اپنا ''سفرنامہ'' ختم کرنے کے بعد ''الغزالی

’’یعنی لائف امام غزالی کی لکھ دیں، جو نہایت دلچسپ اور بے حد مفید ہو گی۔ خدا ان کو توفیق دے کہ ہماری بات کو مانیں۔ اس کے بعد جو خدا کو منظور ہو وہ کریں۔ لیکن اگر اس کے بعد بھی انہوں نے ’’الفاروق‘‘ لکھی تو ہم اس وقت ان کو کہیں گے جو کہیں گے۔

....

اختتام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔The End